رام پور کا لکشمن
ایم اے راحت

پیش لفظ

رام پور کا لکشمن ایک افسانوی رنگ لئے ہوئے ہے۔ مگر معاشرے میں چلنے پھرنے والے حقیقی کرداروں میں سے ایک کردار ہے جو اپنا ایک افسانوی حسن بھی رکھتے ہیں۔
رام پور کا لکشمن اپنی طرزِ زندگی کے اعتبار سے ایک انوکھا کردار ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ انوکھا اور نہ بھولنے والا ہوتا ہے۔ اس نے زندگی میں طرح طرح کے کسب سیکھے، مگر اس کی زندگی میں پہلا دلچسپ موڑ اس وقت آتا ہے جب اُسے اتفاقیہ طور پر ٹیلی پیتھی سے ملتا جلتا ایک علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے اعمال و افعال اور زندگی کا دائرۂ عمل وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔
دھنی ٹھاکر کے اکھاڑے میں زور کرنے والے نوجوان کا واسطہ جب عالمی سیاست سے پڑتا ہے تو کہانی اپنے نقطہ عروج پر پہنچتی ہوئی نظر آتی ہے۔ خاص طور پر انقلابِ ایران کا پیش منظر اور پس منظر لکشمن کے سامنے آتا ہے تو واقعات کا ایک سنسنی خیز سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ قبل ازیں وہ ہندوستان کے مندروں میں پوجا پاٹ کی آڑ میں داسیوں اور پنڈتوں کی عشرت گاہوں اور مندروں کا تقدس پامال کرنے والے پجاریوں کے خلاف ایک مہم سرانجام دے چکا ہوتا ہے جس سے انقلابِ ایران کے اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز کو بڑی آسانی سے سمجھا جاتا ہے۔
انقلابِ ایران کے شب و روز کا دلچسپ احوال اتنی تفصیل سے سامنے آتا ہے کہ اس موضوع پر قاری کو کسی اور کتاب کے پڑھنے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اور پھر اس سلسلے میں لکشمن ان جذبات سے روشناس ہوتا ہے جسے کائناتی حقیقت یعنی محبت

کہتے ہیں۔

ایک قتالہ عالم دوشیزہ کا عشق اُس کی نس نس میں سما جاتا ہے۔ غموں سے دُور رہنے والا لکشمن سوز و گداز کی تصویر بن جاتا ہے۔ لکشمن کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

معزز قارئین! پل پل رنگ بدلتی یہ ایڈونچرس داستان یقیناً آپ کو پسند آئے گی۔

محمد علی قریشی

ہندوستان کی تاریخ کے بے شمار ابواب میں رام پور کا نام بھی خاصے واقعات کا مرکز ہے۔ یہ بھی وہ شہر ہے جس نے تاریخ میں بارہا خود کو درج کرایا ہے۔ نوابین رام پور نے اپنی داستانیں بڑے مختلف انداز میں چھوڑی ہیں۔ مؤرخوں اور مصنفوں نے اس پر اختراع پردازی بھی کی ہے اور اس کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ بہت بڑے ادیب جناب مولانا عبدالحلیم شرر نے ایک کتاب ''دربار حرام پور'' بھی لکھی ہے۔

ہمیں ان داستانوں یا تاریخ سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم تو پالی محل سے پرے احمد گنج کے آخری سرے پر بسے ہوئے کٹرہ دیاوتی کی بات کر رہے ہیں جہاں پنڈت تلیّا رام رہتا ہے۔ ایک سیدھا سادھا شریف ہندو جسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ پاکستان کیوں بن گیا۔ یا بال ٹھاکرے کون سی زبان میں بھونکتا ہے۔ یہ شخص خود کو جیوتشی کہتا ہے۔ جوتش وِدّیا سے ہی روزی کماتا ہے۔ خدا کی دین کا تو خیر کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ سب کو دیتا ہے۔ سب کے ذریعے بنا رکھے ہیں۔ چنانچہ عام لوگوں سے تو خیر پنڈت جی کو کیا ہی ملتا ہے۔ لیکن رام پور کے دو تین امیر گھرانے اس کی کفالت کرتے ہیں۔ کیونکہ اتفاق سے جیوتشی جی کی جیوتش وِدّیا کے تکے ان گھرانوں میں لگ گئے ہیں۔

تلیّا رام کی جیوتش وِدّیا کے بارے میں دوسرے تو خیر کیا ہی جانتے ہوں، سب سے زیادہ معلومات اس کی مسز یعنی پنڈتانی پاربتی دیوی کو ہے۔ اور صبح کو خاص طور سے اس موضوع پر ضرور کوئی نہ کوئی تبصرہ آرائی یا معرکہ آرائی ضرور ہوتی ہے۔ آیئے دیکھیں اس وقت کیا ہو رہا ہے۔

اس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بجے ہیں۔ آسمان پر سرمئی بدلیاں کروٹیں لے رہی ہیں۔ پو پھٹ رہی ہے۔ پنڈت جی اپنے گھر کے طویل و عریض صحن میں تلسی کے درخت کے پاس بھگوت گنیا کا پاٹ کر رہے ہیں۔ ان کی منمناتی ہوئی آواز گونج رہی ہے۔

''دو تھے دسرت کے بیٹے مدن جسکرن

بھولی بھالی صورت ان پہ بھنڈار ہے۔
سرسکنا وردھانیہ جے مدھو کنا ہر چندی
ایشور اللہ تیرے ہی نام سب کو سمت دے بھگوان۔''

دیوی جی کی آواز آئی۔ ''سب کو تو سمت دے دے گا بھگوان مگر لالہ بھگوتی اب نہ آٹا دے گا نہ چاول۔ صاف کہہ دیا ہے اُس نے۔''

''جے تھمنا کو دمنا۔ بھگا اس بھوتنی کو صبح صبح۔'' پنڈت جی نے برا سا منہ بنا کر بھجن پڑھتے ہوئے کہا۔ مگر پاربتی جی نے سن لیا۔

''بھگوتی ایسے نہیں بھگائے کا کسی کو۔ پہلے سنسار دیکھو، پھر آکاش پر نظر ڈالو۔ گھر میں مہمان آرہے ہیں اور چاول ہیں نہ آٹا۔''

''دھت تیرے چاول اور آٹے کی۔ ساری تپسیا بھنگ کر دی۔ ارے بھگوتی تو پاگل ہو گیا ہے۔ سارا حساب چکتا کر دیا ہے اُس کا۔ دیکھوں گا کیسے منع کرتا ہے سودا دینے کو۔''

''تو زبردستی اُدھار لو گے کیا؟ مرضی اُس کی۔ میں تو کہتی ہوں اب بھی بات مان لو اودے شنکر مہاراج کی نوکری کر لو۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''ہونہہ پنڈت اودے شنکر۔ ڈھونگی ہیں نرے۔ چٹکی بھر بھبھوت دیتے ہیں اور جیب خالی کرا لیتے ہیں۔ وہ بھی بھگوان کے گھر میں بیٹھ کر۔ ہردے بیچ دیا ہے انہوں نے اپنا۔ معلوم ہے وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

''کیا چاہتے ہیں بھلا؟'' پاربتی دیوی نے پوچھا۔

''اُن کی ہاں میں ہاں ملاؤں۔ لوگوں کو لوٹوں۔''

''سنسار میں سب ایک دوسرے کو لوٹ رہے ہیں۔ کوئی کسی کے گھر ڈاکہ مارنے تو نہیں جاتا۔ لوگ خود چل کر آتے ہیں اپنی اپنی مشکل کا اپائے لینے۔ تم بھی تو آخر لوگوں کو ان کے آنے والے سمے کے بارے میں بتا دیتے ہو۔''

''میں جو بتاتا ہوں سچ بتاتا ہوں۔''

''اور لوگ تمہیں اس سچ کے بدلے پھوٹی کوڑی نہیں دیتے۔''

''سچ کا بدلہ کہاں ملتا ہے باؤلی۔ سنسار میں جھوٹ کا بول بالا ہے۔''

''تو کیوں نہیں بولتے جھوٹ؟ پیٹ تو بھرے گا۔''

''دل نہیں مانتا پاربتی۔ کوئی پوچھتا ہے نوکری کب لگے گی پنڈت جی؟ کیسے کہہ دوں

اُس سے کہ بچے، بس کام ہونے ہی والا ہے۔ نکال سترہ روپے آٹھ آنے۔ ارے سترہ روپے آٹھ آنے ممکن ہے دو دن اُس کا پیٹ بھر دیں۔ اُسے بھوکا کر دوں اور خود کھا لوں؟''

''دونوں میں سے ایک کو تو بھوکا مرنا ہی ہے۔ ہم مریں یا وہ۔''

''نہ بابا نہ...... نہ پاربتی۔ دوسروں کو بھوکا مار کر میں اپنا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔''

''تو پھر یہ جیوتش وِدّیا چھوڑ کر کوئی اور ڈھنگ کا کام کرو نا۔''

''ارے سارا جیون تو اس میں گزر گیا۔ اب کیا ڈھنگ کا کام کروں؟ اصل بات تو یہ ہے پاربتی کہ اب یہ ذمہ داری ہمارے سپوت کو سنبھالنی چاہئے۔ بھگوان کی دیا سے پورے چھ فٹ کا ہے۔ ماں باپ تو آرزو کرتے ہیں کہ ان کا بیٹا لمبا تڑنگا، چوڑا چکلا ہو۔ تاکہ زیادہ محنت مزدوری کر کے ماں باپ کو سکھ دے۔ پر ہم اس سے محروم ہیں۔''

پاربتی کے لئے یہ دُکھ کا پہلو تھا۔ شوہر کی یہ شکایت بالکل بجا تھی۔ لاکھ سمجھاتی تھی لکشمن کو۔ پھر وہ مان کر دیتا تب کی بات تھی نا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑا مظلوم تھا تلیا رام۔ باپ بھی جیوتشی تھا۔ خود اپنے باپ کا بڑا بیٹا تھا۔ ایک اور چھوٹا بھائی تھا جو گھر کا سارا سامان سمیٹ کر کہیں باہر نکل گیا تھا اور اس کے بعد بھول گیا تھا کہ اس خاندان سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔ تلیا رام کو اس کے پتا نے اپنی وِدّیا سکھائی تھی۔ ستاروں سے دوستی کرا دی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ تلیا رام کے اپنے ستارے ان کے موافق نہیں تھے اور کبھی انہوں نے تلیا رام کو ایک اچھی زندگی کی خوشخبری نہیں سنائی تھی۔ ہاں بس بھگوان نے ایک بیٹا دے دیا تھا۔ نام رکھا گیا تھا لکشمن۔ چنانچہ رام پور کا یہ لکشمن بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑا بہت پڑھا لکھا تھا۔ پڑھنے لکھنے سے کوئی بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی اُسے۔ شکل وصورت کا بہت پیارا تھا۔ قد و قامت بھی شاندار نکالا تھا۔ لیکن بس ذرا فطرت میں لا اُبالی پن تھا۔ باپ کے دھندے سے تو خیر اُسے کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں۔ رام پور کی بہت سی رام پیاریاں اُسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتی تھیں اور رات کی تنہائیوں میں سوچتی تھیں کہ کاش کوئی ایسا جادو منتر ہاتھ آ جائے جس سے وہ ان کا اپنا ہو جائے۔ پر لکشمن کی بات ہی اور تھی۔ ماں کہتی تھی۔

''بیٹا لکشمن! بڑے ہو گئے ہو اب۔''

''ہاں ماتا جی...... بھگوان کی دیا ہے۔''

''بھگوان کی دیا تم پر ہے۔ ہم پر بھی تو دیا کر دو۔''

''بولو ماتا جی۔ کیا چاہئے تمہیں؟''

"تن کا سکھ، من کا سکھ۔"

"یہ دونوں چیزیں تو صرف بھگوان کے پاس ہوتی ہیں۔ سنا ہے پتا جی کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟"

"پتا جی یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کچھ کام دھندا کرو تو گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹے۔ اب ان بے چارے کو کیا ملتا ہے۔ بڑی مشکل سے دو روٹی اور کپڑے مل جاتے ہیں۔"

"ماتا جی...... ماتا جی...... ماتا جی! دوش پتا جی کا ہے۔ اس سنسار میں جو بھی کام کرنا چاہئے آگے بڑھ کر کرنا چاہئے۔ اب پتا جی تو وہی لکیر پیٹے جا رہے ہیں۔ ستاروں کا کھیل برا نہیں ہے۔ پر ماتا جی اس کھیل کو بھی اونچے پیمانے پر کھیلنا چاہئے۔ بڑے بڑے رئیس پڑے ہوئے ہیں، سب کچھ موجود ہے اس سنسار میں۔ آگے بڑھ کر اپنا حصہ لینا پڑتا ہے ماتا جی۔ کوئی تمہارے گھر میں تمہیں کچھ پہنچانے نہیں جاتا۔"

"تقریر شروع کر دی۔ میں کہتی ہوں کوئی کام دھندا کر۔"

"کیا اسٹیشن پر جا کر قلی گیری کروں؟"

"حرج کیا ہے؟ ہٹا کٹا ہے۔ کچھ ملے گا ہی۔"

"ماتا جی...... ماتا جی! رام پور کے لکشمن کو جانتی ہو تم۔ ارے لکشمن جیسا جوان لوگوں کا سامان اٹھائے گا؟"

"تو پھر کیا کرے گا آخر؟"

"بس دیکھنا...... بھگوان نے میری تقدیر میں راجکمار بننا لکھا ہے۔ کسی سے اچانک ہی تمہارے سامنے آ کر تمہیں بتاؤں گا کہ دیکھو ماتا جی یہ ہے لکشمن۔"

"پتہ نہیں وہ دن کب آئے گا؟ ہمارے جیون میں آئے گا بھی یا نہیں آئے گا؟"

"تمہارے جیون میں ہی آئے گا ماتا جی۔ بس تھوڑا سا انتظار اور کر لو۔"

تو یہ تھی بے چارے تلیا رام کی زندگی۔ کچھ گھرانے ایسے تھے جو جیوتش وغیرہ کے قائل تھے۔ راجا سکھ رام جن کے بیٹے کو سزا ہو گئی تھی، پنڈت جی کے پاس آئے۔ ستارے سامنے لائے اور نجانے کس طرح پنڈت جی کے منہ سے نکل گیا کہ سزا کی اپیل کر دی جائے۔ اپیل منظور ہو جائے گی۔ اور ایسا ہو گیا تھا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ پنڈت جی کا ماہانہ خرچہ بندھ گیا تھا۔ دو تین گھرانے اور ایسے ہی تھے جہاں باقاعدہ پنڈت جی کی پوچھ تاچھ ہوا کرتی تھی۔ صحیح معنوں میں تو انہی گھرانوں سے یہ گھر بھی پل رہا تھا۔ اور باقی بات رہی لکشمن کی

تو بہت آگے کی چیز تھا۔ دماغ میں جیسے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشغلے تھے اُس کے۔ باپ کی آمدنی تو خیر محدود ہی تھی۔ بے چارہ اسی طرح سے گزارا کر لیا کرتا تھا۔ لیکن خود اپنی جان بنانا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے اُس نے بڑا معقول بندوبست کر رکھا تھا۔ اپنی شاطرانہ چالوں سے وہ اپنی زندگی کا ایک سنہرا دور گزار رہا تھا۔ صبح منہ اندھیرے گھر سے نکل جاتا یہ کہہ کر کہ سیر کرنا صحت کی علامت ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد پہنچ جاتا تھا دھنی ٹھاکر پہلوان کے اکھاڑے پر۔ دھنی ٹھاکر کا باقاعدہ کاروباری اکھاڑہ تھا۔ پندرہ بیس پٹھے تھے اُس کے جو صبح کو ورزشیں کیا کرتے تھے۔ لکشمن پہلی بار وہاں پہنچا تھا۔ جسامت اچھی تھی۔ سینے پر گوشت بھی تھا۔ لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں اُتر گیا اور چیلنج کر ڈالا۔ دھنی ٹھاکر کے پٹھوں میں سے ایک پٹھے نے چیلنج قبول کیا اور خوش قسمتی یہ رہی کہ لکشمن نے اُسے چت کر دیا۔ دھنی ٹھاکر نے فوراً اُس سے اُس کے گرو کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا کہ ابھی تو وہ بغیر گرو کے ہے۔ دھنی ٹھاکر کی آنکھوں نے جانچ لیا کہ لڑکا کام کا ہے۔ چنانچہ اُسے اپنے پٹھوں میں شامل کر لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک طرح سے لکشمن کے سارے اخراجات دھنی ٹھاکر نے سنبھال لئے۔ صبح کو بادام پستے کی ٹھنڈائی، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا۔ گھر میں تو بس نام کو ہی کھانا پینا ہو جایا کرتا تھا۔ بڑی اچھی زندگی گزر رہی تھی۔ استاد نے خود داؤ پیچ سکھائے تھے۔ جاندار تو تھا لیکن کبھی کبھی کوئی تگڑا جوڑ پڑ جاتا تھا تو پریشانی ہو جاتی تھی۔ مگر اس موقع کے لئے لکشمن نے اپنی ایجادات کر رکھی تھیں۔ خاص طرح کے باریک پن خاص طور سے انگوٹھے میں پھنسا لیا کرتا تھا۔ کشتی ٹھیک چل رہی ہوتی تو ٹھیک تھا ورنہ پن کام آ جاتا تھا۔ مقابل لڑتے لڑتے اچانک سی کی آواز کے ساتھ چونکتا اور بس وہی لمحہ ہوتا تھا کہ لکشمن اپنے مدمقابل کو پچھاڑ لیا کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پن صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جاتا تھا اور اس کے بعد پوری ٹیکنیک کے ساتھ اسے اس طرح غائب کر دیا جاتا تھا کہ اس کا نام ونشان بھی نہ ملے۔ اور پھر چھویا ایسی جگہ جاتا تھا کہ مدمقابل کسی کو وہ جگہ دکھا بھی نہ سکے۔ بہرحال اس میں بھی لکشمن نے کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اس طرف تو تلیا رام لکشمن کے بارے میں اپنی دھرم پتنی سے باتیں کرتا رہتا تھا اور دوسری طرف لکشمن اپنا کام کر رہا تھا۔ اکثر اپنے دوستوں میں بیٹھ کر وہ کہتا۔

"تم لوگ یقین کرو میں نے جو خواب دیکھے ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ اور دیوی دیوتا

مجھ سے کہتے ہیں کہ تیرے سارے خواب سچے ہیں۔ بہت بڑا آدمی بنے گا تو ایک دن۔ اب پتا جی ہیں کہ مجھے بھی ستاروں کی لکیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ ارے بابا تم اپنے ستاروں کو دیکھو، مجھے میرے ستاروں کو دیکھنے دو۔''

لیکن ایک دن تلیا رام کا پارہ چڑھ گیا۔ دوپہر میں آیا تھا۔ بیوی سے کہنے لگا۔

''پاربتی! کہاں ہے وہ؟''

''کیوں خیر تو ہے؟''

''آج خیر نہیں ہے بس۔''

''کیا ہوا آخر؟''

''نہیں ہوا کچھ نہیں ہے۔ تو دیکھ تھک ہار گیا ہوں۔ ٹھاکر ویر سنگھ یاتراؤں کو چلے گئے ہیں۔ چھ مہینے سے پہلے واپسی نہیں ہوگی۔ ہمارا خرچہ کہاں سے چلے گا اب؟ کوئی پابندی تو ہے نہیں ان پر کہ ہمارا پیٹ بھر کر ہی کہیں جائیں۔ یہ کچھ کر رہا ہوتا تو بھگوان کی سوگند کوئی چنتا نہیں تھی۔ بھگوان نے بھی تو دیا ایک ہی بیٹا دیا۔ گیا کہاں ہے؟''

اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ اسی وقت لکشمن گھر میں داخل ہوا تھا۔ وقت گزر جاتا تو بات ٹل جاتی مگر اس وقت تلیا رام کو چڑھی ہوئی تھی۔ لکشمن کو دیکھتے ہی بپھر گیا۔

''نام تو ہے تیرا لکشمن۔ پر راکشش ہے پورا...... راکشش۔''

''کون پتا جی؟ آپ مجھے نام بتائیں۔ آپ کے سامنے آنے والے ہر راکشش کو ختم کر دینا میرا دھرم ہے۔'' لکشمن نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔

''تجھ سے بڑا راکشش اور کون ہے میرے لئے۔ ارے جوان ہے۔ دیو کا دیو ہے۔ اور تیرا باپ ہے کہ دوسروں کے ہاں ٹکڑے تلاش کرتا پھرتا ہے۔''

''ٹکڑے؟ کاہے کے ٹکڑے پتا جی؟ آپ مجھے بتائیے۔ ہر چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپ کے سامنے ڈال دوں۔''

''سمجھا لے اسے۔ سمجھا لے لکشمن کی ماں! اسے سمجھا لے۔ مذاق اُڑا رہا ہے میرا۔''

''ہرے رام...... ہرے رام پتا جی! میں نے تو سوگند کھائی ہے کہ آپ کا مذاق اُڑانے والوں کو اس سنسار میں جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کا مذاق اُڑا رہا ہوں؟''

''پاپی...... کیا کرے گا تو آخر...... کیا کرے گا؟......''

''پاپی تو پاپ کرتا ہے پتا جی۔ میں کیا کروں گا آپ مجھے بتائیے۔''

''تجھ سے بڑا پاپی کوئی اور ہے اس سنسار میں؟''

''ارے نہیں نہیں پتا جی! میں کیا اور میری اوقات کیا...... کیوں ماتا جی؟''

''بک بک کئے جا رہا ہے...... بک بک سمیٹے جا رہا ہے۔ باپ سے یہ نہیں پوچھتا کہ تجھ سے شکایت کیا ہے انہیں......''

''پتا جی! آپ کو مجھ سے کیا شکایت ہے؟'' لکشمن نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا۔

''ایک شکایت ہو تو بتاؤں۔ مجھے تجھ سے اتنی شکایتیں ہیں کہ سنسار میں کسی کو کسی سے اتنی شکایتیں نہیں ہوں گی۔''

''ارے اچھا...... اوہو ہو...... ماتا جی! دیکھا آپ نے پتا جی مجھ سے کتنا پریم کرتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ جس سے پریم ہوتا ہے اسی سے شکایتیں بھی ہوتی ہیں۔ اصل میں شکایت تو پتا جی کو مجھ سے کوئی نہیں ہے۔ پر یہ پریم مجھ سے......''

''اب میں کہتی ہوں بک بک کئے جائے گا یا ان کی بات بھی سنے گا؟''

''سن رہا ہوں...... سن رہا ہوں۔ بھلا پتا جی کی بات نہیں سنوں گا تو کسی اور کی سنوں گا کیا؟ بتائیے پتا جی! کیا بات ہے؟''

''تھک گیا ہوں میں بالکل......'' تلیا رام نے کہا۔

''تو اندر چلئے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں دبا دوں۔ ایسے دباؤں گا کہ آپ کی ساری تھکن دُور ہو جائے گی۔''

''بیٹا ہاتھ پاؤں دبانے سے تو اچھا ہے کہ تو میری گردن دبا دے۔''

''گردن...... پتا جی، آپ کی گردن میں درد ہو رہا ہے؟''

''دیکھ اسے چپ کر لے پاربتی! اسے چپ کر لے۔ بھگوان کی سوگند اپنا بھی سر پھوڑ دوں گا اور اس کا بھی پھوڑ دوں گا۔''

''ارے...... ارے...... ارے...... نہیں نہیں پتا جی، آپ میرا سر بے شک پھوڑ دیں، اپنا نہیں پھوڑیں۔ ماتا جی! کوئی بات ہے؟''

''بس میں کچھ نہیں کہوں گی تجھ سے۔ سمجھ رہی ہوں کہ تو کس طرح کا ہو گیا ہے۔''

''اچھا...... اچھا...... اچھا...... آیئے بیٹھیے تو سہی۔ مجھے بتائیں میرا دوش کیا ہے؟''

لکشمن نے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا۔ بہرحال ماں باپ تھے۔ محبت بھی کرتا تھا ان سے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ شرارتیں طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں لیکن بہرحال ماتا پتا کے سوا سنسار میں اس کا بھی کون تھا؟ باپ نے کہا۔

''تو کچھ کرے گا نہیں؟''

''پتا جی! آپ جو کہیں گے کرلوں گا۔ آپ کہہ کر تو دیکھیں۔''

''تو پھر میرے ساتھ جیوتش وڈیا سیکھ۔''

''ارے دیا رے دیا۔ یعنی آپ کا مطلب ہے کہ ستاروں سے عشق لڑاؤں؟''

''ہاں...... بالکل ٹھیک بات کہی تو نے۔''

''پتا جی، ایک کام کروں؟''

''بول۔'' تلیا رام نے کہا۔

''اگر میں فلمی ستاروں سے عشق لڑا لوں تو؟''

''تو بیٹا تھانے جائے گا۔ جوتے پڑیں گے۔ بس اور کچھ نہیں ہوگا۔''

''اچھا تو پھر آپ بتائیے، کیا کروں؟''

''میرے ساتھ ستاروں کا گیان سیکھ۔ اتنا بڑا نجومی بن جا۔ اتنا بڑا کہ لوگ تیرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے پتا جی؟''

''جو کرنا چاہے نا منش اس سنسار میں وہ سب ہو جاتا ہے۔ تو ہمت کر۔ میں تجھے ستاروں کا علم سکھاتا ہوں۔''

''اب یہ کہوں گا تو پتا جی ناراض ہو جائیں گے ماتا جی! کہ خود پتا جی نے اتنا بڑا علم کیوں نہیں سیکھا کہ لوگ ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہا کرتے۔ مگر چلئے میں نہیں کہتا۔ آپ کہتی ہیں میں پتا جی کو ناراض کرتا ہوں۔ اچھا بتائیے پتا جی، مجھے کیا کرنا ہے؟''

''دیکھو، ویسے تو ستارے ساری رات نکلے رہتے ہیں۔ پر سب سے پہلے جب اس علم کا آغاز ہوتا ہے تو صبح کے ستارے سے ہوتا ہے۔''

''مر گیا رے مر گیا...... آپ کا مطلب ہے کہ صبح کے ستارے سے میں سیکھنا شروع کروں؟''

''ہاں۔ جیوتش وڈیا کا یہ اصول ہے کہ ہر نیا انسان صبح کے ستارے سے جیوتش یا نجوم

سیکھنے کا آغاز کرتا ہے۔''

''تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''صبح ساڑھے چار بجے اُٹھنا ہوگا۔''

''اور؟'' لکشمن نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بس میں تجھے سکھاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے پتا جی! جیسا آپ کا حکم۔'' بہرحال وہ باپ کو اتنا دُکھ بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ نجوم یا ستاروں سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس اپنے طور پر اپنی زندگی جینا چاہتا تھا اور اس کے لئے کوششیں کر رہا تھا۔

بہرحال پھر یوں ہوا کہ صبح ساڑھے چار بجے تلیا رام نے اُسے جگا دیا اور اُسے لے کر چھت پر پہنچ گیا۔ اُس نے اُسے دو زانو بیٹھنے کے لئے کہا۔ کچھ اشلوک بتائے اور کہا کہ صبح کے ستارے کو دیکھتے ہوئے وہ یہ اشلوک پڑھے۔ یہ ایک طرح کے قرض کی ادائیگی ہے۔ تین دن تک اسے یہ کرنا ہے۔

''ٹھیک ہے پتا جی۔''

''اس کام کے لئے تنہائی ضروری ہوتی ہے۔ میں نیچے جا رہا ہوں۔ تو اس سے تک یہ اشلوک پڑھتا رہ جب تک کہ ستارہ ڈوب نہ جائے۔''

لکشمن نے باپ سے وعدہ کرلیا اور اس کے بعد اُس نے صبح کے ستارے کو دیکھا، پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ برابر کی چھت پر نظر پڑی تو اُسے ایک حسین مورت نظر آئی۔ یہ تلسی تھی۔ سکھیا ناتھ کی دھرم پتنی۔ سکھیا ناتھ کی عمر پینسٹھ سال کی تھی اور تلسی سترہ سال کی۔ دو سال شادی کو ہوئے تھے۔ سکھیا ناتھ نے جیون بھر دولت کمائی تھی اور شادی کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ نجانے کیا ہوا کہ تلسی کے ماتا پتا نے سترہ سال کی تلسی کی شادی سکھیا ناتھ سے کر دی تھی۔ تلسی شکل وصورت کی بہت اچھی تھی۔ جوانی کی عمر میں ویسے بھی سب حسین ہوتے ہیں۔ تلسی کی نگاہوں میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی تھی کسی کو۔ لیکن اس وقت نجانے کیوں اُس نے لکشمن کو دیکھا تو ٹھٹرا کر کھڑی ہوگئی۔ لکشمن کو بھی وہ اتنی پیاری لگی کہ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ اس سے پہلے بھی دو ایک بار تلسی کو دیکھا تھا لیکن سرسری نگاہ سے۔ اچانک ہی اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر تلسی کو پرنام کر دیا۔ جواب میں تلسی کی حسین مسکراہٹ نے اُس کا سواگت کیا تو لکشمن اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے پاس جا پہنچا۔

''سکھیا چاچا کہاں ہیں؟''

''نیچے خراٹے بھر رہے ہیں۔''

''اور تم یہاں کیا کر رہی ہو تلسی؟''

''بس پتاجی کے جیون سے یہ عادت ہے۔ چھت پر آ کر بھگوان سے اپنے بھوش کے لئے پراتھنا کرتی ہوں۔''

''اچھا۔ کیسے بھوش کی آرزو ہے تمہیں؟'' لکشمن نے اُس سے پوچھا۔

''بس جو بھگوان دے دے۔''

''بھگوان نے تو تمہیں بھوش دے دیا ہے۔''

''یہ بھوش ہے؟'' تلسی کے لہجے میں شکایت اُبھر آئی۔

''تو پھر؟''

''دُکھ ہے یہ۔''

''ارے وہ کیوں؟''

''تم کیا پوچھو ہو۔ کتنی عمر ہے میری؟'' تلسی نے پہلی ہی ملاقات میں شکایتوں کے سارے دفتر کھول دیئے۔

''چھوٹی سی...... بالی سی۔''

''اور تم جسے چاچا کہتے ہو اُس کی کیا عمر ہے؟''

''بس یوں سمجھ لو ارتھی پر بیٹھا ہوا ہے۔''

''ہاں...... تو پھر اس ارتھی کو تم سورگ کہو گے؟''

''بالکل نہیں۔''

''تو پھر کیا کہو گے؟''

''ارتھی۔'' لکشمن نے کہا اور تلسی ہنس پڑی۔ لکشمن کو اُس کی ہنسی بہت پیاری لگی تھی۔ کہنے لگا۔

''چاچا سکھیا رام کے سامنے بھی ایسے ہی ہنستی ہو؟''

''روتی ہوں اُس کے سامنے۔ ہنسی تو کبھی آتی ہی نہیں ہے۔ رات بھر ایسے خراٹے لیتے رہتے ہیں کہ بس ایک منٹ کو نیند نہ آئے۔''

''تو چھت پر آ کے سو جایا کرو۔''

''تو اور کیا کرتی ہوں...... اکثر یہی کیا کرتی ہوں۔''

''اچھا اچھا...... چلو ٹھیک ہے۔ اچھا ہوا تم سے بات ہو گئی۔''

''مگر تم پہلی بار نظر آ رہے ہو؟''

''ہاں...... پتاجی سے ستاروں کا گیان سیکھ رہا ہوں۔''

''جیوتشی جی سے ذرا میرے بارے میں تو کچھ معلوم کرو۔''

''کیا؟''

''یہی کہ میرا جیون کیا ہے؟''

''تھوڑے دن رُک جاؤ۔''

''کیا مطلب؟''

''میں خود جیوتشی بن جاؤں گا۔ پھر تمہیں تمہارے جیون کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

''اتنی جلدی بن جاؤ گے؟''

''تمہیں جلدی ہے؟''

''تو اور کیا......''

''اچھا خیر، پھر سہی۔''

''روزانہ آؤ گے اب چھت پر؟''

''روزانہ آؤں گا۔ اب تو ضرور آؤں گا۔'' لکشمن نے ہنستے ہوئے کہا اور تلسی بھی ہنسنے لگی۔ بس اتنی باتیں ہوئی تھیں۔ نیچے سے سکھیا رام کی آواز سنائی دی۔

''ارے تلسی! آ جا نیچے۔ بس سورج نکلنے والا ہے۔ جانا ہے مجھے۔''

''آئی۔'' تلسی نے کہا اور لکشمن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کل آؤ گے نا؟''

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔'' لکشمن نے کہا۔

تلسی چلی گئی اور لکشمن صبح کے ڈوبتے ہوئے ستارے کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''جا بھائی جا۔ اب تو بھی جا۔ بلاوجہ مجھے جگا رکھا ہے رات سے۔''

تھوڑی دیر تک وہ بیٹھا رہا۔ جب ستارہ ڈوبا تو تلیا رام خاموشی سے دبے قدموں اوپر چڑھ آیا یہ دیکھنے کے لئے کہ بیٹا کیا کر رہا ہے۔ لیکن لکشمن بھی اپنی ذات میں ایک ہی تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ منہ ہی منہ

میں اشلوک بدبدانے لگا تھا۔ تلیا رام اُس کے پیچھے آکھڑا ہوا پھر بولا۔

"بیٹا آجا...... نیچے آجا۔ چل تیری ماں نے دودھ تیار کر کے رکھا ہوا ہے۔ آجا۔"

تلیا رام لکشمن کو اپنا کام کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ بہرحال لکشمن اپنے کام میں مصروف تھا۔ گھر میں بھی کھانے کو مل رہا تھا۔ اور اُدھر ٹھاکر تو ویسے ہی اُس کا عاشق تھا۔ بادام، پستے، دُودھ اس کے علاوہ کھانے کو بہترین غذا۔ اور وہ بھی کھانے میں نہیں تھا۔ تلیا رام کے تو فرشتوں کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اُس کا بیٹا اچھا خاصا پہلوان بن چکا ہے اور کئی کشتیاں لڑ چکا ہے اور جیت چکا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات ہارنے والے بھی چیختے چلاتے رہ جاتے تھے کہ انہیں دھوکے سے چت کیا گیا ہے۔ کوئی چیز چبھوئی گئی ہے ان کے بدن میں ایسی جگہ کہ وہ دکھا اور بتا بھی نہیں سکتے۔ لیکن اس بات کو مانا کسی نے نہیں تھا۔

اُدھر تلسی سے لکشمن کی دوستی بڑی اچھی چل رہی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ تلسی بھی برے کردار کی عورت نہیں تھی۔ ماتا پتا نے نجانے کس لالچ کے تحت چھوٹی سی لڑکی کی شادی اس بوڑھے آدمی سے کر دی تھی۔ تلسی نے اسے اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ لیکن وہ جو اندر تشنگی ہوتی ہے وہ آسانی سے کہاں بجھتی ہے۔ لکشمن کو دیکھ کر تلسی کے اندر کی پیاس جاگ اُٹھی تھی۔ لیکن نہ تو لکشمن ہی بدکردار تھا اور نہ تلسی۔ دونوں میں گہری دوستی ہو گئی تھی۔ یہ دوستی چھپ چھپ کر ملنے میں مزا دیتی ہے۔ لیکن بات دوستی سے ایک لفظ آگے نہیں بڑھی تھی۔ دونوں دل کی باتیں کیا کرتے تھے۔ تلسی کو لکشمن بہت اچھا لگتا تھا۔

اب لکشمن کے لئے ایک تیسرا سہارا بھی ہو گیا تھا۔ کھانے پینے میں زبردست پیٹو تھا۔ دن میں دس بار کھلا لیجئے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس پر صبح کے ستارے نے مزا کر دکھایا تھا۔ ایک طرف باپ خوش تھا کہ بیٹا حیرت انگیز طور پر علم نجوم سیکھ رہا ہے، ڈوبتے ستارے کا گیان پورا ہو جائے تو پھر اسے ستاروں کی دوسری باتیں بتائی جائیں۔ یہ ایک خاص طریقہ کار تھا جو علم نجوم یا جیوتش میں استعمال ہوتا تھا۔ لیکن لکشمن کو صبح کے ستارے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس کے خیال میں تو صبح کا ستارہ تلسی تھی جو نجانے کس وقت جاگ جاتی۔ لکشمن کے لئے کھیر پوری، کبھی حلوہ پوری، ترکاری بھاجی تیار کرتی اور لے کر صبح ہی صبح اوپر پہنچ جاتی۔ اس وقت جب صبح کا ستارہ نہیں ڈوبا ہوتا تھا دونوں ایک دوسرے کو ناشتے کے نوالے کھلاتے اور شاید دونوں کے اندر چھپی ہوئی کسی حِس کو تسکین پہنچتی۔ اس طرح وہ بڑے

اچھے دوست بن گئے تھے۔

اُدھر تلسی کا پتی سکھیا ناتھ ان دنوں بڑا حیران تھا۔ وہ دُکاندار تھا اور دُکانداری کرتا تھا۔ دُکان تو صبح دیر کو ہی کھلتی تھی چنانچہ وہ دیر سے اُٹھتا تھا۔ پہلے تو تلسی بس زندگی ہی گزار رہی تھی۔ کبھی دلچسپی سے سکھیا ناتھ کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے سکھیا ناتھ کی پانچوں گھی اور سر کڑاہی میں تھا۔ کیونکہ ناشتے میں اُسے کبھی کھیر پوری ملتی، کبھی حلوہ پوری یا بھاجی ترکاری۔ یہ ساری چیزیں اُس کی پسندیدہ تھیں۔ لیکن خود بھی اپنی کمی کا احساس تھا۔ اس لئے دھرم پتنی سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتا تھا۔ اب بغیر فرمائش کے ہی ساری فرمائشیں پوری ہو رہی تھیں تو بڑا خوش تھا اور اس سوچ میں تھا کہ آخر تلسی کو ان تمام باتوں کا خیال کیسے آ گیا؟ وہ اتنی پتی ورتا کیسے بن گئی؟

غرض یہ کہ یہ کھیل یونہی چل رہا تھا۔ لیکن ہر ڈرامے کا ڈراپ سین ضرور ہوتا ہے۔ اُدھر سکھیا ناتھ کو بیوی کے عمل پر تشویش تھی تو ادھر تلیا رام حیرانی سے دھرم پتنی سے کہتا تھا۔

"بھاگوان! میرے تو ستارے کھل گئے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارا بیٹا اس طرح ستاروں کے گیان میں مصروف ہو جائے گا۔ بس یوں سمجھ لو کہ صبح کے ستارے کا گیان ختم ہی ہونے والا ہے۔ ارے میں تو حیران رہ جاتا ہوں جب وہ منہ اندھیرے اُٹھ کر اوپر چلا جاتا ہے اور گیان دھیان کرتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور تم یقین کرو اتنی خوشی ہوتی ہے مجھے پاربتی کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"بس، بھگوان سے یہی پرارتھنا ہے کہ نجومی بھی بنے وہ ایسا بنے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہیں۔"

"ہاں، مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا ہی نجومی بنے گا۔ میں اُسے ایسی جیوتش وِدیا سکھاؤں گا کہ سنسار میں اُس سے بڑا جیوتشی کوئی نہ ہو۔"

ایک دن صبح ہی صبح جلدی آنکھ کھل گئی تو تلیا رام نے بیٹے کے بستر کی طرف دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سوچا کہ بیٹے کو مزید گیان دے۔ یہ سوچ کر اوپر چڑھا۔ اور جب زینہ طے کر کے تھوڑا سا سر اُبھارا تو الگ ہی منظر دیکھا۔ آکاش کا ستارا دھرتی پر اُتر آیا تھا۔ کبوتر کا جوڑا غٹاغٹ کر رہا تھا۔ غٹرغوں غٹرغوں ہو رہی تھی۔ تلسی اور لکشمن چھت کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں اس قدر ایک دوسرے کے قریب تھے جیسے جڑے ہوئے ہوں۔ برابر میں اصلی گھی کی پوریاں اور ترکاری رکھی ہوئی تھی۔ تلیا رام کی

آنکھیں حیرت اور دہشت سے پھیل گئیں۔ سکھیا ناتھ اُس کا دوست تھا اور دونوں میں بڑی چھی چھنتی تھی۔ یہ منظر تو دل دہلا دینے والا تھا۔ تلیا رام کے منہ سے نکلا۔

"ارے تیرا ستیاناس! ارے تیرا ستیاناس! ارے بھگوان کرے تجھے پالا مار جائے۔ یہ کیا...... یہ کیا...... یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

حیرت کی بات ہی تھی کہ اسی دن سکھیا ناتھ کو بھی دھرم پتنی پر کچھ شبہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی سیڑھیاں چڑھ آیا تھا۔ اور پھر اُدھر سے اُس کی آواز اور ادھر سے تلیا رام کی آواز اُبھری ۔ ایک طرف تلسی نے غڑاپ سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور ادھر لکشمن نے مرغے کی طرح اُچھل کر چھلانگ لگائی تھی۔

"ارے بھگوان تیرا ناس کرے۔ ارے تو...... ارے تو یہ گیان دھیان کر رہا ہے؟ بھگوان تجھے ڈبو دے۔"

سکھیا ناتھ نے تلسی کے بال پکڑ لئے تھے۔

"تو یہ گل کھلا رہی ہے تو۔ ہرے...... ہرے...... ہرے بھیا! پوری ترکاری دیکھو ذرا۔ ہم سمجھتے تھے ہمارے لئے بنتی ہے۔"

لکشمن کو ان باتوں سے کیا غرض تھی۔ باپ کے اوپر سے کودا تو زینوں پر آ گیا اور پھر س طرح زینے طے کئے جیسے کوئی گیند چھت سے گر پڑتی ہے۔ گدے کھاتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ اب اس کے بعد گھر میں رہنے کی کیا تک تھی؟

ادھر تلیا رام، سکھیا ناتھ سے کہہ رہا تھا۔ "ہوش سے کام لو سکھیا ناتھ! ہوش سے کام لو۔ شور شرابہ کرو گے تو سارا پڑوس جاگ جائے گا۔ جاؤ نیچے لے جاؤ اسے۔ غلطی تو تم نے ہی کی ہے۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتایا تھا۔"

"لے جا رہا ہوں اسے تلیا رام! پر گھاؤ تمہارے گھر سے لگے گا میرے دل پر۔ اس کی نہ سوچی تھی۔"

تلیا رام نیچے اُتر آیا۔ اُدھر سکھیا ناتھ دھرم پتنی کو لے کر نیچے پہنچ گیا تھا۔

"کہاں گیا وہ کتیا کا جنا؟ پاربتی! نکال اسے۔ بن گیا وہ جیوتشی...... بن چکا نجومی، حرام کا پلہ۔ چھت پر رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ ارے دیا رے دیا...... ستارے کا یہ ایمان! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں تو خوش تھا کہ بھگوان نے اس کے دل میں نیکی ڈال دی ہے، گیان دھیان کر رہا ہے۔ مگر سانڈ کا سانڈ۔ بے چارے سکھیا ناتھ کی کمائی کھا رہا تھا۔ اور وہ

چھنال تلسی، ارے دیا رے دیا۔"

اُدھر سکھیا ناتھ بیوی کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

"یہ گل کھلانے تھے تلسی! تو مجھ سے ہی منہ کالا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ منع کر دیتی ماتا پتا کو کہ نہیں کرنی شادی۔ ارے وہی پیچھے پڑے تھے میرے۔"

"دیکھو سکھیا ناتھ! ہوش میں آ جاؤ۔ ورنہ ہوش دلا دوں گی تمہیں۔ ارے کیا سمجھا ہے تم نے مجھے۔ میں بھی ذات کی برہمن ہوں کوئی اچھوت، اچھات نہیں ہوں۔ عزت ہے میری بھی۔ یہ دیکھو، یہ گنیش جی کی مورتی رکھی ہے نا۔ اور یہ بھوانی ماتا ہے۔ دونوں پر ہاتھ رکھ کر سوگند کھاتی ہوں کہ میرے کردار میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ تلیا رام کے بیٹے سے میری دوستی ضرور ہوئی تھی۔ بڑا اچھا لڑکا ہے وہ۔ کبھی اُنگلی کی پور سے میرے شریر کو چھوا تک نہیں ہے۔ یہ دیکھو، میرے دونوں ہاتھ بھوانی ماتا اور گنیش جی پر ہیں۔ بھسم کر دیں وہ مجھے۔ اندھا کر دیں۔ کوڑھی کر دیں اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ بس دوستی ہو گئی تھی میری اُس سے۔ باتیں کرتے رہتے تھے ہم دونوں من کی۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر اس کے باوجود تم نے میرے کردار پر شک کیا تو بھوانی ماتا اور گنیش جی وہی حال تمہارا کریں جو میرے جھوٹ پر میرا کریں۔"

"ارے تیرا ستیاناس! ارے کیا بک بک کر رہی ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ...... کہ بلاوجہ مجھے بد دعائیں دے رہی ہے۔ جے ماتا، جے بھگونت۔ مجھے کوئی شک نہیں ہے تمہارے کردار پر۔ جب تم نے ان دونوں کی سوگند کھا لی ہے تو میرا من بھی صاف ہو گیا ہے۔ بلاوجہ سسری مجھے بد دعائیں دے رہی ہے۔ میں کہتا ہوں توبہ کر لے تو بھی۔ اور سن تلسی! کوئی نہیں مانتا اس دوستی کو۔ تم دونوں جوان ہو۔ کیا سمجھیں؟ پاگل ہو سوچتی نہیں ہو اصل بات کو۔ سنسار میں جو کوئی بھی تمہیں اس طرح دیکھے گا شک ہی کرے گا۔ پر اب دیکھو تلیا رام کس طرح اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔"

"پاگل ہو تم سارے کے سارے۔ بس اور کیا کہوں۔"

بہرحال سکھیا ناتھ بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن اس طرف تلیا رام پاربتی پر برس رہا تھا۔

"سسرے کو گھر میں مت گھسنے دینا۔ کہہ دیا ہے بس میں نے۔ سارا نشہ اتار دیا میرا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ بھگوان نے میری سن لی ہے۔ اب بیٹا سامنے آئے گا۔ سب کچھ

کرے گا۔ ہے بھگوان! ہے بھگوان! منش کی من و کامنا کبھی پوری نہیں ہوتی۔“

ادھر دوہری ہو گئی تھی۔ ایک طرف تو سکھیا ناتھ نے تلسی کو دیکھ لیا تھا اور دوسری طرف تلیا رام نے لکشمن کو۔ اس لئے لکشمن سوچ رہا تھا کہ بات بہت بگڑ جائے گی۔ بہرحال اکھاڑے پہنچ گیا تھا۔ دھنی ٹھاکر نے محبت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا، آگے بڑھ کر اُس کی پیشانی چومی اور بولا۔

”بیٹا! زور کرنے کے بعد گھر مت چلے جانا۔ کچھ بات کرنی ہے مجھے تم سے۔ بیٹھنا آ کر میرے پاس۔“

”جی گرو مہاراج!“ لکشمن نے ادب سے کہا اور اس کے بعد کپڑے اُتار کر اکھاڑے میں اُتر گیا۔ دیکھنے کے قابل بدن تھا۔ اتنا حسین، اتنا خوبصورت کہ بار ایک نگاہ اس کے بدن پر رُک کے تو ہٹنے ہی نہ پائے۔ بہرحال لکشمن زور کرتا رہا۔ لیکن آج طبیعت بڑی اڑی اڑی سی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ تلیا رام جی کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ تلیا رام نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اُسے آگے کیا کرنا ہے۔ بہرحال زور ہوتا رہا۔ لکشمن کم از کم اس سلسلے میں بڑا پھرتیلا تھا۔ اپنے مقابل کو ایسے داؤ لگاتا کہ مقابل حیران ہی رہ جاتا تھا۔ آج دھنی ٹھاکر بھی بڑے غور سے اپنے داؤ پیچ دیکھ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ یہ داؤ پیچ درحقیقت اُس کے اپنے سکھائے ہوئے نہیں تھے بلکہ لکشمن کی اپنی ایجاد تھے۔ رام پور کا یہ لکشمن بڑا فنکار تھا۔

بہرحال سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ اکھاڑے کا کام ختم ہوا۔ ٹھنڈائی کے پیالے آ گئے۔ کٹے ہوئے پستے، بادام، چاروں مغز اور نجانے کیا کیا گاڑھے دودھ میں۔ کوئی ڈیڑھ سیر کا پیالہ ہوتا تھا جسے لکشمن رُکے بغیر پی جاتا تھا۔ یہ بھی اُس کی خوبی تھی۔ ورنہ دوسرے تو گھونٹ گھونٹ کر کے پیا کرتے تھے اور سسرے مرد لگتے ہی نہیں تھے۔ ادھر شیر تھا جو ایک ڈکار میں سب کچھ ڈکار جاتا تھا۔ دھنی ٹھاکر چارپائی ڈالے بیٹھا اپنے پٹھوں کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ ٹھنڈائی پینے کے بعد لکشمن دھنی ٹھاکر کے چرنوں میں آ بیٹھا۔

”جیتا رہ بیٹا! بھگوان تجھے سنسار میں اتنا کچھ دے کہ تو حیران رہ جائے۔ اچھا اب میری بات سن۔ برابر کا گاؤں ہے نا بخشی پور؟“

”جی گرو مہاراج۔“

”بخشی پور کے گروچن سنگھ کا نام سنا ہے کبھی؟“

”جی مہاراج! سنا ہے۔ گروچن سنگھ کا اکھاڑا بھی بہت بڑا ہے۔“

”ہاں۔ گروچن سنگھ نے چیتاونی دی ہے کہ میرا کوئی پٹھا اُس کے اکھاڑے پر آ کر زور کرے اور اُس کے پٹھے کو شکست دے تو وہ دس ہزار روپے دے گا۔ دس ہزار روپے بیٹا! دو باتیں ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ دس ہزار روپے بھی بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہ اکھاڑے کی ناک کا معاملہ ہوتا ہے۔ دس ہزار روپے تو ہم دس ہزار مرتبہ ٹھکرا دیں۔ پر اکھاڑے کی ناک کٹ جائے تو سمجھ لو کہ اُلّو بولنے لگتے ہیں۔ گروچن سنگھ کے کئی پٹھے بڑے تگڑے ہیں۔ مجھے اس بارے میں معلوم ہے اور میں یہ بات سچی کہتا ہوں کہ میرے اکھاڑے میں اس کے پٹھوں کا کوئی جواب نہیں ہے تیرے سوا۔ تو ہی میرا نام روشن کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ اب بھی تجھے ہی یہ چیلنج قبول کرنا پڑے گا۔“

”گرو مہاراج! آپ جیسا بھی حکم دیں گے میں ویسا کروں گا۔ بخشی پور جا کر لڑنا پڑے گا؟“

”ہاں۔ ہم اُس کی چیتاونی مان رہے ہیں۔ اُس کا چیلنج قبول کر رہے ہیں تو اُدھر ہی جانا پڑے گا۔“

”جیسا آپ کا حکم۔ کب چل رہے ہیں؟“

”ابھی تو میں ذرا جواب بھجواؤں گا اُسے۔ پھر دیکھوں گا وہ کیا کہتا ہے۔ تو تیار ہے؟“

”گرو مہاراج! آپ کا حکم ہے تو سب کچھ تیار ہے۔ آپ چنتا کیوں کرتے ہیں؟“

”بھگوان تیرا نام بڑا کرے۔“ دھنی ٹھاکر نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

بہرحال لکشمن اپنے گرو کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ گھر کی طرف سے اُسے اب بھی ڈر لگ رہا تھا۔ پورا دن گھر سے باہر گزارا۔ رات کو ڈرے ڈرے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ اس دوران تلیا رام کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ لیکن صبح کو جب لکشمن کی آنکھ کھلی تو تلیا رام سیڑھیوں کے دروازے پر بیٹھا نظر آیا۔ لکشمن کو دیکھا تو بولا۔

”ادھر آ جا۔“

”جی پتا جی۔“

”یہ کیا ناٹک رچا رکھا تھا تو نے؟“

”کچھ نہیں پتا جی! سکھیا ناتھ کی دھرم پتنی اُوپر آ جاتی تھی۔ بے چاری بڑی اچھی عورت ہے۔ اس سے زیادہ میرا اُس کا کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ آپ جس طرح بھگوان پر یقین

رکھتے ہیں اس طرح مجھ پر بھی یقین کرلیں۔ جاؤں اوپر؟''

''ٹانگیں توڑ دوں گا سسری کے پلّے! قدم مت رکھنا اوپر کبھی۔''

تلیا رام نے تین چار دن تک سیڑھیوں کی نگرانی کی۔ لکشمن کو برا تو بہت لگا تھا۔ لیکن بعد میں اُسے پتہ چلا کہ تلسی، سکھیا ناتھ سے جھگڑا کر کے اپنے میکے چلی گئی ہے تو اُس نے بھی صبر کرلیا۔ بہرحال تلسی سے دوستی بھی تھی اور صبح کی پہلی خوراک بڑی اچھی مل جاتی تھی۔ جو گیا سو گیا، اُس کا کیا دُکھ کرنا۔ رہی بات صبح کے ستارے کی تو صبح کے ستارے سے تو کبھی اُس کی دوستی رہی ہی نہیں تھی۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ گروجی کا نام الگ چل رہا تھا۔ اور آخر کار دن اور تاریخ طے ہوگئی اور دمنی ٹھاکر نے اپنے پٹھے تیار کرلیے۔ چنانچہ چودہ افراد جن میں لکشمن بھی تھا، لاٹھیوں سے مسلح ہو کر دمنی ٹھاکر کے ساتھ بخشی پور چل پڑے۔ آدھی رات کے قریب یہ سفر شروع کیا گیا تھا اور صبح کو یہ سفر گروچن سنگھ کے اکھاڑے پر ختم ہوا۔ علاقے کا زمیندار اور دوسرے لوگ بھی کشتی دیکھنے آئے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے۔ گروچن نے اپنا پٹھا جس کا نام کرتی لعل تھا، تیار کیا تھا۔ شیر کی طرح چوڑا سینہ، چیتے کی طرح پتلی کمر، آنکھوں سے بھوکے بھیڑیئے کی سی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا۔ ٹنڈا سر، بڑی جان تھی اُس میں۔ لال لنگوٹ باندھے اکھاڑے میں کودتا پھر رہا تھا۔ اسی کو لکشمن سے مقابلہ کرنا تھا۔ لکشمن میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اُس نے اپنا رازدار یا ساتھی کسی کو نہیں بنایا تھا۔ منہ سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے۔ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرو، اسی میں بچت ہے اور اسی میں کلیان۔ چنانچہ ایک نگاہ دیکھ کر ہی اُسے اندازہ ہوگیا کہ مدمقابل اتنا مارے گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ چنانچہ ترکیب نمبر سات کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور ترکیب نمبر سات ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لکشمن کی ایک ایسی ایجاد تھی جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ایک باریک سی سوئی ناخن کے ساتھ بندھی ہوتی تھی۔ لیکن اتنی مضبوطی کے ساتھ کہ کھل کر گر نہ سکے۔ اور دکھائے تو ایسے کہ مدمقابل کے مزے آجائیں۔ بہرحال لکشمن نے اپنا یہ ہتھیار چوکس کرلیا اور تیار ہوگیا۔ ادھر بخشی پور کا زمیندار گروچن سنگھ کے ساتھ آگے بڑھا اور دمنی ٹھاکر کے سامنے پہنچ گیا۔

''کہو دمنی ٹھاکر! بڑی تیاریاں کر کے آئے ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے میدانِ جنگ میں آئے ہو۔''

''جی مہاراج! میدانِ جنگ ہی تو ہے یہ۔ گروچن مہاراج نے چیتاونی بھیجی تھی۔ ہم آ گئے۔ اکھاڑوں کی یہی ریت، یہی رواج ہوتا ہے۔''

''کون سا پٹھا لائے ہو تم؟''

''یہ کیا سوال ہوا مہاراج۔ آپ اپنا پٹھا میدان میں اتاریئے۔ چیتاونی دے ہمیں۔ ہمارا بھی کوئی نہ کوئی پٹھا یہ چیتاونی قبول کرے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ کشتی ایمانداری سے ہونی چاہیے۔ کوئی گڑبڑ برداشت نہیں کی جائے گی۔''

''اپنے گھر میں بلا کر یہ بات کہہ رہے ہیں مہاراج! اگر ہماری ایمانداری پر شک تھا تو آپ کو ہمیں بلانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''شک کی بات نہیں ہے دمنی ٹھاکر! میں چاہتا ہوں کہ کھیل کھیل رہے۔ دشمنی نہ بن جائے۔''

''آپ چنتا نہ کریں۔ اگر آپ کی طرف سے دوستی رہی تو ہمیں بھی آپ اپنا دوست ہی پائیں گے۔''

بہرحال کرتی لعل کو میدان میں اتارا گیا اور اُس نے لنگر ہلایا اور چکر مارنے لگا۔ سنگر کا یہ سرا لکشمن نے پکڑا تھا اور بہت سی آوازیں فضا میں گونجی تھیں۔ چیتاونی مان لی گئی۔ لکشمن بھی تال ٹھوک کر میدان میں آگیا۔ کرتی لعل کے مقابلے میں ہلکا تھا۔ ریفری بخشی پور ہی کا ایک پرانا پہلوان تھا۔ اُس نے دونوں پٹھوں کی تلاشی لی، ہر چیز دیکھی اور یہی فن تھا لکشمن کے پاس۔ ریفری اُس کی اُنگلی میں پروئی ہوئی وہ سوئی نہیں دیکھ سکا تھا جو موقع پڑنے پر ناخن سے باہر آجاتی تھی اور اس کے بعد اسے ایک ہلکے سے ٹھوکے کے ساتھ کہیں نہ کہیں دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس کی بڑی مشق کی تھی لکشمن نے۔ بہرحال یہ سارا چکر چلتا رہا۔ دونوں پہلوان اکھاڑے میں اُتر آئے۔

کرتی لعل نے فوراً ہی ایک سٹا کا لگایا۔ لیکن لکشمن نے برج بنایا اور سیدھا ہوگیا۔ پھر اُس نے اُچھل کر پچھائی ماری اور کرتی لعل کی ٹانگوں میں دونوں پاؤں پھنسا کر اُسے زمین پر گرایا۔ مگر کرتی لعل فوراً ہی پلٹی کھا گیا۔ ابتداء میں بڑے اچھے داؤ پیچ لگائے گئے۔ دیسی کشتی کے جتنے داؤ دونوں پہلوان جانتے تھے ایک دوسرے پر آزماتے رہے۔ لیکن لکشمن کی یہی خواہش تھی کہ بے شک کرتی لعل جان میں تگڑا ہے لیکن کسی داؤ پر آجائے تو اس

سے اچھی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر کرتی لعل بھی اچھا جوان تھا۔ سبھی کا سیکھا ہوا۔ آہستہ آہستہ وہ لکشمن پر بھاری پڑنے لگا۔ کوئی پچیس منٹ ہو گئے دونوں کو ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے۔ کوئی کسی سے ہار نہیں مان رہا تھا۔ تب اچانک ہی کوئی ایسا موقع آیا کہ لکشمن ایک داؤ میں پھنس گیا۔ اب ایسی صورتحال تھی کہ ایک لمحے کے اندر فیصلہ ہو جانے والا تھا۔ اگر لکشمن کے کندھے زمین سے لگ جاتے تو وہ ہار جاتا اور ذرا سی لغزش کرتی لعل کو بھی زمین چٹا سکتی تھی۔ لکشمن نے آہستہ آہستہ اپنا داہنا ہاتھ آزاد کیا، انگوٹھے سے اُنگلی دبائی اور اس کے ساتھ ہی بجلی کی طرح تڑپ کر پلٹی کھا گیا۔ سوئی کرتی لعل کے بدن میں اُتر گئی۔ اور اس کے بعد لکشمن نے اُسے اپنے مخصوص جھٹکے سے مجمع کے باہر پھینک دیا۔ کسی کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ پلک جھپکنے میں کیا ہو گیا۔ کرتی لعل کے منہ سے سی کی آواز نکلی اور وہ جان چھوڑ گیا۔ دوسرے لمحے لکشمن نے اُسے کندھوں سے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ ریفری نے گنتی گنی اور سیدھا ہو گیا۔ چاروں طرف شور مچ گیا تھا۔ بخشی پور کے لوگوں پر سکتہ طاری تھا۔ اتنی کھلی ہار ہوئی تھی ان کے آدمی کی کہ کوئی شک وشبہ کی بات ہی نہیں تھی۔ لیکن سب سے بڑی بات کرتی لعل کا وہ سرخ لنگوٹ تھا جس پر اگر خون کی کوئی بوند اُبھری بھی ہوگی تو پھیل گئی ہوگی۔ ویسے بھی دونوں پسینے میں تر ہو رہے تھے۔ کرتی لعل نے دو چار بار اپنے بدن کے اس حصے پر ہاتھ رکھا جہاں سوئی اتر گئی تھی۔ اور وہ ایک دم بے قرار ہو گیا تھا۔ بہرحال ڈھول بجنے لگے اور لکشمن کی فتح کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن کرتی لعل گروچن کے پاس پہنچا۔ گروچن نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جنتی پر لعنت ہے تیری۔ حرامی کے پلے! یہ دن دکھانا تھا مجھے؟"

"گرو مہاراج! بھگوان کی سوگند، سوئی چبھائی گئی ہے میرے۔ اور سوئی سے میں......"

"حرامی! اب اور بے عزتی کرانا چاہتا ہے میری؟"

"گرو جی! سوگند کھاتا ہوں آپ کی۔ نشان نہیں دکھا سکتا۔ ورنہ آپ کو نشان دکھاتا۔"

"ابے تیرے نشان کی ایسی تیسی۔ اور بے عزتی کرے گا میری۔"

"بھگوان کی سوگند گرو جی! آپ نہیں مانتے تو میں خود دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر کرتی لعل سینہ تانے ہوئے لکشمن کے پاس آیا۔ لکشمن کو اُس نے گردن سے پکڑ لیا اور بولا۔

"تلاشی دے بے۔ سوئی چبھائی تھی تو نے میرے۔"

لکشمن نے کرتی لعل کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور بپھری ہوئی آواز میں بولا۔ "گرو جی!

کیا کہہ رہا ہے یہ سن لیجئے۔ مہمان ہیں ہم بخشی پور کے، ورنہ جس طرح اس نے میری گردن پر ہاتھ ڈالا ہے میں اُنگلیاں ڈال کر اس کی آنکھیں پھوڑ سکتا ہوں۔"

"گروچن سنگھ! کیا بات ہے؟"

لیکن کرتی لعل نے بھینسے کی طرح سر جھکا کر ایک ٹکر لکشمن کو ماری۔ لکشمن لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا تو دھنی ٹھاکر پر جا پڑا۔ اور بس اس کے بعد جنگ چھڑ گئی۔ پٹھوں نے لاٹھیاں سنبھال لیں اور گروچن سنگھ ہائے ہائے ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن خوب لاٹھی بازی شروع ہو گئی۔ زمیندار پیچھے ہٹ گیا تھا۔ سر پھوٹے، ہاتھ ٹوٹے اور اس کے بعد بڑی مشکل سے کوئی پندرہ منٹ کی جنگ کے بعد یہ جنگ ختم ہوئی۔ چونکہ یہ لوگ لاٹھیوں سے مسلح ہو کر آئے تھے اس لئے بخشی پور والوں کو ٹھیک ٹھاک طریقے سے زخمی کر آئے اور اپنے گاؤں پہنچ گئے۔ گروچن سنگھ نے تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ کرتی لعل کی بات ٹھیک تھی۔ پولیس میں رپورٹ کر دی گئی اور پولیس نے پرچہ کاٹنے کے بعد چھاپہ مار دیا۔ برابر کی چوکی سے انسپکٹر ہیرا لعل تحقیقات کے لئے مقرر ہوا۔ پولیس فورس کے ساتھ وہ دھنی ٹھاکر کے اکھاڑے پہنچا اور دس بارہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ خود دھنی ٹھاکر کو بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ کسی نے لکشمن کا نام بھی بتایا اور ہیرا لعل تیاریاں کر کے تلیا رام کے گھر پہنچ گیا۔ اس وقت تلیا رام اپنے اڈے پر بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ لوگ اس سے معلومات حاصل کر رہے تھے۔ اور جب انسپکٹر ہیرا لعل دھنی ٹھاکر کو گرفتار کرنے کے بعد معلومات حاصل کر کے پہنچا تو اُس نے تلیا رام کو دیکھا۔ تلیا رام حیرت سے اُچھل پڑا تھا۔

"ہرے ہیرا لعل! تم؟"

"تلیا رام مہاراج جی! آپ...... کیا لکشمن آپ ہی کا بیٹا ہے؟"

"ہاں ہاں، تمہارا بھتیجا ہے۔ کہو کیا بات ہے؟"

"وہ پرچہ کٹا تھا اس کے نام کا۔"

"لکشمن کے نام کا؟"

"ہاں۔"

"پولیس؟"

"ہاں۔"

"جھگڑا کیا تھا؟"

''وہ جی یہ لوگ دھنی ٹھاکر کے ساتھ بخشی پور میں دنگا کر کے آئے ہیں۔''

''مگر لکشمن کا دھنی ٹھاکر یا بخشی پور سے کیا تعلق؟''

''سنا ہے اس کی کشتی ہوئی تھی وہاں۔''

''لکشمن کی؟''

''ہاں۔''

''ارے بھیا ہیرالعل! کہاں کی باتیں کر رہے ہو؟''

''تلیا رام مہاراج جی! آپ مجھے بتایئے، تفصیل کیا ہے؟''

''بھیا! میرا بیٹا تو جیوتش وِدّیا سیکھ رہا ہے۔ صبح سے لے کر شام تک میرے ساتھ رہتا ہے۔ ستاروں کی وِدّیا دے رہا ہوں اسے۔ بھلا پہلوانی سے اس کا کیا تعلق؟''

ہیرالعل پہلے ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ ایک دفعہ ایسے ہی تلیا رام کے پاس نکل آیا تھا اور اپنے بارے میں پوچھا تھا۔ تلیا رام نے اُسے بتایا تھا کہ بہت جلد اس کے بھاگ کھلنے والے ہیں۔ وہ ایک جاپ کریں گے اور ہیرالعل پولیس افسر بن جائے گا۔ ہیرالعل پولیس افسر بن گیا تھا اور انسپکٹر کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ تلیا رام سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے تلیا رام کے کان کے پاس کہا۔

''مہاراج! آپ تو میرے گرو ہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا اس میں ملوث نہیں تھا تو میں چپ چاپ پرچے سے اس کا نام نکالے دیتا ہوں۔''

''بھیا! ایسا ہی کرو۔ وہ تو بڑا اچھا لڑکا ہے۔''

''آپ چنتا نہ کریں۔ سمجھیں اس کا نام اس جھگڑے سے ختم ہو گیا۔''

انسپکٹر تو چلا گیا لیکن تلیا رام نے تحقیقات شروع کر دیں تو پتہ چلا کہ لکشمن باقاعدہ دھنی ٹھاکر کے اکھاڑے جاتا ہے۔ زور کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ تلیا رام سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

''سن رہی ہے بھاگوان! ارے ہم تو بالکل الّو کے پٹھے ہیں۔ سنسار کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ ہمارا بیٹا ہمارا باپ ہے۔ ارے دیّا رے دیّا کتنے روپ ہیں اس سور کی اولاد کے۔ سنا دھنی ٹھاکر کے اکھاڑے کا پہلوان ہے یہ۔ کشتیاں لڑنے جاتا ہے۔ مارا ماری کرتا ہے۔ پاربتی! کیا کھا کر جنا تھا تو نے اسے؟''

''میں نے کیا کھا کر جنا تھا۔ تم نے ہی پروان چڑھایا ہے۔''

''تو کیا مار دیتا؟ زہر کھلا دیتا اس سانپ کے بچے کو؟ تو نے جو تربیت کی ہے اس کی، وہی سب کچھ لوٹا رہا ہے ہمیں۔''

''ہاں ہاں۔ جیسے تم نے تو کبھی کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''

''ارے اب کیا کریں۔ اس وقت تو بچ گیا۔ پولیس پکڑنے آ گئی تھی۔ بخشی پور میں مار پیٹ کر کے آیا ہے۔ سارے کے سارے پکڑے گئے۔ دھنی ٹھاکر پکڑا گیا اور اس کے گرگے بھی۔ پولیس اسے بھی پکڑنے آئی تھی۔ پر وہ تو بھگوان کی دیا تھی کہ جو انسپکٹر اُسے پکڑنے آیا تھا میں نے اس کی کنڈلی بنائی تھی اور وہ میرا عقیدت مند تھا۔ چھوڑ گیا۔ پر بھیا! اب یہ لڑکا میرے بس کا نہیں رہا ہے۔''

''تو کچھ کرو۔ تم ہی کرو۔ میں کبھی اس معاملے میں بولی ہوں؟'' پاربتی نے بے چارگی سے کہا۔

''ہمیشہ ہی ایسے کام کیے ہیں اس نے۔ بے چارے سکھیا ناتھ کا گھر بگڑوا دیا۔ آرام سے جیون گزار رہا تھا اپنا۔ چھت پر ستاروں کا کھیل کھیلنے گیا تو سکھیا ناتھ کی بیوی کے چکر میں پڑ گیا۔ ارے اُونچ نیچ ہو جاتی تو ناک بھی کٹ جاتی اور حقہ پانی بھی بند ہو جاتا۔ نکال دیئے جاتے محلے سے۔ ساری بنی بنائی عزت خاک میں مل جاتی۔ ارے سوچ پاربتی، اس کے بارے میں سوچ۔''

اور دونوں میاں بیوی نجانے کتنی دیر سر پکڑے بیٹھے رہے تھے۔ بہت پریشان تھے دونوں۔ یکایک تلیا رام اُچھل پڑا۔

''پاربتی! ایک بات آئی ہے میرے من میں۔''

''کیا......؟''

''اسے متھرا کیوں نہ بھیج دیں۔''

''متھرا؟''

''ہاں۔ پنڈت گردھاری لعل کے پاس۔ پنڈت جی متھرا کے بڑے جوتشی ہیں۔ بڑے دھرماتما ہیں۔ ان کی صحت بھی بہت اچھی ہے۔ میں خود لے کر جاؤں گا اسے۔ ہاتھ پاؤں جوڑوں گا ان کے۔ کہوں گا کہ پنڈت جی! کچھ گیان دھیان دے دیں اسے۔ نکما ہوتا جا رہا ہے۔ اپنی اولاد سمجھیں۔''

''مان لیں گے پنڈت جی؟''

"ارے ابھی تک تو عزت بنی ہوئی ہے۔ آگے لگ رہا ہے اولاد کے ہاتھوں بگڑ جائے گی۔ وقت سے پہلے ہی کچھ سنبھل جائے تو زیادہ اچھا ہے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"بس تو بات کر اُس سے۔"

پاربتی نے لکشمن سے بات کی۔

"لکشمن بیٹا! ایک بات کہوں تجھ سے۔ مان لے گا؟"

"کہیے ماتا جی!"

"تیرے پتا کا خیال ہے کہ تجھے متھرا بھجوا دیا جائے۔"

لکشمن کھانا کھاتے اُچھل پڑا۔ "متھرا؟"

"ہاں۔"

"مگر کیوں؟"

"وہاں پنڈت گردھاری لعل ہیں۔ جو بڑے مانے ہوئے جوتشی ہیں۔ تیرے پتا جی کا خیال ہے کہ گردھاری لعل تجھے بہت کچھ سکھا دیں گے۔"

رام پور جیسی بھی جگہ تھی اس کا اپنا ایک مزاج تھا، اپنی ایک زندگی تھی۔ لیکن لکشمن نے متھرا کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ جمنا کنارے مندروں کا کھیت اور جمنا گھاٹ پر نہانے والی گوپیاں۔ ایک دوست آیا تھا، بہت دن پہلے کی بات ہے۔ بندراون، متھرا، بنارس ساری جگہوں پر ہو کر آیا تھا۔ متھرا کی بڑی تعریف کی تھی اُس نے۔ کہنے لگا۔

"متھرا میں بندر ہیں، مندر ہیں اور دیوداسیاں ہیں۔"

بندر، مندر اور دیوداسیوں کے تذکرے اس دوست نے اس انداز میں کئے تھے کہ لکشمن ہفتوں وہاں کے خواب دیکھتا رہا تھا۔ اور پھر دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ بھلا اُس کے متھرا جانے کی کیا گنجائش تھی؟ اب جو یہ سنی تو دل خوشی سے اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ لیکن ماں باپ کا مزاج جانتا تھا۔ سوکھا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہیں کیسے چھوڑوں گا ماتا جی؟"

"لے بیٹا! گیان دھیان حاصل کرنے کے لئے تو سنسار کے دوسرے کونے تک بھی جانا پڑتا ہے۔ متھرا کا تو رام پور سے فاصلہ ہی کتنا ہے۔ جب من چاہے آ جایا کرنا۔ پنڈت گردھاری لعل کا نام میں نے بھی سنا ہے۔ کچھ سیکھ لوگے تو جیون بن جائے گا۔"

"ٹھیک ہے ماتا جی! آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔"

ماں تو خوشی سے دیوانی ہو گئی تھی۔ اُس نے پنڈت جی پر رُعب مارتے ہوئے کہا۔

"تلیا رام جی! آخر ہے تو میرا بیٹا نا۔ تیار کر لیا میں نے اُسے متھرا جانے کے لئے۔"

"سچ کہہ رہی ہے تو؟" تلیا رام نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تیاریاں کر۔" تلیا رام کی آنکھوں میں بیٹے کے سنہرے مستقبل کے خواب ناچنے لگے تھے......!

✿......✿

آخر کار ریل کا سفر ختم ہو گیا۔ تلیا رام جی لکشمن کو لے کر متھرا کے ریلوے اسٹیشن پر اُتر گئے۔ پھر وہاں سے تانگہ کر کے وہ پچھلے محلے پہنچے جہاں گردھاری لعل رہتے تھے۔ اس علاقے کا نام ہی پچھلا محلہ تھا۔ متھرا کی شام ہی نرالی تھی۔ ہر طرف یاتریوں کے غول کے غول نظر آتے تھے۔ ایک جگہ پچھلے محلے سے گزرتے ہوئے بلندی پر ایک تاریخی مسجد دیکھی۔ مغلوں کے دور کی بنی ہوئی تھی اور ہندوستان بھر میں اپنی انوکھی روایات کی حامل تھی۔ اس کے گنبد آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر پچھلا محلہ تھا۔ پنڈت گردھاری لعل کے دروازے پر رُک کر تلیا رام نے تانگے والے کو پیسے دیئے۔ پھر دروازہ بجایا تو ایک ملازم قسم کے آدمی نے دروازہ کھول کر کہا۔

"جی مہاراج؟"

"گردھاری لعل جی سے ملنا ہے۔"

"شام کو پانچ بجے کے بعد استھان کرتے ہیں۔ آپ پانچ بجے آ جائیے۔"

"ارے بھائی! ہم رام پور سے آئے ہیں۔ ان کے ملنے والے ہیں۔ دیکھ نہیں رہے ہمارے پاس سامان ہے۔ جاؤ خبر دو انہیں کہ رام پور سے تلیا رام آیا ہے۔"

"جی مہاراج! آپ اندر آ جائیے۔ بیٹھک میں بیٹھئے، میں خبر دیتا ہوں۔" ملازم نے تلیا رام کے ہاتھ سے سامان پکڑا اور انہیں دروازے سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ برابر میں ہی بیٹھک بنی ہوئی تھی۔ اس کے آگے صحن تھا۔ صحن سے آگے ایک وسیع و عریض دالان تھا جہاں تخت بچھا ہوا تھا۔ پنڈت گردھاری لعل پانچ بجے کے بعد یہیں بیٹھتے تھے۔ لوگ آ جایا کرتے تھے۔ ستاروں کی باتیں ہوتی تھیں، ریکھائیں دیکھی جاتی تھیں، کنڈلیاں نکالی جاتی تھیں۔ بڑی مشہور شخصیت تھی پنڈت گردھاری لعل جی کی۔

بہر حال ملازم نے جا کر اطلاع دی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد پنڈت جی خود باہر نکل آئے اور تلیا رام کو دیکھ کر حیرت اور خوشی سے بولے۔

"ارے تلیا! تو کیسے آ گیا میرے بھیا! رام پور نے کیسے چھوڑ دیا تجھے؟"

"بس پنڈت جی! آپ کی ضرورت پیش آ گئی۔ آپ کی یاد آئی تو چلے آئے۔"

"بیٹھ بھیا بیٹھ، آرام سے بیٹھ۔ تیرے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ یہ لکشمن ہے نا تیرا بیٹا؟ بڑا سندر نکلا یہ تو۔ بڑے عرصے کے بعد دیکھا ہے میں نے۔ وہی ہے نا؟"

"آپ کا داس ہے۔" تلیا رام نے کہا، پھر لکشمن سے بولا۔ "پاؤں چھو پنڈت گردھاری لعل کے۔ ابھی تو تجھے اندازہ ہوگا کہ یہ کیا چیز ہیں۔"

لکشمن نے بڑی سعادت مندی سے گردھاری لعل کے پاؤں چھوئے تھے۔

"جیتا رہ بیٹا! جیتا رہ۔ بیٹھو....." پھر نوکر سے بولے۔ "ارے کوئی جل پانی لاؤ بھئی۔ وران کے آرام کا بندوبست کرو۔ ہمارے ہاں رام پور کے تلیا رام آئے ہیں۔"

"میں نہیں رُکوں گا۔ یہ رُکے گا آپ کے ہیں گردھاری لعل مہاراج۔"

"کیوں تجھے کہاں جانا ہے بھئی؟"

"میں تو رام پور واپس جاؤں گا، شام کی گاڑی سے۔ ساڑھے چار بجے چلتی ہے۔ معلوم کر کے آیا ہوں۔"

"ایسی جلدی کیا پڑی ہے؟"

"بس گھر بار چھوڑ آیا ہوں۔ اسے آپ کے حوالے کرنے آیا ہوں پنڈت جی!"

"میں سمجھا نہیں؟"

"آپ کی سیوا میں دینے آیا ہوں۔ آپ کا داس رہے گا۔ آپ کے جوتے سیدھے کرے گا۔ آپ سے ستاروں کا علم سیکھے گا۔ بڑا مان لے کر آیا ہوں آپ کے پاس۔ میرے بچے کو کسی قابل بنا دیجئے۔"

"ارے بابا ستاروں کا کھیل ہی سکھانا تھا تو تجھ سے اچھا اور کون ہو سکتا ہے؟" پنڈت گردھاری لعل نے انکساری سے کہا۔

"مجھ سے اچھے آپ ہیں پنڈت جی! انکار نہ کریں۔ ہاتھ رکھ دیں اس کے سر پر اپنا۔"

"تو نے کہہ دیا کافی ہے تلیا رام! ہاتھ تو ہمارا ہے ہی اس کے سر پر۔ اس سے بات کرتا ہے؟"

"جی پنڈت جی مہاراج۔ بول بھئی اپنے منہ سے۔"

"آپ کی سیوا میں رہ کر کچھ سیکھ جاؤں گا پنڈت جی! بڑی خوشی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! کوئی بات نہیں ہے۔ میرے پاس رہ۔ جو کچھ مجھے آتا ہے بھگوان نے چاہا تو تجھے سکھا دوں گا اگر خود تیرے اندر لگن ہوئی تو۔"

"لگن تو میرے دل میں بڑی ہے پنڈت جی!" لکشمن نے کہا۔

بہرحال خاطر مدارت ہوئی۔ متھرا کو دیکھنے کا خیال دل گدگدا رہا تھا۔ جو دو چار مناظر دیکھے تھے انہی سے اندازہ ہوتا تھا کہ متھرا یاتریوں کی جنت ہے۔ جمنا کنارے کیا ہے کہانیوں کی شکل میں تو سن رکھا تھا، دیکھنا پہلی بار تھا۔ غرض یہ کہ پنڈت گردھاری لعل کے گھر لکشمن کو اپنے رہنے کی جگہ مل گئی۔ چالاک تو بے پناہ تھا، اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دینا چاہتا تھا کہ دنیا کا سب سے سعادت مند انسان ہے۔ اصل گن تو بعد میں ہی کھلنے تھے۔ ویسے سب سے بڑی خوبی اُس کے اندر یہ تھی کہ نظر باز نہیں تھا۔ دل میں گناہ نہیں رکھتا تھا۔ شرارتیں اپنی جگہ، تفریح اپنی جگہ۔ لیکن گھروں کو گھر سمجھنا جانتا تھا۔ پنڈت گردھاری لعل کے گھر میں کون کون ہے اُسے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

تلیا رام واپس چلا گیا تھا۔ پنڈت گردھاری لعل نے اُس کی دو تین دن تک خوب خاطر مدارت کی۔ اس کے علاوہ وہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ بھی لے رہے تھے۔ صبح منہ اندھیرے اُٹھنے کا تو عادی تھا البتہ اکھاڑے پر نہیں جا رہا تھا۔ اس لئے بدن ٹوٹتا تھا۔ پھر بھی تھوڑے سے ڈنڈ اور تھوڑی سی بیٹھکیں لگا لیتا اور اس کے بعد پوجا میں مصروف ہو جاتا۔ جانتا تھا کہ پنڈت گردھاری لعل جی مذہبی آدمی ہیں، پوجا پاٹ بڑی پسند کرتے ہوں گے۔ اور ادھر پنڈت گردھاری لعل جی بھی اُسے پرکھنے میں مصروف تھے۔ اُس کی جان تو دیکھ ہی چکے تھے۔ مردانہ حسن و جمال کا شاہکار تھا وہ۔ اور پنڈت جی میں یہ کمزوری تھی کہ اچھی شکل وصورت کی لڑکیاں لڑکے انہیں بہت پسند آتے تھے اور خاص طور سے وہ ان کی جانب متوجہ ہوا کرتے تھے۔ اس لئے اس لڑکے کو ورزش کرتے دیکھ کر اس کے بعد عبادت کرتے دیکھ کر پنڈت جی خوش ہوتے تھے۔ چپکے چپکے اُس کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور جب انہیں یہ اطمینان ہو گیا کہ لڑکا واقعی اچھا ہے اور اس کے اندر کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے تو چوتھے دن انہوں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

"ہاں بھائی، مہمان داری تو ہوئی ختم۔ تمہارے پتا جی اس لئے تمہیں یہاں چھوڑ گئے ہیں کہ تم جوتش وِدیا سیکھو۔ اب یہ بتاؤ تمہارا اپنا کیا ارادہ ہے؟"

"مہاراج! آپ سے اگر کچھ حاصل ہو جائے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو

سکتی ہے میرے لئے۔"

"گویا تم خود جوتش وِدیا سیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہو۔"

"بہت زیادہ۔ ظاہر ہے اسی کا کھایا ہے۔ جیون بھر یہی کمائی میری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔ اس سے دلچسپی نہ رکھوں گا تو پھر کس سے رکھوں گا؟"

"بھگوان سکھی رکھے تمہیں۔ بڑی اچھی باتیں کر لیتے ہو۔ ویسے بھی تمہارے عمل اچھے ہیں۔ صبح کس وقت جاگ جاتے ہو؟"

"ساڑھے چار بجے مہاراج۔"

"اتنی جلدی کیوں؟"

"بس صبح کا سہانا سمے بہت دلکش لگتا ہے۔ من چاہتا ہے کہ کسی ویرانے میں بیٹھ کر بھوانی ماں کی پوجا کروں۔"

"سکھی رہو...... سکھی رہو۔ بڑے نیک وچار ہیں تمہارے۔ کچھ ہاتھ پاؤں بھی ہلاتے ہو بدن کی سیوا کے لئے؟"

"جی مہاراج! پہلے وہی کرتا ہوں۔ ہمیشہ کا عادی ہوں۔"

"اور اس کے بعد؟"

"بھوانی ماں کی پوجا۔"

"بھگوان نے چاہا تو ایک دن سنسار میں تمہارا نام ستاروں ہی کی طرح چمکے گا۔ دیکھو صبح کا آغاز ہوتا ہے صبح کے ستارے سے۔ اور یہیں سے جوتش وِدیا کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ علم نجوم یونان سے زیادہ کہیں نہیں تھا اور یونانیوں ہی نے اس سلسلے میں آغاز کیا ہے۔ کہتے ہیں صبح کے ستارے کی نظر جس پر سیدھی ہو جائے، سارے ستارے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ تم ساڑھے چار بجے جب اٹھو تو ایک آدھے گھنٹے صبح کے ستارے پر نگاہ جماؤ اور اس کے بعد اپنے دوسرے کام کرو۔"

"جی مہاراج۔"

اور اس کے بعد پنڈت گردھاری لعل نے دیکھا کہ صبح لکشمن کی نگاہ ستارے پر جمی ہوئی تھی اور جب وہ ڈوب جاتا تھا تو وہ اپنے دوسرے عمل کرتا تھا۔ معمولی بات نہیں تھی۔ بڑی ہمت کا نوجوان تھا۔ جس مقصد کے لئے آیا تھا اس کے لئے جلد بازی نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ باپ نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہاں بھیجا ہے۔ متھرا کو اگر قریب سے دیکھنا ہے تو

تھوڑا سا صبر کرنا ضروری ہوگا۔ پھر پنڈت جی نے خود ہی قدم آگے بڑھائے۔ کہنے لگے۔

''بیٹا! کل جنم اشٹمی ہے۔ جنم اشٹمی کے تہوار پر مندروں میں پوجا ہوتی ہے۔ تمہیں آئے پندرہ سولہ دن گزر گئے، گھر سے باہر ہی نہیں نکلے ہو۔ میں آج شام کو تمہیں بڑے مندر لے جاؤں گا۔ جے راج مندر بڑا مہان ہے۔ جمنا کے کنارے کا سب سے بڑا مندر ہے۔ جنم اشٹمی کی پوجا وہیں ہوتی ہے۔ باقی مندر آج کے دن خالی ہوتے ہیں۔''

''جی گرو مہاراج! جیسا آپ پسند کریں۔'' لکشمن نے کہا اور گردھاری لعل مہاراج تیاریاں کرنے لگے۔ لکشمن دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ گرو جی مہاراج! اس نے بھی آپ کو اپنے چرنوں میں نہ جھکا لیا تو میرا نام لکشمن نہیں ہے۔ آخر رام پور کا لکشمن ہوں۔ کسی معمولی آدمی سے آپ کا واسطہ نہیں پڑا۔ آپ خود ہی میرے پتا جی سے میری تعریفیں نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟

اور اتفاق کی بات یہ تھی کہ تلیا رام بھی اس شام کو پہنچ گیا۔ بیٹے کو دیکھنے کی خواہش بھی دل میں تھی اور جنم اشٹمی کے تہوار میں بھی حصہ لینا چاہتا تھا۔ دونوں بوڑھے آپس میں ملے تو تلیا رام نے کہا۔

''گرو جی مہاراج! بڑی فکر میں تھا میں تو۔''

''کیسی فکر...... کیا ہوا بھائی؟''

''نہیں، مطلب یہ کہ لکشمن کے سلسلے میں اُلجھا ہوا تھا کہ پتہ نہیں اس نے یہاں رہ کر کیا گل کھلائے ہوں۔''

''ارے ارے کیسی زبان میں باتیں کرتے ہو۔ مبارکباد دیتا ہوں۔ بھگوان نے بیٹا نہیں ہیرا دیا ہے تمہیں۔''

''ایں......؟'' تلیا رام کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں۔ اپنے بیٹے سے واقف نہیں ہو۔ ایسا عبادت گزار بچہ، ایسا اصولوں کا پابند لڑکا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ارے آج کل کے یہ جوان تو دن کو دس دس بجے تک کتے کی طرح گھر کے بستر پر اینٹھتے رہتے ہیں۔ میں نے اسے صبح کے ستارے کا گیان سکھایا ہے۔ وہ ایک دن بھی اس گیان سے غافل نہیں ہوا۔ اس کے بعد کثرت کرتا ہے، پھر بھوانی کی پوجا کرتا ہے۔ اس کے بعد کھاتا پیتا ہے۔

''صبح کے ستارے کو روزانہ پوجتا ہے وہ؟''

''ہاں روزانہ۔''

''کک...... کہاں؟ چھت پر بیٹھ کر؟''

''کیا......؟''

''مم...... میرا مطلب ہے برابر میں گھر بھی ہوں گے۔''

''پتہ نہیں کیا بک رہے ہو۔ وہ چھت پر نہیں صحن میں ہوتا ہے۔''

''آپ کے بچے کتنے ہیں گردھاری لعل مہاراج؟''

''کھسک گئے ہو تم کیا؟''

''نہیں میرا مطلب ہے ایسے ہی۔''

''تین بچے ہیں میرے۔ دو بیٹے ایک بیٹی۔ بیٹی سب سے چھوٹی ہے۔ ابھی اس کی عمر چھ سال ہے۔''

''باقی دو بیٹے ہیں؟''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ آج جنم اشٹمی ہے نا۔ آپ کے ساتھ مندر جاؤں گا۔'' تلیا رام کے دل کو تسلی ہوگئی۔ سکھیا ناتھ کی بیوی ابھی تک گھر واپس نہیں آئی تھی۔ دونوں کے درمیان لمبا جھگڑا چل گیا تھا اور یہ جھگڑا جس کا علم تلیا رام کو تھا کہ کس وجہ سے ہوا ہے۔ بہرحال شام کو تیاریاں ہوئیں۔ بیٹے کے چہرے پر کچھ اور نکھار آ گیا تھا۔ آخر پندرہ دن کی عبادت و ریاضت تھی۔ کبھی اُلٹے سیدھے جھگڑے کے بغیر کھا پی تو اتنا لیا تھا کہ اب ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ لیکن یہ بات بھی اُس نے دل میں طے کر لی تھی کہ یہاں بھی اپنا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ تلاش کرے گا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

بہرحال شام کو وہ لوگ بڑے مندر چل پڑے۔ بڑے مندر کے سامنے جیسے پوری دنیا امنڈ آئی تھی۔ جنم اشٹمی کا تہوار تھا۔ صرف اسی بڑے مندر میں آج کی پوجا ہوا کرتی تھی اور سارے یاتری اور پوجا پاٹ کرنے والے مندر میں ہی جمع ہو جاتے تھے۔ اس وقت مندر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی لیکن پنڈت گردھاری لعل کا اپنا ایک باعزت مقام تھا۔ چنانچہ انہیں جگہ دی گئی۔ پوجا پاٹ کے لئے بڑے انتظامات کئے گئے تھے۔ مندر روشنی کا مندر بنا ہوا تھا۔ پہلی بار لکشمن نے متھرا میں جمنا کے کنارے مندروں کا یہ شہر آباد دیکھا۔ کہانیاں بالکل سچ تھیں۔ جس نے بھی جو کچھ کہا تھا اس کے بارے میں ٹھیک کہا تھا۔

لکشمن نے بظاہر سادہ نگاہوں سے اس جگہ کو دیکھا تھا۔ لیکن اُس نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ قابل دید جگہ ہے۔ اب گردھاری لعل کے گھر پر کافی دن گزار لئے تھے۔ گویا متھرا میں اپنے قدم جمالئے تھے۔ چنانچہ وہاں سے قدم باہر نکالنا ضروری تھا۔

آخر کار پوجا کا آغاز ہوا۔ ایک لمبی چوڑی شخصیت جس کے نچلے بدن پر دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ اوپری بدن بے لباس تھا۔ بہت سے سفید دھاگے گردن میں پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں پتہ چلا کہ مندر کے سب سے بڑے پجاری مہاویر چھتری ہیں۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے دھرماتما تھے اور ان کا گیان دھیان بہت بڑا تھا۔ بہت کم درشن دیا کرتے تھے لیکن درشن دیتے تھے تو بہت سے لوگوں کے کام بن جاتے تھے۔

بہرحال جنم اشٹمی کی پوجا ہوئی۔ اس کے بعد ضرورت مند وہاں پہنچے۔ ایک نوجوان لڑکی کو لایا گیا جو کہیں باہر سے آئی تھی۔ اچھی شکل وصورت کی مالک تھی۔ لیکن حلیہ بری طرح بگاڑ رکھا تھا۔ بالوں میں مٹی اور گرد اٹی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں وحشت کا بسیرا تھا، لباس جگہ جگہ سے نوچ دیا گیا تھا۔ دو ایسے آدمی اُسے سنبھال کر لائے تھے جو شکل وصورت سے ہی پڑھے لکھے اور بڑے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے لڑکی کو مہاویر مہاراج کے سامنے پیش کیا۔ مہاویر مہاراج نے اُسے دیکھا، دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے، سامنے رکھے ہوئے مٹی کے برتن میں ہاتھ ڈالے اور دونوں ہاتھ لڑکی کے چہرے پر پھیر دیئے اور اس کے بعد اپنا انگوچھا اتار کر لڑکی کے سر پر ڈال دیا۔ اس وقت گردھاری لعل، تلیا رام اور لکشمن ان کے بالکل قریب موجود تھے۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی کو کچھ لوگ ہاتھوں پر اٹھائے مہاویر چھتری مہاراج کے سامنے پہنچے اور انہوں نے اسے زمین پر لٹا دیا۔ وہ شخص بالکل نیم مُردہ کیفیت میں تھا۔ چھتری مہاراج نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ دیکھتے رہے۔ پھر ایک ہاتھ سیدھا کیا اور آسمان کی جانب اٹھا دیا۔ اس کے بعد اس ہاتھ کو انہوں نے اس شخص کے سینے پر رکھ دیا اور سیدھے ہو گئے۔ ادھر کچھ ہی لمحوں بعد لڑکی نے خود اپنے چہرے سے انگوچھا اتارا اور حیران نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اُس کے منہ سے آواز نکلی۔

''میں کہاں ہوں؟''

''کیسی حالت ہے بیٹی؟'' لڑکی کے ساتھ آئے ہوئے ایک آدمی نے خوشی سے بھری آواز میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں پتا جی! لیکن یہ...... یہ کون سی جگہ ہے؟''

''ہے بھگوان، ہے رام، ہے بھگوان، ہے رام۔'' وہ شخص چھتری مہاراج کے چرنوں میں جا پڑا اور چھتری مہاراج نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''جا۔ اب یہ ٹھیک ہے۔ جب من چاہے اسے گھر لے جانا۔ لیکن اشٹمی پوجا میں شریک رہے تو بڑی اچھی بات ہے۔''

چند ہی لمحوں کے بعد وہ نیم مُردہ شخص بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اُس نے چھتری مہاراج کے قدموں کو چھوتے ہوئے کہا۔

''مجھے پورا وشواش تھا مہاراج کہ آپ کے چرنوں میں پہنچوں گا تو میری مشکل حل ہو جائے گی۔''

اسی طرح کے چار پانچ واقعات تھے جنہوں نے لکشمن کو ششدر کر دیا تھا۔ ادھر تلیا رام اور گرو گردھاری لعل بھی بہت زیادہ متاثر تھے۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس آئے تو چھتری مہاراج کی باتیں ہی ہو رہی تھیں۔

''متھرا پر سایہ ہے ان کا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے ضرورت مند آتے ہیں اور ٹھیک ہو کر جاتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ کتنی ہی مشکل کا شکار ہو کوئی، ایک بار مہاویر جی کے پاس پہنچ جائے بس مزے ہی مزے ہوتے ہیں۔''

جنم اشٹمی کی پوجا تین دن تک ہوتی تھی۔ تلیا رام نے دوسرے ہی دن کہا۔

''میں تینوں دن شریک نہیں رہ سکوں گا مہاراج! بس آپ کے چرنوں میں آنا تھا۔ دیوی پوجا بھی ہو گئی۔ واپس جا رہا ہوں۔ آپ سے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ میرا بیٹا آپ کے ساتھ بڑا اچھا سمے گزار رہا ہے۔''

''ہاں یہ خود بہت اچھا لڑکا ہے۔''

دوسرے دن بھی بڑے مندر میں پوجا ہوئی اور تیسرے دن بھی۔ تیسرے دن رات کو مندر میں دیوداسیوں کا رقص ہوا اور یہ رقص لکشمن کے لئے بڑا ہی دلکش تھا۔ ایسا حسین منظر تو اُس نے جیون میں پہلی بار دیکھا تھا۔ دوست کی کہی ہوئی ہر بات ٹھیک ثابت ہو رہی تھی۔ گردھاری لعل کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ گردھاری لعل ہی کی وجہ سے متھرا میں اسے ایک باعزت مقام حاصل تھا۔

بہرحال دیوداسیوں کا رقص اس کے لئے بہت ہی دلکشی کا باعث تھا۔ اب اُسے اس

بات کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ یہاں بھی کوئی جاننے والا ملے۔ تاکہ اس سے مزید معلومات حاصل کی جاسکیں۔ چنانچہ وہ اس بارے میں ترکیبیں سوچنے لگا۔

پھر کوئی دو تین دن گزرے تھے۔ ایک دن صبح کو وہ گردھاری لعل کے چرنوں میں جا بیٹھا۔

''جے ہو مہاراج کی۔''

''کہو بیٹا! کیا بات ہے؟ آرام سے ہو نا؟''

''ہاں مہاراج۔ ایک سپنا دیکھا ہے۔ آپ کو بتانے آیا ہوں۔''

''کیسا سپنا؟''

''مہاراج! میں صبح کے ستارے کے درشن کر رہا تھا۔ یہ سپنے کی بات ہے کہ اچانک ہی مجھے صبح کا ستارہ سرخ ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ گول گول چکر کھا رہا ہو۔ اور اس کے بعد وہ نیچے اُتر آیا۔ مجھے یوں لگا جیسے دو سرخ آنکھیں مجھے گھور رہی ہوں۔ پھر ان آنکھوں نے کہا۔ کیا گھر بیٹھا گیان حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ارے گیان حاصل کرنا ہے تو بہتے پانی کے سامنے جا کر بیٹھ۔ مندروں میں پوجا پاٹ کی آوازیں سن۔ گھر کے کونوں میں بیٹھ کر ستاروں کا کھیل پورا نہیں ہوتا۔ مہاراج! بات چونکہ میرے من کو لگتی تھی۔ میں اسی سمے جاگ گیا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ کو اس کے بارے میں ضرور بتاؤں گا۔''

گردھاری لعل کی باچھیں خوشی سے کھلی جا رہی تھیں۔

''جے بھگوتی، جے بھگوتی۔ بڑا گیان ملے گا بھائی تجھے۔ اور سچ ہے بھوانی کے پجاری بھوانی کے چرنوں سے دُور تو نہیں رہتے۔ تو ایسا کر کل سے صبح کو نکل جایا کر۔ یہاں بھوانی مندر ہے۔ میں تجھے دکھا دوں گا۔ بڑی پُرسکون جگہ ہے۔ وہاں بیٹھا کر اپنی تپسیا کیا کر۔ ابھی سولہ دن تجھے اور یہ کام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تجھے آگے کی باتیں بتاؤں گا۔ یہ بتاؤں گا کہ جنم کنڈلی کیسے بنائی جاتی ہے؟ ریکھائیں کیا کہتی ہیں اور ستاروں کا ریکھاؤں سے کیا تعلق ہوتا ہے۔''

''جی مہاراج۔''

''دوپہر کو چلیں گے۔ بھوانی مندر دکھا دوں گا تجھے۔''

بھوانی مندر جمنا کے کنارے ذرا الگ تھلگ تھا۔ چھوٹا سا مندر تھا۔ وہاں بھوانی کا بت

نظر آتا تھا۔ قرب و جوار میں درخت پھیلے ہوئے تھے اور ان درختوں پر بندروں کی بہتات تھی۔ متھرا کے بندر صحیح معنوں میں جمنا کے کنارے مندروں کے آس پاس نظر آتے ہیں۔ ویسے یہ بندر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ یاتری آتے ہیں اور انہیں خوب کھلاتے ہیں۔ ہنومان کا درجہ دیا جاتا ہے انہیں اور بندروں کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ بھوانی مندر تک جمنا کے کنارے جن مندروں سے گزر کر آنا پڑا تھا وہ بھی بڑی دلکشی کے حامل تھے۔ یہاں جگہ جگہ گھاٹ بنے ہوئے تھے اور جب پہلی صبح چار ساڑھے چار بجے کے قریب لکشمن بھوانی مندر کی جانب آگے بڑھا تو راستے میں اُس نے عجیب و غریب مناظر دیکھے۔ یہ دیو کنیائیں تھیں جو عورتوں کے گھاٹ پر نہا رہی تھیں۔ کوئی بندش نہیں تھی۔ لکشمن نے محسوس کیا کہ آس پاس کے درختوں پر بندروں سے زیادہ انسان چھپے ہوئے ہیں جو ان گھاٹوں کا نظارہ کرتے ہیں۔ متھرا میں جمنا کنارے مندروں کا آباد یہ شہر بہت سے نظر بازوں کے لئے دلکشی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اب یہ پتہ نہیں کہ ان دیو کنیاؤں کو یا دیو داسیوں کو اپنا نظارہ کرنے والوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں۔ اندازہ تو یہ ہوتا تھا کہ یہ بھی جانتی ہیں کہ ان کے حسین اور دلکش وجود کی حشر سامانیاں بہت سی نگاہوں کا مرکز ہیں۔ ان کی آپس کی شرارتیں اور چہلیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں۔ یہاں سے گزرتے ہوئے لکشمن نے سوچا کہ یہ تو پوتر دیویاں ہیں۔ ان کی پوترتا صبح کے اس سمے کہاں چلی جاتی ہے؟ کیا انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کے کومل بدن بہت سی نگاہوں کے سامنے ہیں؟ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا وہ آخر کار بھوانی مندر کے پاس پہنچ گیا۔ یاتری اور پوجا پاٹ کے رسیا یا پھر گھاٹوں کا نظارہ کرنے والے یہاں بھی بہت سے ہوا کرتے تھے۔ بھوانی مندر کے پاس بھی کچھ افراد نظر آ رہے تھے۔ بہرحال چونکہ لکشمن کو اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینا تھا چنانچہ وہ ایک چوڑے درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ یہ برگد کا درخت تھا جس کی داڑھیاں لمبے چوڑے فاصلے پر پھیلی ہوئی تھیں لیکن جگہ بڑی پُرسکون تھی۔ درختوں کی بلندیوں پر بندر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔

لکشمن خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اچانک ہی اُس نے بھوانی مندر کے ایک گوشے سے کچھ افراد کو نکلتے ہوئے دیکھا اور اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان میں وہی لڑکی تھی جس کے سر پر انگوچھا ڈال کر چھتری مہاراج نے اُسے شانت کیا تھا۔ دونوں آدمی بھی اُس کے ساتھ تھے۔ لیکن جس انداز میں وہ نظر آ رہے تھے وہ انتہائی حیرت ناک تھا۔

تینوں اُس کے قریب سے گزرے۔ وہ ایک ایسی چوڑی داڑھی کے پاس بیٹھا ہوا تھا جہاں سے نظر نہیں آتا تھا۔ مرد نے کہا۔

''کوشل! ذرا مہاراج سے ٹھیک طریقے سے بات کرنا اور ان سے پوچھنا ہمیں پھر کب آنا ہے۔ مطلب سمجھ رہی ہو نا؟''

''وہ تو سمجھ رہی ہوں۔ لیکن میں خوش نہیں ہوں۔'' لڑکی نے کہا۔

''کیا...... کیوں خوش نہیں ہو؟''

''میں نے سنا ہے کہ چھتری مہاراج نے تمہیں بیس ہزار روپے دیئے ہیں اور تم نے مجھے ان میں سے صرف دو ہزار دیئے ہیں۔ گویا نو نو ہزار روپے تم نے ہضم کئے جبکہ سارا کھیل میرا تھا۔''

''کون کہتا ہے بیس ہزار دیئے ہیں۔ کل آٹھ ہزار روپے دیئے تھے مہاراج نے۔ تین تین ہزار ہم نے اس لئے رکھ لئے کہ یہاں تک آنے کا خرچہ بھی تو ہوتا ہے۔ دیکھو کوشل، تم ہمیشہ جھگڑا کرتی ہو۔ ہم تو تمہارے لئے اس طرح کے مواقع فراہم کرتے ہیں کہ تھوڑی بہت آمدنی تمہاری بھی ہو جائے اور تم ہماری نیت پر بھی شک کرتی ہو۔''

''ایک بات کہوں پورن جی مہاراج! کیا میں چھتری مہاراج سے پوچھ لوں کہ انہوں نے کتنے پیسے دیئے تھے؟''

''گویا اب تمہیں ہم پر بھروسہ نہیں رہا۔''

''نہیں بھروسہ تو تم پر ہے۔ مگر دیکھو نا اگر بیس ہزار روپے میں سے نو نو ہزار تم کھا جاؤ اور مجھے دو صرف دو ہزار تو یہ تو بری بات ہے۔ میرا کام تو نہیں چلتا۔''

''دیکھو جو ڈرامہ تم کرتی ہو نا اس ڈرامے کو کرنے میں ہم ہزار پانچ سو میں بھی کسی کو پکڑ سکتے ہیں۔ تم سے ہماری پرانی شناسائی ہے اس لئے چلو ایک ہزار روپیہ اور مل جائے گا تمہیں۔ مہاویر چھتری مہاراج سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ بس اُن کے چرن چھو کر واپس آ جاؤ۔ اس کے بعد ہم یہاں سے اپنے گھر چلیں گے۔''

''مہاویر چھتری کے چرن چھونے سے کیا فائدہ؟ اب تو سیدھے ریلوے اسٹیشن چلتے ہیں۔ ہمیں اب ان سے کیا لینا دینا۔ وہ ہمیں ڈرامہ کرنے کے لئے بلاتے ہیں اور ہم ڈرامہ کر دیا کرتے ہیں۔ ہم ان کا کام کرتے ہیں وہ ہمارا۔''

''پھر بھی۔ آگے بھی تو آنا ہے یہاں۔ ہمارا تو مستقل دھندا لگا ہوا ہے۔ چلو چلتے

ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے گزر گئے۔ لیکن لکشمن کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک دم سے پورا مندر زمین پر آ رہا۔ یہ کیا مطلب ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہاں اشٹمی پوجا میں جو ہوا وہ سب ڈرامہ تھا۔ یعنی یہ کرائے کے لوگ وہاں اس قسم کا ڈرامہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ اس کا مطلب ہے وہ شخص جسے برص کی بیماری سے شفا ملی تھی اور اس کے علاوہ دوسرے تماشے...... ارے باپ رے باپ...... یہ تو بڑا زبردست کام ہے۔ اس طرح کے تین چار کھیل کھیل لئے جائیں، مشہور ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ یہ تو پیسہ کمانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ رام پور کے لکشمن کے سامنے کوئی یہ کھیل کھیل جائے اور وہ خاموش رہے۔ نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔ ایک اچھی ترکیب ذہن میں آئی۔ جے بھوانی تو جب بھی دیتی ہے چھپر پھاڑ کر دیتی ہے۔ یہ سارے کام کرنے کے لئے ایک لمبا سفر کرنا ہوگا۔ وہ سوچتا رہا۔ اور آخر میں اس نے فیصلہ کیا کہ خود مہاویر چھتری کے چرنوں میں جائے گا اور ان سے کہے گا کہ وہ اسے اپنی سیوا میں لے لیں۔ گرو گردھاری لعل کے پاس تو مہینہ پورا ہونے کو تھا۔ اس سے زیادہ کسی ایک جگہ ٹکنا لکشمن کے لئے مشکل کام تھا۔ بہت بڑا انکشاف ہوا تھا۔ اور اس کے بعد بھوانی مندر جانے کے بجائے لکشمن کا زیادہ تر وقت بڑے مندر کے آس پاس ہی گزرنے لگا۔

اُس نے بڑے مندر کے بہت سے گوشے دیکھے، پنڈت پجاری پوجا پاٹ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مندر کے پچھلے حصے میں ایک دروازہ تھا جس کی سیڑھیاں جمنا تک چلی جاتی تھیں۔ یہاں ایک باقاعدہ گھاٹ بنا ہوا تھا اور ادھر بالکل سنسان رہتا تھا۔

ایک دن لکشمن نے مہاویر چھتری کو سیڑھیاں اُتر کر گھاٹ پر آتے دیکھا۔ وہاں انہوں نے غسل کیا اور اس کے بعد چند داسیاں آ گئیں جنہوں نے مہاویر جی کے بدن کو مل مل کر نہلایا۔ یہ منظر بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ ایک بات تو مہاویر جی کے بارے میں یہ معلوم ہوئی تھی کہ وہ جب درشن دیا کرتے تھے تو چار چھ ایسے چمتکار ہو جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے اُن کی عقیدت بڑھاتے تھے۔ مندر میں دُور دُور سے چڑھاوے آتے تھے اور یہ ایسے ہی لوگوں کا کام تھا جنہیں اتفاق سے یہاں آنے کے بعد کوئی فائدہ ہو جاتا تھا۔ اصل میں لکشمن یہ چاہتا تھا کہ وہ خود بھی اسی قسم کا کوئی روپ دھار کر دولت کمائے۔ یہ بات اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگی تھی۔ لیکن مہان بننے کے لئے کوئی بڑا کارنامہ دکھانا ضروری تھا۔ ادھر یہ ہاتھی کے بچے مہاویر چھتری جی تھے جو سنسار میں ہی عیش کر رہے تھے۔

خوبصورت داسیاں ان کی سیوا کر رہی تھیں۔ لکشمن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مہاویر جی اندر باہر سے کیا چیز ہیں۔ لیکن بہر حال ان کی قربت حاصل کر کے کوئی صحیح صورتحال معلوم کرنا اُس کے لئے بڑا ضروری تھا۔

اور پھر ایک دن ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ مخصوص وقت پر لکشمن اسی پچھلے گھاٹ پر پہنچ گیا جہاں مہاویر جی عموماً نمودار ہوجایا کرتے تھے اور داسیوں کا کھیل جاری ہوتا تھا۔ اس دن دروازہ کھلا تو مہاویر جی کے بجائے لکشمن نے ایک دُبلی پتلی خوبصورت سی لڑکی کو باہر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ صرف پیٹی کوٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی اور اُس کے چہرے پر دہشت کے نقوش منجمد تھے اور وہ بے تحاشہ بھاگ رہی تھی۔ جمنا کی سیڑھیاں عبور کر کے وہ پانی میں کود پڑی اور جمنا کا دھارا اُسے بہا کر آگے لے جانے لگا۔ لکشمن تھوڑے فاصلے پر موجود تھا۔ اُس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دروازے کی طرف دیکھا جدھر سے وہ نمودار ہوئی تھی۔ پنڈت مہاویر چھتری برے احوال باہر نکلے تھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے۔ اس دوران لڑکی بہتی ہوئی کافی دُور نکل گئی تھی۔ لکشمن نے فوراً ہی خاموشی سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ بہترین تیرنا جانتا تھا۔ اس کے علاوہ بدن بھی جاندار تھا۔ اُس کا طوفانی جسم اُسے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی کے قریب لے گیا۔ اُس نے لڑکی کے بال پکڑ لئے۔ شاید وہ بے ہوش ہو گئی تھی یا شاید ہوش میں تھی لیکن وہ اسے پکڑے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ اور پھر کافی فاصلے پر کنارے سے جا لگا۔ پھر اس لڑکی کو باہر کھینچا اور تیزی سے کندھے پر لاد کر ایک طرف چلنے لگا۔ اُسے شبہ تھا کہ کہیں مہاویر جی کے آدمی لڑکی کی تلاش میں دوڑتے ہوئے اس طرف نہ آنکلیں۔ بڑی مشکل سے لڑکی کی جان بچائی تھی۔ ورنہ جمنا اب اتنی آسان چیز بھی نہیں تھی کہ آسانی سے اس کے چنگل سے کسی کو نکالا جا سکے۔

بہر حال کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد لکشمن نے لڑکی کو نیچے لٹایا اور اُس کے پیٹ سے پانی نکالنے لگا۔ لڑکی کا پورا بدن نمایاں ہو گیا تھا۔ ہلکا سا پیٹی کوٹ اور بلاؤز اُس کے بدن کی لطافتوں کو نہیں چھپا سکا تھا۔ لیکن لکشمن کی ذات میں اگر بہت سی برائیاں موجود تھیں تو کم از کم ایک اچھائی یہ تھی کہ اُس کی نگاہیں بری نہیں تھیں۔ اور پھر کسی ایسی مظلوم اور بے بس لڑکی کو جو زندگی اور موت کی کشمکش سے نکل کر آئی ہو کسی دوسری نگاہ سے دیکھنا انسانیت کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ اُس نے لڑکی کو ہوش میں لانے کا سارا بندوبست کیا۔ اپنی قمیض

اتاری جو خود بھی بھیگ گئی تھی۔ لیکن بہر حال لڑکی کے تقریباً نیم عریاں بدن کو چھپانے کے لئے وہ تھوڑی بہت مدد کر سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے قمیض کو پانی نچوڑ کر لڑکی کے بدن پر پھیلا دیا اور اسے بڑے پیار سے اپنے زانو پر سر رکھ کر لٹا دیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے لڑکی کے چہرے کی صفائی کر رہا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر لڑکی نے چند ہی لمحات کے بعد آنکھیں کھول دیں۔ کچھ لمحے حالات کا اندازہ کیا، اس کے بعد اُس کی نگاہیں لکشمن کے چہرے پر پڑیں اور دوسرے لمحے وہ دہشت سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے اپنے بدن پر پڑی ہوئی لکشمن کی قمیض اور لکشمن کے اوپری چوڑے جسم کو عریاں دیکھا۔ اس منظر نے اُس کی سوچ میں کچھ بہتری پیدا کی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تو لکشمن نے کہا۔

’’نہیں دیوی، بالکل چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس وقت بالکل محفوظ ہاتھوں میں ہو۔ بھگوان کی سوگند میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تھوڑا سا بتا دوں تمہیں۔ تم بڑے مندر کے پچھلے دروازے سے نمودار ہوئی تھیں اور تم نے جمنا میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اتفاق سے میں اس وقت جمنا کنارے تپسیا کر رہا تھا کہ تم مجھے نظر آ گئیں۔ میں نے مہاویر چھتری کو دیکھا جو بدحواسی کے عالم میں باہر نکلے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے۔ بہر حال تم جمنا میں بہہ رہی تھیں۔ میں تمہیں جمنا سے نکال کر یہاں جنگل میں لے آیا ہوں اور اب تم میرے پاس محفوظ ہو۔ اپنی عزت کو بالکل محفوظ سمجھنا۔ بھگوان کی سوگند تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔‘‘

لڑکی کے چہرے پر اطمینان کے نقوش نظر آئے۔ اُس نے اپنے چڑھے ہوئے سانس کو سنبھالا اور بولی۔

’’تمہارا شکریہ...... تمہارا بہت بہت شکریہ بھیا! جیون بھر تمہارا یہ احسان مانوں گی۔‘‘

’’پگلی! جب بھیا کہہ دیا تو اب بھی احسان مانے گی؟ اتنا بڑا رشتہ دے دیا تو نے مجھے۔ اب کیا سوچنا کیا کہنا۔ اور میں نے بھی بڑا ٹھیک کیا۔ کیا سمجھیں۔‘‘

’’بھیا! بھگوان کا شکر ہے میری عزت بچ گئی ہے۔ میں نے تو طے کر لیا تھا کہ جیون دے ہی دوں گی۔ عزت ہے تو جیون ہے۔ عزت نہیں تو جیون بے کار۔‘‘

’’کیا نام ہے تمہارا؟‘‘ لکشمن نے پوچھا۔

’’کلا...... اوپ کلا۔‘‘ لڑکی نے جواب دیا۔

''کہاں کی رہنے والی ہو؟''

''دِلّی سے آئی تھی۔''

''کون ہے تمہارے ساتھ؟''

''اب کوئی نہیں ہے۔ میرے بڑے بھیا جی دِلّی میں پولیس آفیسر ہیں۔ بڑے پولیس آفیسر ہیں وہ۔ ان کا نام راج ماتر ہے۔''

''یہاں کب آئی تھیں؟''

''نو دن ہو گئے۔ پندرہ دن کے لئے بھیا مجھے چھوڑ گئے تھے یہاں پر۔''

''مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے میں اور کپڑے مہیا نہیں کر سکتا۔ لیکن کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کروں گا۔ چنتا مت کرو۔''

''بھیا جی! تمہارا نام کیا ہے؟''

''لکشمن۔''

''تم تو میرے لئے واقعی لکشمن ہی ثابت ہوئے ہو۔ جان بچا لی تم نے میری، عزت بچا لی۔ بھگوان تمہارا بھلا کرے۔''

''میں نے کہا نا جب تم نے مجھ سے رشتہ جوڑ لیا ہے تو کوئی شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض رشتے بڑے قیمتی ہوتے ہیں اور میں تمہیں بتاؤں میری کوئی بہن نہیں تھی۔ چلو کم از کم تم تو اپنے گھر چلی جاؤ گی۔ پر میرے من میں یہ خیال رہے گا کہ کوئی میری بہن تھی جس نے مجھے بھیا کہا تھا۔''

''جیون بھر تمہیں پیار سے بھیا ہی کہتی رہوں گی۔ اور ایسے تو پیچھا نہیں چھوڑوں گی تمہارا۔''

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''بھیا! کیا ہمارا یہاں رُکنا مناسب ہے؟''

''تمہیں اس عالم میں یہاں سے لے جا بھی تو نہیں سکتا۔''

''کچھ کرو بھیا! کچھ کرو۔ کوئی جگہ بتاؤ میرے لئے۔''

''یہاں تمہارے ساتھ کوئی اور ہے یا دِلّی سے اکیلی ہی چلی آئی تھیں یہاں؟''

''تمہیں پوری کہانی سناؤں گی۔ پوری تفصیل بتاؤں گی۔ یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے، ڈر لگ رہا ہے مجھے۔ کہیں مہاویر کے آدمی یہاں نہ آ جائیں۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکیں

گے۔ ایک سے ایک مسٹنڈا ہے سسرا۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' اچانک ہی لکشمن کے ذہن کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ لکشمن تھا اُس کا نام۔ اپنی شرارتوں اور ذہانت سے اُس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے تھے اور اس کے ذہن نے جو سوچا تھا وہ بھی ایک طرح سے اس کا کارنامہ ہی تھا۔ لڑکی کو لئے ہوئے وہ کافی دُور آ گیا اور جمنا کے ایک ایسے گھاٹ پر پہنچ گیا جہاں ایک مندر بنا ہوا تھا۔ یہاں ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دیو کنیاں یا دیو داسیاں معمول کے مطابق پانی میں قلیلیں کر رہی تھیں اور ان کے لباس جمنا کنارے ڈھیر تھے۔ لکشمن کو یہی منظر یاد آ گیا تھا۔ چنانچہ روپ کلا کو اُس نے ایک درخت کے تنے میں بٹھایا، اُس سے قمیض لے کر اپنے بدن پر پہنی اور پھر چھپکلی کی طرح زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھا اور کپڑوں کے ایک ڈھیر تک پہنچ گیا۔ لہنگا، چولی، اوڑھنی یہ تینوں چیزیں منتخب کیں، ان کا بنڈل بنایا اور اسی طرح واپس روپ کلا کے پاس پہنچ گیا۔

''لو...... اب پھرتی سے یہ کپڑے اپنے کپڑوں کے اوپر پہن لو۔''

''یہ...... یہ......''

''جلدی کرو...... ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔''

بہرحال وہ ایک طرف چلا گیا اور روپ کلا نے وہ کپڑے پہن لئے۔ تب لکشمن نے کہا۔

''آؤ اب میرے ساتھ۔ ہم جتنی جلدی یہاں سے دُور نکل جائیں اچھا ہے۔''

روپ کلا اُس کے ساتھ چل پڑی۔ آخر وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ لکشمن نے کچھ سوچا، جیبوں کی تلاشی لی۔ کافی پیسے موجود تھے۔ تب وہ بولا۔

''روپ کلا! ایک بات بتاؤ۔ یہ متھرا ہے اور تم جے مندر کو دیکھ چکی ہو۔ جے مندر کے پجاری چھتری جی کی ہر جگہ جے جے کار ہوتی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے اپنے گرگوں کو اشارہ کر دیا تو وہ تمہیں پورے متھرا میں تلاش کرتے پھریں گے۔ اور کہیں نہ کہیں سے تم انہیں مل ہی جاؤ گی۔ اس وقت تمہارا متھرا میں رہنا بالکل مناسب نہیں ہے۔''

''تو بھیا جی! میں کیا کروں؟'' روپ کلا روتی ہوئی بولی۔

''میرا خیال ہے دِلّی چلو۔''

''میں اکیلی تو کبھی نہیں جاؤں گی۔'' روپ کلا رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''اکیلا تمہیں بھیج کون رہا ہے؟ تم یوں کرو، ساتھ چلتے ہیں ہم۔ میں ٹکٹ لے آتا

ہوں۔"

"جیسے آپ کی مرضی بھیا! پر آپ اس طرح میرے ساتھ چلیں گے؟"

"میں مست قلندر آدمی ہوں۔ میری چنتا مت کرو۔"

"ٹھیک ہے بھیا جی!"

دِلّی جانے والی ریل کے بارے میں پتہ چلا اتفاق سے ایک گھنٹے بعد آنے والی ہے۔ دو ٹکٹ بھی مل گئے۔ اور پھر وہ لوگ انتظار کرنے لگے۔ اس بات کا تو انہیں اطمینان تھا کہ چھتری جی کے آدمی اتنی تیزی سے تو نہیں سوچیں گے کہ روپ کلا بچ بھی گئی اور ریلوے اسٹیشن بھی پہنچ گئی۔ بہرحال اس وقت تک انتظار کیا گیا اور دونوں کافی محتاط رہے جب تک کہ ریل نہ آگئی۔ وہ ریل کے ڈبے میں بیٹھے۔ ریل یہاں بہت تھوڑی سی دیر رُکتی تھی۔ جب وہ وہاں سے چل پڑی تو انہوں نے سکون کی گہری سانس لی۔

روپ کلا گہری نگاہوں سے لکشمن کو دیکھ رہی تھی۔ اور اُس کی آنکھوں میں محبت اُتر آئی تھی۔ ایسا سندر ویر اتنا ہی اچھا ہو سکتا ہے۔ لکشمن بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اصل میں اُس کے ذہن میں گرو گردھاری لعل آ رہے تھے۔ ظاہر ہے دِلّی جانا اور آنا اتنی آسان بات تو نہیں تھی۔ آج کے آج بھی پلٹے تو پورا دن لگ جائے گا۔ اور صبح تک پہنچ پائے گا۔ گردھاری لعل جی سوچیں گے تو سہی کہ وہ کہاں چلا گیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔

غرضیکہ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ اُسے روپ کلا کی آواز سنائی دی۔

"بھیا جی!"

لکشمن چونک کر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"بھوک لگ رہی ہے۔" روپ کلا معصومیت سے بولی اور لکشمن ہنس پڑا۔ بولا۔

"اسٹیشن آنے دو۔ کھلاؤں گا تمہیں کچھ۔"

روپ کلا بھی ہنس پڑی تو لکشمن نے چونک کر اُسے دیکھا اور بولا۔ "کیوں...... تم کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہیں دیکھ کر بھیا جی۔"

"اچھا میرے اندر ہنسی والی کوئی بات ہے؟"

"ہاں ہے نا۔"

"کیا ہے بتاؤ؟"

"کبھی کبھی تقدیر کیسے کیسے پھیر میں ڈال دیتی ہے۔ تمہیں افسوس نہیں ہے کہ اس سے تم وہاں کیوں تھے جب میں نے جمنا میں چھلانگ لگائی تھی؟"

"نہیں روپ کلا! مجھے افسوس نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تو بڑے کام کیئے ہیں۔ ایک نوجوان اور نوخیز لڑکی کی زندگی بچالی اور ایک اَبلا کی عزت بچالی۔ دونوں بڑے کام ہیں۔ ویسے روپ کلا! میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے جیون میں بڑے بڑے کام ہی کیئے ہیں۔ کبھی کسی چھوٹے کام کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"بھگوان تمہیں سنسار میں سب سے بڑا بنائے۔ سچ مچ تم نے میرا جیون بھی بچایا ہے اور عزت بھی۔"

"تمہارے بھیا جی کہیں مجھے ہی پکڑ کر جیل میں نہ بند کر دیں۔"

"نہیں۔ راج ماتھر بہت اچھے آدمی ہیں۔ ان سے ملو گے تو بہت خوشی ہوگی تمہیں۔"

"یہاں کیسے آ گئی تھیں؟ یہ بتاؤ۔"

"بیمار تھی۔ بخار رہتا ہے۔ ڈاکٹروں نے ہر طرح کا چیک اپ کر لیا۔ بہت علاج کرائے میرے۔ پر یہ پاپی بخار ہر چوتھے یا پانچویں دن چڑھ آتا ہے۔ پہلے میری صحت بہت اچھی تھی، اب خراب ہو گئی ہے۔ ماتا جی مر چکی ہیں۔ پتا جی، بھیا جی اور بھابھی جی ہیں۔ بھابھی جی نے مشورہ دیا کہ اب دوسرے علاج کروائے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ کسی نے مجھ پر جادو منتر کر دیا ہے حالانکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کون ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ میری تو کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ لوگ زبردستی مجھے متھرا لے آئے۔ اصل میں یہاں جے مندر کی بڑی جے جے کار ہے اور اس پاپی رنگ سیار کے بارے میں مشہور ہے کہ مہاویر چھتری جس پہ ایک بار ہاتھ رکھ دیتا ہے اس کی من کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ بھابھی جی تو یہاں آکر بڑی ہی عقیدت مند بن گئیں۔ بھیا جی بھی نرم پڑ گئے۔ حالانکہ وہ ایک پولیس والے ہیں، ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ مگر نجانے کیوں بھابھی جی کے پھیر میں آ گئے۔ میں خود بھی اس سے یہاں موجود تھی جب مہاویر چھتری کے کارنامے دیکھ رہی تھی۔ بڑے بڑے بیماروں کو ٹھیک کر دیا تھا انہوں نے۔ سامنے کی بات تھی۔ چھتری جی نے مجھے دیکھا اور بولے۔

"اوہو، یہ تو بڑے کشٹ میں ہے۔ اس کا تو علاج کرنا پڑے گا۔"

پھر انہوں نے بھیا جی سے کہا کہ کم از کم پندرہ دن مجھے یہاں رہنا پڑے گا۔ بھیا جی تو

پریشان ہوئے تھے پر بھابھی جی نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں بہت سے ایسے لوگ آتے ہیں جو مہینہ مہینہ بھر رہتے ہیں اور پھر صحت مند ہو کر جاتے ہیں۔ بھابھی جی نے ہزار کوشش کی کہ وہ خود بھی میرے ساتھ رہ جائیں مگر مہاویر جی کے آدمیوں نے کہا کہ نہیں، صرف مریض یہاں رہ سکتا ہے۔ بہرحال بھیا جی، بھابھی جی کو لے کر چلے گئے۔ مجھے بڑی ذمہ داری کے ساتھ وہ یہاں چھوڑ گئے تھے اور دو پجاریوں کو خاصی رقم دے کر گئے تھے کہ وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھیں۔ بہرحال اس بات کو آج پانچواں دن ہے۔ چار دن تک تو کچھ نہیں ہوا۔ آج میرا مطلب ہے رات کو مہاویر جی نے مجھے بلایا اور مجھ سے کہا کہ آج وہ دن ہے جب وہ منتر پڑھ کر میری بیماری کو نکال دیں گے اور اس کے بعد بس۔ بھیا جی! میری زبان نہیں کھلتی۔ انہوں نے مجھے اس حال میں کر دیا جس حال میں تم نے مجھے دیکھا۔ انہوں نے دارو بھی پی تھی۔ نشے میں تھے اور...... اور بھیا جی! میں جانتی ہوں میری عزت لوٹنا چاہتے تھے۔ میں وہاں سے بھاگی اور وہ میرا پیچھا کرنے لگے۔ مجھے تو بس وہ دروازہ اتفاقیہ طور پر ہی نظر آ گیا تھا جو جمنا کنارے کھلتا ہے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پران دے دوں گی، عزت نہیں دوں گی۔ بس میں دریا میں کود گئی تھی۔ بھیا جی! جس جگہ مہاویر جی نے مجھے بلایا تھا وہاں ایسے ہزاروں نقش نظر آ رہے تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں میری جیسی مجبور اور بے کس لڑکیوں کی عزت لوٹی جاتی ہے۔ اتنا پوتر مندر اور وہاں یہ سب کچھ۔ بھیا جی! میں نے محسوس کیا کہ وہ دیو کنیاں، وہ دیوداسیاں جو بھگوان کی مورتی کے سامنے رقص کرتی ہیں ساری کی ساری مظلوم ہیں اور چھتری جی کی ہوس کی بھینٹ چڑھتی رہتی ہیں۔ بھیا جی! میری عزت بچ گئی، میرا جیون بچ گیا۔ بھاڑ میں جائے بخار، بھاڑ میں جائے بیماری۔ آپ نے میری مدد کی ہے۔ بھگوان سے جتنی دُعا کروں آپ کے لئے کم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی میں آپ کی سیوا کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا۔ کیا سیوا کریں گی آپ ہماری؟" لکشمن نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس جو بھی آپ کہیں گے۔"

دِلّی تک سفر طے ہوا اور لکشمن روپ کلا کو لے کر وہاں پہنچ گیا جہاں روپ کلا کا گھر تھا۔ وہاں نیل کا کٹرا نامی ایک جگہ تھی اور نیل کے کٹرے میں ایک خوبصورت مکان جس کے آگے پتھر کے دو شیر بنے ہوئے تھے ایس پی راج ماتھر کا مکان تھا۔ سرخ پتھروں سے بنے ہوئے اس خوبصورت مکان کے دروازے سے روپ کلا بے تکان اندر داخل ہو گئی تھی۔ گھر

میں ملازم کام کاج کر رہے تھے۔ کچھ نے روپ کلا کے اس طرح آنے اور اس کے لباس پر تبصرہ کیا۔ مگر روپ کلا لکشمن کا ہاتھ پکڑے سیدھی اندر داخل ہو گئی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رُک کر اُس نے زور سے دستک دی تو اندر سے آواز آئی۔

"ارے کیوں دروازہ توڑے دے رہے ہو۔ آ مرو...... اندر آ جاؤ۔ تم کو کس نے روکا ہے؟" یہ ایک بھاری مردانہ آواز تھی۔ روپ کلا نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ ایک کرسی پر راج ماتھر بیٹھا ہوا دودھ پی رہا تھا۔ برابر میں ایک خوبصورت سی عورت گھر کے کام کاج کر رہی تھی اور چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ راج ماتھر نے روپ کلا کو دیکھا، ایک لمحے تک اُسے پہچاننے کی کوشش کرتا رہا اور پھر دوسرے لمحے وہ دودھ کا گلاس بڑی مشکل سے رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"روپ کلا، تو......؟"

"ہاں میں۔"

"اور یہ...... یہ...... یہ کون ہے؟"

"ساری باتیں ایک ساتھ پوچھ لو گے بھیا جی؟ تم تو مجھے نرکھ میں جھونک آئے تھے۔ ایسی ہی بھاری پڑ رہی تھی تو اپنے ہاتھوں سے گردن دبا دیتے۔ میری عزت اور میرا جیون لینے پر کیوں تل گئے تھے؟"

"کیا بکے جا رہی ہے...... کیا بکے جا رہی ہے؟ کچھ سمجھا تو مجھے۔ تو متھرا سے یہاں تک آ کیسے گئی؟"

"جمنا میں بہہ کر آ گئی۔ مر جاتی تو اچھا تھا۔ دوبارہ تمہیں صورت نہ دکھاتی۔ مجھے بس یہ بتا دو میں نے بگاڑا کیا تھا تمہارا؟"

"روپ کلا! آ بیٹھ بٹیا! کیسی باتیں کر رہی ہے تو؟ مالتی، دیکھو ذرا کیا ہو گیا ہے اسے؟"

روپ کلا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ مالتی جو راج ماتھر کی بیوی تھی اور روپ کلا کی بھابھی اُس کی طرف بڑھی اور اُسے سینے سے لگانے کی کوشش کی تو روپ کلا نے اُسے جھٹک دیا۔

"چھوڑ دیجئے آپ لوگ مجھے۔ میں بس یہ سوال کرتی ہوں آپ سے کہ کیا اتنی ہی بھاری پڑ رہی تھی میں آپ پر کہ آپ مجھے نرکھ میں جھونک آئے۔ کس نے کہا تھا آپ سے کہ مندر میں لے جا کر میرا علاج کرائیے۔ بتائیے کس نے کہا تھا بھابھی جی! آپ تو بڑی

سیانی بنتی ہیں۔ آپ نے اُس پاپی کی آنکھوں میں نہیں جھانکا تھا؟''

''بٹیا...... بٹیا، اپنے آپ کو سنبھال۔ مجھے بتا کیا بات ہوئی؟ بھائی تم بتاؤ، تم کون ہو؟ تم بتاؤ مجھے۔ یہ تو بتائے گی نہیں۔''

''میرا نام لکشمن ہے۔ رام پور کا رہنے والا ہوں۔ متھرا میں وڈیا حاصل کر رہا تھا۔ مندر کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، تپسیا کر رہا تھا کہ جے مندر کے پچھلے دروازے سے روپ کلا جی برآمد ہوئیں اور جمنا میں کود گئیں۔ ان کے جسم پر بالکل مختصر لباس تھا۔ پینٹ کوٹ وغیرہ میں ملبوس تھیں۔ میں دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد انہی سیڑھیوں سے مہاویر جی نمودار ہوئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ روپ کلا جی بہتی ہوئی کافی دُور نکل گئی تھیں۔ میں یہ تو نہیں دیکھ سکا تھا کہ مہاویر جی اور کیا کر رہے ہیں، بس میں نے جمنا میں چھلانگ لگائی اور کافی دُور جا کر بڑی مشکل سے انہیں پکڑنے میں کامیاب ہوا۔ بعد میں انہوں نے مجھے اپنے بارے میں بتایا۔ مہاویر جی ان کی آبرو لوٹنا چاہتے تھے۔ یہ عزت بچا کر وہاں سے بھاگی تھیں۔''

راج ماتھر کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ اُس نے روپ کلا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''کیا یہ سچ ہے روپ کلا؟''

روپ کلا اور زور زور سے رونے لگی تھی۔ راج ماتھر نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''مجھے بتا روپ کلا! کیا یہ سچ ہے؟''

روپ کلا نے سسکتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''اگر ایسا ہے روپ کلا تو بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے میری بہن پر اس طرح ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے اسے اس سنسار میں جیتا نہیں رہنے دوں گا۔''

''سنیے تو سہی۔'' راج ماتھر کی بیوی نے کہا۔

''ہاں بولو مالتی!'' راج ماتھر پُرسکون لہجے میں بولا۔

''بھگوان کے لئے ایسی سوگند نہ کھائیے۔''

''بھگوان کے لئے سب کچھ کرنے پر راضی ہوں مالتی۔ پر دیکھو کیسا مان توڑا ہے اُس نے میرا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر......''

''مجھ جیسا پولیس آفیسر جس کے نام سے ایک سنسار کانپتا ہے اس طرح اپنی بہن کی عزت کا سوداگر بن جائے یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا مالتی۔''

''پھر بھی میری بات تو سنیں۔''

''نہیں مالتی، اتنی چنتا مت کرو۔ تم دیکھو کتنی عقیدت سے میں اپنی بہن کو متھرا چھوڑ کر آیا۔ ارے سارا سنسار اُس کی پوجا کرتا ہے۔ لوگ اُسے مہان دیوتا مانتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں دیوتا؟ یہ کرنا چاہئے تھا اُسے؟''

''کرنا تو نہیں چاہئے تھا لیکن ہمیں سوچنا تو پڑے گا نا اس بارے میں۔''

''مالتی! میرے پورے شریر میں لاوا کھول رہا ہے۔ میرا من چاہ رہا ہے کہ ابھی جا کر بوٹیاں اُڑا دوں اُس کی۔''

''اپنے آپ کو سنبھالیے راج ماتھر۔''

''ہاں سنبھال لیا ہے میں نے۔ ابھی توپ لے کر سیدھا متھرا جا رہا ہوں اور نہ ہی مندر پر توپیں چلاؤں گا میں۔''

''میں بھی آپ سے یہی کہوں گا کہ جو کریں سوچ سمجھ کر کریں۔''

''بیٹھو! میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ تم میرے لئے اوتار ہو۔ لیکن تم نے جو کچھ کیا ہے وہ اوتاروں والا کام ہی ہے۔ میری بہن کا جیون بھی بچایا ہے تم نے اور عزت بھی۔''

''ہاں بھیا جی، یہ میرے لئے آپ جیسے ہیں۔ بھائی سمان ہیں میرے لئے۔ انہیں بھیا جی کہتی ہوں۔''

راج ماتھر نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر لکشمن کو سینے سے لگایا اور بولا۔ ''لکشمن نام بتایا ہے نا تم نے اپنا؟''

''ہاں۔''

''کام بھی لکشموں جیسا ہی کیا ہے۔ رام پور کے رہنے والے ہو۔ یہی نام بتایا تھا نا تم نے؟''

''ہاں۔''

''گویا رام پور کا لکشمن...... رام اور لکشمن دونوں ہی ساتھ آ گئے۔ کیا کرتے ہو بھیا جی؟ مالتی جاؤ، میرے بھائی کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرو۔''

''آؤ روپ کلا۔'' مالتی نے کہا اور روپ کلا کو لئے باہر نکل گئی۔ تب راج ماتھر نے کہا۔

''دیکھو لکشمن! میں بہت زیادہ مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ اور اس لئے نہیں ہوں کہ پولیس والا ہوں۔ ہمیں دین دھرم کے ساتھ ساتھ انسانیت کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس میں

کوئی شک نہیں کہ سب لوگوں کا خیال تھا کہ میں روپ کلا کو لے کر متھرا جاؤں اور وہاں
جے مندر کے مہا پجاری مہاویر چھتری سے اس کا علاج کراؤں۔ میں تو بڑی عقیدت سے
گیا تھا وہاں۔ اُس پاپی ہتھیارے نے سوچا کہ جوان لڑکی آئی ہے چلو اپنا کام چلاؤ۔ پر
حرامی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ بہن کس کی ہے۔ پہلے تو ایک بھائی تھا اس کا اب دو دو ہو
گئے ہیں۔ لکشمن! تم مجھے بتاؤ کیا مہاویر چھتری کو چھوڑ دیں گے؟''

''نہیں۔ میں نے وہاں بہت سی دیو کنیائیں دیکھی ہیں۔ خیر اب یہ تو بھگوان ہی جانتا
ہے کہ بھگوان کا روپ کیا ہے پر مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری کی ساری وحشیا بنا دی گئی
ہیں۔ ارے باپ رے باپ جو منظر جمنا گھاٹ پر نظر آتے ہیں انہیں دیکھ کر تو کوئی بھی یہ
کہہ سکتا ہے کہ یہ مندر کیا ہے برائی کے اکھاڑے ہیں۔''

''خیر ہر عبادت گاہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ بھگوان کے داس، بھگوان کے پجاری تو بڑی
عقیدت سے آتے ہیں۔ اب ان عبادت گاہوں میں رہنے والے اگر عبادت گاہوں کے
تقدس کو نشٹ کر دیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''مگر ایسے لوگوں کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ بھگوان کی سوگند اگر میری بہن کی آبرو لٹ جاتی
اور وہ کسی مشکل کا شکار ہو جاتی تو میں نہیں جانتا کہ میں نجانے کیا کرتا۔ شاید اپنے دھرم کو ہی
چھوڑ بیٹھتا۔ بچ گیا میرا دھرم تمہاری وجہ سے لکشمن۔ جیون بھر تمہارا یہ احسان مانوں گا۔
تمہیں جانے کی جلدی تو نہیں ہے؟''

''میں جہاں رہتا ہوں وہاں مجھے تلاش تو کیا جائے گا کیونکہ جیسے ہی کلا دیوی میرے
ہاتھ لگی سب سے پہلے میں نے ایک دیوداسی کے کپڑے چرائے اور انہیں لے کر سیدھا
ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ وہ تو بھگوان کی دیا سے میرے پاس تھوڑے سے پیسے رکھے ہوئے
تھے جن سے میں نے دِلّی تک کے ٹکٹ وغیرہ خرید لئے۔ ورنہ یہ بھی پریشانی ہو جاتی۔''

''بہت کام کیا ہے تم نے میرے لئے۔ اُس پاپی نے میری بہن کے کپڑے بھی اتار
لئے تھے؟''

''ہاں!''

راج ماتھر دیر تک غم و غصے میں ڈوبا رہا، پھر بولا۔ ''لکشمن! مجھے تمہاری ضرورت ہے
بھیا۔ چاہے تکلیف ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ میرے ساتھ ایک آدھ دن گزارو۔ میں تم

سے کچھ مشورے کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اب ایسی بھی مار نہیں پڑی۔ کرلوں گا جو مجھ سے کیا جا سکتا ہے۔''

راج ماتھر نے لکشمن کی بڑی خاطر مدارات کی تھیں اور پھر اسی رات راج ماتھر لکشمن کو
لے کر ایک الگ گوشے کی جانب چل پڑا۔ غالباً وہ اس سلسلے میں مشورے کرنا چاہتا تھا۔

''متھرا میں نے دیکھا ہے۔ وہ علاقہ بھی دیکھا ہے پوری طرح جہاں کی بات تم کر
رہے ہو۔ بڑی عقیدت ہے مجھے مندروں سے۔ مگر ایک بات بتاؤ لکشمن! اگر ان مندروں
میں مہاویر جیسے راکشش گھس جائیں تو وہاں کیا ہونا چاہئے؟''

''میرے خیال میں تو ایسے لوگوں سے مندروں کو پاک کرنا چاہئے۔ یہ مندروں کا
تقدس اور اس کی پوترتا کو کتنا نقصان پہنچا رہے ہیں۔''

''میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔ سنو میں خفیہ طور پر وہاں آ رہا ہوں۔ تم کل صبح چلے جاؤ۔
میں وہاں آ کر تم سے ملوں گا۔ چھٹی لے کر آ رہا ہوں میں۔ تھوڑا سا کام کریں گے وہاں۔
کیا تم میرا ساتھ دو گے لکشمن؟''

''ہاں کیوں نہیں راج ماتھر جی۔ جب کلا ہم دونوں کی مشترکہ بہن بن گئی ہے تو پھر آپ
تو یہ سمجھ لیجئے کہ میں وہی سب کچھ کروں گا جو آپ کہیں گے۔''

راج ماتھر نے ایک بار پھر لکشمن کو گلے لگا لیا تھا۔ بہرحال دوسرے دن راج ماتھر نے
اُسے بڑی عزت و احترام کے ساتھ واپس متھرا جانے والی ریل میں بٹھا دیا تھا۔

❁.....❁

لکشمن متھرا پہنچ گیا۔ سب سے پہلے وہ تھوڑا سا حلیہ بدل کر گرو گردھاری لال کے پاس پہنچا تھا۔ گرو جی سخت پریشان تھے۔ لکشمن کو اس طرح مٹی میں اٹے دیکھا اور اس کے برے احوال دیکھے تو گھبرا کر بولے۔

''ارے لکشمن کیا ہو گیا رے تجھے؟ کہاں غائب ہو گیا تھا؟ اور یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟''

''جے بھوانی...... جے بھگونتی۔ مہاراج، بس بھگوان نے دیا کی ہے مجھ پر۔''

''ہوا کیا رے۔ میری تو جان ہی نکلی ہوئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ بھگوان نہ کرے تجھے کچھ ہو گیا تو تلیا رام کو کیا جواب دوں گا۔''

''پتا جی نے مجھے آکاش میں بکھرے ہوئے تاروں کا گیان لینے کے لئے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ ایک مہان سوامی مل گئے مجھے۔ جمنا کے کنارے بیٹھا تپسیا کر رہا تھا کہ میرے پاس آ گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چل پڑے۔ مجھے پتہ نہیں مہاراج کتنی دور لے گئے وہ مجھے پھر ایک پتھر پر بٹھا کر بولے۔

''آکاش میں بکھرے ہوئے تاروں کا گیان لینا چاہتا ہے۔ یہ گیان تجھے مل جائے گا۔ جس طرف دیکھے گا اس کی رام کہانی تجھے پوری کی پوری معلوم ہو جائے گی۔ پر اس کے لئے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا تجھے۔ سو جا...... گہری نیند سو جا۔ جاگے گا تو بہت کچھ ملے گا تجھے۔''

اور گرو مہاراج میں وہیں زمین پر بیٹھ کر سو گیا۔ آپ میری بات پر شاید یقین نہ کریں، جاگ کر سیدھا وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ جمنا کنارے میلوں دور وہ جگہ تھی جہاں میں موجود تھا۔''

''جے بھوانی...... جے بھوانی...... دیکھو، اسے کہتے ہیں کہ بھگوان جسے دینا چاہے ہاتھ پکڑ کر لے جاتا ہے اور دے دیتا ہے۔ بیٹا، تیرا سپنا مجھے بتاتا ہے کہ تجھے کوئی بڑا گیان ملنے والا ہے۔''

''مہاراج، آپ میری چنتا نہ کیا کریں۔ میں گیان دھیان حاصل کرتا ہوں۔ آپ کے

چرنوں سے دور نہیں جاؤں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔ کہیں گیا تو آپ سے کہہ کر جاؤں گا۔''

''ہاں بیٹا، تلیا رام کو بھی جواب دینا ہے مجھے۔ بڑا بھروسہ کرتا ہے وہ مجھ پر۔'' سیدھے سادھے گرو گردھاری لعل نے کہا۔

لکشمن دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اب جو تبدیلیاں یہاں ہونے والی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہوں گی۔ راج ماتھر کے تیور بتاتے ہیں کہ آئے گا سو آئے گا۔ چنانچہ وہ جگہ منتخب کر لی گئی تھی جہاں راج ماتھر کو لکشمن سے ملنا تھا اور آخر کار شام کے جھٹپٹوں میں وہ وہاں پہنچ گیا۔ وہ ایک یاتری کی شکل میں آیا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک بڑی سی گٹھڑی تھی، ٹین کا صندوق تھا۔ حلیہ بھی اُس نے بدلا ہوا تھا۔ اور ویسے بھی لمبا چوڑا، تندرست و توانا آدمی تھا اور دیکھنے ہی سے لگتا تھا کہ اندر سے کوئی چیز ہے۔ بڑا پولیس آفیسر تھا، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن اس وقت بہن کے انتقام میں ڈوبا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ لکشمن تو ایک نگاہ میں اُسے پہچان بھی نہیں سکا۔ راج ماتھر نے ایسا روپ بدلا تھا کہ بس دیکھنے دکھانے کی چیز معلوم ہوتا تھا۔ راج ماتھر خود اُس کے پاس پہنچ گیا۔

''جے رام جی کی لکشمن مہاراج!''

لکشمن نے راج ماتھر کی آواز پہچان لی اور مسکرا کر بولا۔ ''جے رام جی کی بھیا جی! آپ نے تو کمال کر دیا۔''

''سی آئی ڈی میں بھی رہ چکا ہوں۔ یہ روپ بدلنے آتے ہیں مجھے۔ تم سناؤ یہاں کیا حال ہیں؟''

''سب ٹھیک ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ وہی بے ڈھنگی چال چل رہی ہے۔ عقیدت مند مندروں کے گھنٹے بجا رہے ہیں۔ جے مندر میں بھی پوجا ہوتی ہے۔ مگر عام دنوں میں مہاویر جی سب کو اپنے درشن نہیں دیتے۔''

''ان کے درشن تو ہم کریں گے۔ اور اچھی طرح کریں گے ذرا۔''

''بھیا جی! کیا پروگرام ہے؟''

''تھوڑی سی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور بڑی مشکل سے روپ کلا کو تیار کیا ہے۔ مالتی بھی ساتھ آئی ہے۔ دونوں کو سرائے میں ٹھہرا دیا ہے۔''

''اوہو...... وہ دونوں بھی آئی ہیں؟''

''ہاں۔''

"مگر آپ نے روپ کلا کو کیوں تیار کیا ہے؟"

"روپ کلا جے مندر میں جائے گی۔ پوجا پاٹ کرے گی۔ اور لازمی بات ہے مہاویر جی کو اس کے آنے کا پتہ چل جائے گا۔ انہوں نے اپنے گرگے بھی یقیناً پال رکھے ہوں گے۔ بہرحال روپ کلا نے بڑی ہمت کی ہے۔ میں نے اُسے ہمت دلائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مہاویر جی کو رنگے ہاتھوں پکڑوں۔"

"میں آپ کو کوئی مشورہ دینے کے قابل تو نہیں ہوں راج ماتھر جی! پر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں بولو۔"

"اگر آپ نے ساری باتوں کا پتہ لگا لیا تو کیا مہاویر جی چھتری کو منظر عام پر لائیں گے؟"

"میں ان کی گردن میں رسّی ڈال کر انہیں ان عقیدت مندوں کے سامنے لے جاؤں گا جو ان پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔" راج ماتھر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تو پھر اب یہ بتایئے ماتھر جی! کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"جیسے کہ میں نے تمہیں بتایا، میں نے روپ کلا کو تیار کر لیا ہے کہ وہ مہاویر کے لئے چارہ بنے۔ مہاویر ایسے آسانی سے نہیں پھنسے گا۔ ہمیں اس کے لئے خاصا کام کرنا ہوگا۔ میں بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے اس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ ذمہ داری تو ہونی چاہئے۔ بہرحال ہمیں کوئی ثبوت مل جائے گا۔ اب کرنا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ میں نے تو حلیہ بدل ہی لیا ہے۔ ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔ مالتی اور روپ کلا کی نگرانی کی جائے گی۔ ہم چھپے چھپے اُن کا ساتھ دیں گے۔"

"وہ ہیں کہاں؟"

"آؤ میں تمہیں اسی طرف لئے چل رہا ہوں۔" راج ماتھر نے کہا اور اس کے بعد وہ لکشمن کو لے کر چل پڑا۔ پولیس آفیسر تھا۔ ظاہر ہے کوئی بھی کام اُس کے لئے مشکل یا ناممکن نہیں تھا۔ ایک خیمہ لگا ہوا تھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

"مالتی اور روپ کلا اسی خیمے میں موجود ہیں۔"

"ٹھیک۔"

"میں نے ان کے لئے سارے انتظامات کر دیئے ہیں۔ کھانے پینے وغیرہ کی انہیں

کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ باقاعدہ پوجا پاٹ کے لئے مندر جائیں گی۔ کل سے اس کام کا آغاز ہو جائے گا۔"

لکشمن نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ تب راج ماتھر نے کہا۔

"اور وہ خیمہ جو تاریک پڑا ہوا ہے ہمارا ہے۔"

لکشمن نے چونک کر ادھر دیکھا، خیمہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور وہاں سے باآسانی اس دوسرے خیمے کی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ لکشمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ ہو بھیا جی! آخر پولیس آفیسر ہیں۔ ایسے کام آپ نے نہ کئے تو پھر کون کرے گا؟"

"لکشمن! ہم دونوں کی ڈیوٹی رہے گی۔ ہم راتوں کو بھی جاگ کر اس خیمے کی نگرانی کریں گے۔ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مہاویر کو یہ تمام تفصیل معلوم نہیں ہے کہ روپ کلا اب بھی یہیں موجود ہے یا وہ جمنا سے بچ گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے بھیا جی۔" لکشمن نے کہا۔ یہ کام اُس کی فطرت کے مطابق تھا اور اس میں اسے بہت مزا آ رہا تھا۔ اس اعلیٰ پولیس افسر کے ساتھ مندروں کے تقدس کو پامال کرنے والے ایک جھوٹے پجاری کے خلاف کام کیا جا رہا تھا جس نے برائیوں کی جڑ پال رکھی تھی۔ لکشمن کے لئے اس سے زیادہ مزے دار کام اور کیا ہو سکتا تھا۔ البتہ گرو گردھاری لعل کو سنبھالنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو وہ وہاں پہنچ گیا۔ گرو گردھاری نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! کچھ زیادہ غائب نہیں رہنے لگے ہو تم گھر سے؟"

"گرو جی! آپ نے بھی یہی کہا تھا اور ماتا پتا نے بھی یہی کہا تھا کہ جوتش گیان لاؤں تو ایسا کہ سنسار میں اس کی کوئی مثال نہ ملے۔"

"بھگوان تمہاری یہ آرزو پوری کرے۔ مگر اس سلسلے میں تم کر کیا رہے ؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے ایک جگہ مل گئی ہے۔ وہاں سے آسمان پر نگاہیں گاڑھے بیٹھا رہتا ہوں۔ ستاروں نے اب مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دی ہیں۔"

گرو گردھاری نے تعجب بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا اور بولا۔ "باتیں کرنا شروع کر دی ہیں؟"

"ہاں گرو مہاراج!"

''بیٹا! یہ وقت تو سالہا سال کی محنت کے بعد آتا ہے۔ تمہیں اتنی جلدی ستاروں کا گیان کیسے حاصل ہو گیا؟''

''بھگوان کی دین کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں گرو جی؟''

''وہ تو ہے۔ بھگوان تو بھیا، جسے چاہے منٹوں میں سب کچھ دے دے۔''

''بس تو یہ سمجھ لیجئے کہ بھگوان نے مجھے منٹوں میں سب کچھ دے دیا ہے۔''

''امتحان لوں گا تمہارا اسی سمے۔''

''ابھی نہیں۔ ذرا تھوڑا سا سمے گزر جانے دیجئے۔ میں خود آپ سے کہوں گا گرو جی، میرا امتحان لیں۔''

''ٹھیک ہے، جیسا تم پسند کرو۔''

اس طرح لکشمن نے جمنا کنارے کے مندروں میں رہنے کے لئے جواز پیدا کر لیا۔ تاکہ اگر تلیا رام جی گرو گردھاری لعل سے کچھ پوچھیں تو اس کے اوپر کوئی ضرب نہ آئے۔ بہرحال یہ سب کچھ جاری تھا۔ آج کی شام روپ کلا کو جے مندر میں پوجا کے لئے جانا تھا اور وہ اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔ موقع ملتے ہی راج ماتھر نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے دو دو بھائی تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ ایک لمحے کو بھی مت ڈرنا روپ کلا! وہ جو کچھ بھی کریں گے ہمارے پاس اس کا جواب موجود ہو گا۔ گولیوں سے بھون ڈالیں گے انہیں اگر انہوں نے تم سے کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی۔ ہمت سے کام لینا۔ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔''

''جی بھیا جی!'' روپ کلا نے جواب دیا۔

''مالتی! تم اس کے ساتھ رہو گی اور اس کی نگرانی کرو گی۔''

''آپ چنتا نہ کریں۔'' مالتی نے اپنے شوہر سے کہا۔

شام ہوئی۔ جے مندر میں سنکھ بجے اور پجاری پوجا کے لئے چل پڑے۔ یہ عام دن تھا۔ اس لئے مہا پجاری مہاویر چھتری درشن نہیں دیا کرتے تھے۔ وہ تو خاص خاص ہی دنوں میں پبلک کے سامنے آتے تھے۔ دوسرے پجاری پوجا پاٹ کراتے تھے۔ مالتی اور کلا مندر میں داخل ہو گئیں۔ کلا کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا لیکن مالتی اُسے ڈھارس دیئے ہوئے تھی۔

''تمہارے بھیا جی کوئی کپڑا بیچنے والے نہیں ہیں روپ کلا! بہت بڑے پولیس افسر

ہیں وہ۔ بڑے بڑے خطرناک ڈاکوؤں کو پکڑ چکے ہیں۔ یہ پجاری کیا چیز ہے۔ تم بلاوجہ ڈر رہی ہو۔''

''بھابھی جی! میرا من اندر سے کانپ رہا ہے۔ آپ نے اُس وحشی جانور کو نہیں دیکھا جو انسان کے روپ میں درندہ ہے۔ ہائے رام، تصور کرتی ہوں تو من لرز جاتا ہے۔ وہ آدمی تو تھا ہی نہیں، دیو لگتا تھا دیو۔ اور میں...... اور میں اور کیا کہوں بھابھی جی؟''

''چلو چلو، سنبھالو اپنے آپ کو۔ آؤ پوجا کرتے ہیں۔ کم از کم ہمارے دیوی دیوتا تو ہمارے اپنے ہیں۔''

دونوں پوجا میں مصروف ہو گئیں اور بہت دیر تک مصروف رہیں۔ پھر وہاں سے چل پڑیں۔ دونوں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ لکشمن اور راج ماتھر الگ الگ کافی فاصلے پر رہ کر ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ دونوں لمحہ لمحہ ان کے ساتھ رہے تھے۔ پوجا پاٹ میں بھی وہ شریک تھے۔ آخر کار وہ اپنے خیمے میں پہنچ گئیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ صرف ان کا خیال تھا۔ اُدھر کھلبلی مچ گئی تھی۔ جے مندر میں پوجا تو بڑے خلوص سے ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ پوجا کرنے والے عام لوگ ہوا کرتے تھے۔ اپنی عقیدت میں ڈوبے ہوئے۔ لیکن مہاویر نے کچھ آدمیوں کو اپنی شیطانی حرکتوں کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس زمین دوز حجرے میں دو پجاری ہانپتے کانپتے پہنچ گئے۔ مہاویر ایک آرام چیئر پر دراز ہلکے ہلکے ہچکولے لے رہا تھا۔ ظاہر ہے اُس کے ذہن میں شیطانی منصوبے بن رہے ہوں گے۔

''جے ہو مہاراج کی۔'' پجاریوں کی آواز اُبھری تو مہاویر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''جے بھگونتی! کیا بات ہے؟ ایسے سہمے تم کیوں اندر آئے ہو؟ کوئی خبر لائے ہو؟ کیا کوئی خوبصورت کنیا آئی ہے ہمارے پاس؟ کیا ہوا ہے؟''

''نہیں مہاراج! خبر ہی دوسری ہے۔''

''بولو بولو، کیا خبر ہے؟''

''کچھ دن پہلے مہاراج! ایک لڑکی یہاں سے بھاگ گئی تھی۔''

''ہاں۔ حرام زادی جمنا میں ڈوب کر مر گئی۔ اُسی کی بات کر رہے ہو نا؟''

''جی مہاراج۔''

"تو پھر کیا اس کی لاش مل گئی؟"

"نہیں مہاراج! وہ جیتی جاگتی مل گئی۔"

"کیا......؟" مہاویر چونک کر کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا۔

"ہاں مہاراج! وہ زندہ ہے۔"

"زندہ ہے؟"

"جی مہاراج۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"آج پوجا کے لئے آئی تھی۔"

"پوجا کے لئے آئی تھی؟"

"جی مہاراج۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"مہاراج! پورے ہوش و حواس سے میں آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ وہ پوجا کے لئے آئی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بچ گئی؟"

"جی مہاراج!"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ یا تو اُسے مر جانا چاہئے تھا یا پھر ہماری تحویل میں ہونا چاہئے تھا۔"

"اُس کے ساتھ ایک اور عورت بھی تھی مہاراج۔"

"تم بڑے بیوقوف ہو۔ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"مہاراج، سچ کہہ رہے ہیں۔"

"تعجب کی بات ہے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہیں تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا؟"

"بالکل نہیں مہاراج!"

"تو پھر کہاں گئی وہ؟"

"پوجا کر کے چلی گئی۔"

"اُلو کے پٹھو! کیا تمہیں اُسے جانے دینا چاہئے تھا؟"

"تو پھر کیا کرتے مہاراج؟"

"تمہیں پتہ چلانا چاہئے تھا کہ وہ جیتی کیسے بچ گئی۔"

"جمنا میں کود گئی تھی مہاراج! ہو سکتا ہے کہیں کنارے پر جا نکلی ہو۔"

"اگر ایسا بھی تھا تو اسے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔"

"جی مہاراج۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟ تمہیں میرے پاس آنے کی بجائے اس کا پتہ چلانا چاہئے تھا۔"

"ہم نے آدمی اس کے پیچھے بھیج دیئے ہیں مہاراج۔"

"اوہو۔ یہ تم نے اچھا کیا۔ کون گیا ہے؟"

"گجرال۔"

"ٹھیک...... ٹھیک۔ سمجھدار آدمی ہے وہ۔"

"ہم نے اس سے کہہ دیا ہے کہ پتہ لگا کر آئے کہ وہ کہاں رُکی ہوئی ہے۔"

"ہوں۔ مگر تعجب کی بات ہے وہ ہمارے چنگل سے بچی۔ جمنا میں کودی اور زندہ بچ گئی اور اب بھی یہیں موجود ہے، بلکہ پوجا کے لئے مندر بھی آئی ہے۔ نہیں سجنو، کوئی گڑبڑ ہے۔"

"کیسی گڑبڑ مہاراج؟" دونوں پجاری حیرانی سے اپنے مہا پجاری کو دیکھنے لگے۔

"سوچنے دو...... مجھے سوچنے دو۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ یاد کرنے دو مجھے وہ لوگ آئے تھے۔ ہم نے ان سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کہ وہ کرتے ہیں کیا ہیں۔ حیثیت والے معلوم ہوتے تھے۔ کافی چڑھاوے لائے تھے۔ ایک جوان عورت اور بھی تھی ان کے ساتھ۔ لڑکی کے بھائی کی بیوی تھی شاید۔ ہاں ایسا ہی تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ اسے علاج کے لئے چھوڑ جائیں تو وہ عقیدت سے چھوڑ گئے۔ خیر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن احتیاط جیون کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی اس پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی کوشش مت کرنا۔ کم از کم تین دن تک اسے دیکھو کہ قصہ کیا ہے۔ کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے ہمارے لئے چارہ بنایا جا رہا ہو۔ ورنہ ایسی کسی لڑکی کا دوبارہ یہاں موجود ہونا اور مندر میں آنا تعجب کی بات ہے۔ نہیں، ابھی کچھ نہیں کرنا۔ گجرال اس کا پتہ لگا آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"جی مہاراج! آپ چنتا نہ کریں۔"

"تم لوگ بھی اس کی نگرانی پر لگ جاؤ۔ گجرال اس کا جو بھی پتہ بتائے وہاں اس کے آس پاس ہونا ضروری ہے۔ گجرال کو میرے پاس بھیج دینا۔"

دونوں پجاری چلے گئے تو مہاویر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس

نے ایک پیتل کے گھنٹے پر ہلکی سی ضرب لگائی۔ گھنٹے کی آواز عظیم الشان تہہ خانے میں دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ فوراً ہی سیڑھیوں سے ایک آدمی نیچے اترا۔

''ہاں، کیا بندوبست کیا ہے آج؟''

''مہاراج! دیوکنیا ہی سے کام چلانا پڑے گا۔ کوئی نئی لڑکی مندر میں نہیں آئی۔''

''آج رہنے دو۔ آج ہم کچھ پوجا پاٹ کرنا چاہتے ہیں۔ بڑے دن ہو گئے بھوانی دیوی کی پوجا کیئے ہوئے۔ دارو لے آؤ۔''

''جی مہاراج!'' آنے والے نے کہا اور ایک دیوار کی جانب بڑھ گیا۔ بظاہر یہ دیوار سپاٹ نظر آتی تھی۔ اس پر دیوی دیوتاؤں کی تصویریں نظر آتی تھیں۔ اس شخص نے ایک بٹن دبایا اور تصویریں اپنی جگہ سے ہٹ گئیں۔ اندر سے شراب خانہ نمودار ہوا تھا جس میں اعلیٰ درجے کی ولایتی شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔ آنے والے نے تین چار بوتلیں نکالیں، دیوار کے سامنے ایک کاؤنٹر خود بخود نمودار ہو گیا تھا۔ کاؤنٹر پر اُس نے بوتلیں رکھیں اور پھر ایک جگ میں کاک ٹیل بنانے لگا۔ کئی شرابوں کو ملا کر اُس نے ایک کاک ٹیل تیار کی اور پھر بڑی نفاست کے ساتھ آئس کین، بوتل اور گلاس وغیرہ لے کر مہاویر کے پاس پہنچ گیا۔

یہ تمام چیزیں اُس نے مہاویر کے سامنے میز پر سجا دیں اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے، جاؤ۔ گجرال آئے تو اُسے ہمارے پاس بھیج دینا۔''

''جی مہاراج۔'' وہ شخص گردن جھکا کر سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپر چلا گیا اور مہاویر گلاس میں شراب ڈال کر اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔ اُس کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے اور اُس کے ہونٹوں سے مدھم مدھم بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں۔

''عقل تو یہی کہتی ہے کہ لڑکی میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس طرح دوبارہ مندر میں آ جائے۔ بہت ڈری ہوئی تھی وہ۔ لیکن خیر اُس کے پیچھے کوئی ہے تو ہم سے بچ کر کہاں جائے گا سسرا۔''

کافی دیر کے بعد ایک اور پجاری جس نے بدن پر سفید چادر لپیٹی ہوئی تھی، دُبلا پتلا سا اور مدقوق سا تھا، سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، داڑھی بھی بری طرح اُلجھی ہوئی تھی، سیڑھیاں اُتر کر اندر پہنچا۔ دونوں ہاتھ سیدھے کیئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اُس نے مہاویر کو سجدہ کیا۔

''اُٹھو گجرال! میں تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔''

''جے ہو مہاویر بھگوان کی۔''

''ہاں تمہیں کسی خاص کام سے بھیجا گیا تھا۔''

''جی مہاراج! لڑکی اور اُس کی ساتھی عورت ایک خیمے میں رہتے ہیں۔ آس پاس سے میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ یہ خیمہ تو کافی عرصے سے یہاں لگا ہوا ہے۔ دیکھنے والوں نے صحیح طور پر نہیں بتایا کہ ان دونوں عورتوں کے ساتھ کوئی مرد بھی یہاں ہے یا نہیں۔''

''ہوں...... گجرال! تم ایک سمجھدار آدمی ہو۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

''آگیاہ مہاراج۔''

''ان دونوں سے گھل مل جاؤ۔ جتنے چالاک تم ہو، تمہارے لئے مشکل نہیں ہو گا یہ۔ خیمے کے آس پاس ڈیرا ڈال دو اور کوئی ترکیب کرو۔ کیا سمجھے؟''

''ٹھیک ہے مہاراج۔''

''سارا کچا چٹھا لینا ہے ان کا۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ کوئی مرد ان سے ملتا ہے یا نہیں۔''

''جی مہاراج! آپ جیسا حکم دیں۔''

''بس تم سمجھدار آدمی ہو۔ جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے لو گے۔ اور سنو...... اس لڑکی پر ہاتھ ڈالنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ پورا پورا خیال رکھنا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج! آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گا۔''

''تمہیں پتہ ہے نا اس کے بارے میں کہ چکر کیا ہے؟''

''جی مہاراج! وہ نکل بھاگی تھی یہاں سے۔''

''ہاں، حرام زادی نے پچھلا دروازہ تلاش کر لیا تھا جو گھاٹ پر کھلتا ہے۔ ادھر سے نکل کر جمنا میں کود گئی تھی۔ بچ گئی۔ مگر حیرت ہمیں اس بات پر ہے کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہے۔ اُسے تو بھاگ جانا چاہئے تھا۔''

''میں ساری باتیں معلوم کر لوں گا مہاراج! آپ چنتا نہ کریں۔''

اس طرح دونوں طرف کھیل شروع ہو گیا تھا۔ ادھر نوجوان اور پُرجوش پولیس آفیسر، مہاویر کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کرنے کی فکر میں تھا اور لکشمن جیسا شاطر نوجوان اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ لیکن ادھر بھی مہاویر کی شخصیت تھی جو نو سو کیا، ہزار چوہے کھا چکا تھا۔ اس قسم کے بہت سے کھیل کھیلے تھے اُس نے۔ اُس کی اپنی ایک حیثیت تھی جو

کافی مستحکم تھی۔ چنانچہ وہ ڈرتا نہیں تھا کسی سے بھی۔

بہر حال رات گزر گئی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ اور دوسرے دن با قاعدگی کے ساتھ مالتی اور روپ کلا مندر گئی تھیں اور انہوں نے با قاعدہ پوجا پاٹ میں حصہ لیا تھا۔ راج ماتھر اور لکشمن بھی معمول کے مطابق اُن کی نگرانی کرتے رہے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پجاریوں کا پورا گروہ آج اس کام پر لگا ہوا تھا کہ وہ لڑکیوں کے ہمدردوں کا جائزہ لے اور پتہ چلائے کہ ان کے ساتھ کون کون موجود ہے۔ لیکن لکشمن اپنی جگہ چالاک آدمی تھا اور راج ماتھر تو تھا ہی ان کاموں کا ماہر۔ چنانچہ پجاری کچھ پتہ نہیں چلا پائے تھے۔

دونوں عورتیں پوجا پاٹ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سیدھے راستے سے اپنے خیمے پر پہنچی تھیں۔ لیکن ان کے خیمے سے تھوڑے ہی فاصلے پر انہوں نے ایک دُبلے پتلے مریل سے پجاری کو دیکھا جو زمین پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ جگہ ایسی تھی کہ انہیں اُس کے پاس سے گزرنا ہی پڑتا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچیں، کراہنے والے کی آواز اُبھری۔

''دیویو! میری بہنو، میری بیٹیو! بھگوان کے چرنوں میں آئی ہو۔ بھگوان کے نام پر میرے لئے ایک کام کر دو۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔'' ایسی دلدوز اور پُرسوز آواز تھی کہ مالتی اور روپ کلا رُک گئیں۔ انہوں نے زمین پر پڑے ہوئے اس شخص کو دیکھا جس کا چہرہ کسی اندرونی تکلیف سے زرد ہو رہا تھا۔ اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''تھوڑا سا پانی گرم کر کے مجھے دے دو۔ پلاسٹک کا کوئی برتن ہو۔ میرے گردے میں پتھری ہے اور ایسے درد ہوتا ہے کہ بھگوان کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ میں اس جگہ کی سکائی کروں گا۔ دیویو! بھگوان کی پوجا کر کے بھگوان کے ہاں بڑا درجہ ملتا ہے۔ مگر کسی انسان کی خدمت کر کے جو درجہ ملتا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ تمہیں بھگوان کا واسطہ میری مدد کرو۔ بھگوان تمہیں اس کا پورا پورا صلہ دے گا۔''

دونوں متاثر ہو گئی تھیں۔ اس شخص کے لہجے میں اتنی عاجزی تھی کہ انہوں نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا کہ اس کی مدد کرنی چاہئے۔ روپ کلا نے مالتی سے کہا۔

''بھابھی جی! اسٹوو جلا کر جلدی سے پانی گرم کر دیں۔ پانی پینے کی بوتلیں تو ہیں ہی ہمارے پاس۔ ان میں پانی بھر کر دے دیں۔ بابا جی کو آرام آ جائے گا۔''

''ہاں تم پانی بھرو۔ میں چولہا جلاتی ہوں۔ بابا جی! آپ ادھر ہی رہیں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔''

''بٹیا! بھگوان تمہارا بھلا کرے۔'' بوڑھا آدمی کھسک کر اس درخت کے نیچے پہنچ گیا جو چند گز کے فاصلے پر تھا اور خیمے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دونوں لڑکیاں انسانی ہمدردی سے سرشار ساری باتوں کو بھول کر کام میں مصروف ہو گئیں۔ پانی گرم کیا گیا اور پلاسٹک کی بوتل میں بھر کر بوڑھے کو پہنچایا گیا۔ دونوں سب کچھ بھول گئی تھیں۔ وہ بوڑھے کے پاس بیٹھ گئیں۔ بوڑھا انہیں دُعائیں دیتا رہا تھا۔

دونوں نے تھوڑی دیر وہاں گزاری اور اس کے بعد خیمے میں آ گئیں۔ سب کچھ بھول کر وہ اسی بیمار بوڑھے کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

''کوئی پجاری معلوم ہوتا ہے۔''

''یاتری بھی ہو سکتا ہے۔''

''عمر کافی ہے۔ ایسے لوگوں کو اکیلے نہیں آنا چاہئے۔ جبکہ وہ کہتا ہے کہ اس کے گردے میں پتھری بھی ہے۔''

''پتہ نہیں کس کے کیا حالات ہوتے ہیں۔''

''میرے دل میں تو اس کے لئے بڑی ہمدردی جاگ اُٹھی ہے۔ ہو سکتا ہے بیچارے کو کچھ کھانے پینے کی ضرورت بھی ہو۔''

''کھانے پینے کے لئے تو ہمارے پاس بہت کچھ پڑا ہوا ہے۔''

''تھوڑا سا پہنچا دیں اسے؟''

''کیا حرج ہے۔ اس میں تو کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہو گا۔''

دونوں کھانے پینے کا تھوڑا سا سامان لے کر بوڑھے کے پاس پہنچیں تو وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ پلاسٹک کی بوتل کو اُس نے اپنے بدن سے لگا رکھا تھا۔

''بھگوان تمہیں سنسار کا اتنا سکھ دے کہ تم سکھ سے اُکتا جاؤ۔ تم نے اس سمے میری جو مدد کی ہے میں اس کا شکریہ الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔''

''بابا جی! یہ کچھ کھانے پینے کے لئے ہے آپ کے لئے۔''

''بٹیا! اور کتنے احسانات کرو گی مجھ پر...... میں تمہیں بتاؤں کہ میں صبح سے بھوکا ہوں۔''

''بابا جی! آپ کون ہیں؟ کسی مندر کے پجاری ہیں؟''

''نہیں بٹیا! میری ایک لمبی کہانی ہے۔ کیا کرو گی سن کر؟ من دُکھی ہو جائے گا۔''

''آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

"بٹیا! یہ گرم پانی میرے درد کا علاج ہے۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیجئے، کچھ کھا لیجئے۔"

بوڑھے نے لرزتے ہاتھوں سے اُن کی لائی ہوئی چیزیں کھائیں۔ اور پھر وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر انہیں دُعائیں دینے لگا۔

"بابا جی! آپ اپنے بارے میں بتایئے ہمیں۔" مالتی کو دوسروں کی کہانیاں سننے سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ چنانچہ اُس نے کہا۔

بوڑھے نے گردن جھکا لی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"دھرم پتنی تھی میری، میں تھا۔ بارہ سال تک ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ہم لوگ دن رات اولاد کی دُعائیں مانگتے تھے۔ پھر بھگوان نے ہمیں ایک بیٹا دیا۔ ایک بیٹا، دوسرا بیٹا، تیسرا بیٹا۔ ہم لوگ خوشی سے نڈھال ہوگئے۔ ہم نے اپنی تمام تر کوششیں کر کے انہیں پالا پوسا۔ اس بات سے بڑے خوش تھے ہم کہ چلو بھگوان نے بیٹے ہی بیٹے دیئے ہیں۔ بیٹی ہوتی تو نجانے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہم اپنے بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ جو کچھ ہم سے بن پڑتا تھا ہم نے ان کے لئے کیا۔ شادیاں ہوئیں اُن کی۔ ایک، دو، تین، تین بہوئیں آ گئیں گھر میں۔ لیکن پھر گھر ہمارے لئے چھوٹا پڑ گیا۔ ہمیں گھر کے باہر صحن میں درخت کے نیچے ڈال دیا گیا۔ ایک دن میری دھرم پتنی کو لو لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سرپٹ ہوگئی۔ میں رہ گیا تھا۔ تینوں بیٹے اور بہوئیں بری طرح پریشان تھے۔ مجھ سے کہتے تھے کہ ہم اپنی زندگی گزاریں یا تمہاری خدمت کریں۔ بٹیا! گھر چھوڑ دیا میں نے۔ پھر یہ گردے کی تکلیف ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ جب سنسار میں میرا کچھ ہے ہی نہیں تو چلو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں جیون گزارو۔ یاترا کرتا ہوا یہاں تک آ گیا۔ بس انتظار ہے کہ بھگوان کسی دن اپنے پاس بلا لے گا۔"

دونوں لڑکیاں اُس کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوئی تھیں۔ بوڑھے نے کہا۔ "بٹیا! تم اپنے بارے میں تو کچھ بتاؤ۔ کہاں سے آئی ہو؟ اکیلی ہو یا کچھ مرد بھی ہیں تمہارے ساتھ؟"

"نہیں بابا جی! میری یہ نند ہے۔ میں اس کی بھاوج ہوں۔ دِلّی سے آئے ہیں ہم لوگ۔ یہاں میں اپنی نند کا علاج کرانے آئی تھی۔ میرے پتی ہمیں یہاں چھوڑ گئے تھے۔ یہ بے چاری کبھی کبھی دماغی دورے میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ پچھلے دنوں دورے کے عالم میں جمنا میں کود گئی تھی۔ وہ تو بھگوان نے بچا لیا، کنارے جا لگی۔ ورنہ میں تو اپنے پتی کو کوئی

جواب بھی نہ دے پاتی۔"

"تم نے اپنے پتی کو خبر کی بٹیا! کہ یہ جمنا میں کود پڑی تھی؟"

"نہیں۔ یہ میں نے جرم کیا۔ اگر میں انہیں بتا دیتی تو وہ ناراض ہوتے۔ کیونکہ اس کی ذمہ داری مجھے ہی سونپ گئے ہیں۔"

"تو اس کا علاج ہو رہا ہے؟"

"ہاں، بس اتنا کہ دیوتاؤں کے چرنوں میں جا کر پوجا پاٹ کر لیتی ہے۔"

"بچاری مہاویر جی سے نہیں ملی یہ؟"

"پتہ نہیں کیوں، اس کے من میں اُس کا ڈر بیٹھا ہوا ہے۔"

"ارے نہیں۔ وہ تو بڑے دھرماتما ہیں۔ تم کہو تو میں اُن سے اس کے بارے میں بات کروں؟"

"اب یہ تو یہی جانے۔"

"تم اسے سمجھاؤ بٹیا! مہاویر جی تو اس کا کلیان کر دیں گے۔ سارے دُکھ دُور ہو جائیں گے اس کے۔ بڑے مہان ہیں وہ۔ میں ضرور ان سے بات کروں گا۔ اور وہ اسے اپنے پاس بلا لیں گے۔"

"جی مہاراج......!" جواب ملا۔ اور اس کے بعد دونوں عورتیں اپنے خیمے میں واپس آ گئی تھیں۔

روپ کلا خوف سے لرز کر بولی۔ "تو کیا پھر مجھے مہاویر کے سامنے جانا ہوگا؟"

"ایک بات کہوں روپ کلا! مجھے تو یہ سوامی مہاراج بھی کوئی چکر باز ہی لگتے ہیں۔ پہلے تو میں ان کی باتوں کو سچ سمجھی تھی۔ لیکن جس طرح انہوں نے کرید کرید کر ہمارے بارے میں پوچھنا شروع کیا، اس سے مجھے کچھ شبہ ہو چلا ہے۔"

"آخر ہیں نا آپ بھی پولیس آفیسر کی بیوی۔" روپ کلا نے مسکرا کر کہا۔

"جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اور جس مقصد کے لئے ہمیں یہاں بلایا گیا ہے، ہوشیار تو ہمیں رہنا ہی ہے نا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" روپ کلا نے کہا۔

لیکن ہوشیار سب ہی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں طرف سے برابر کی چالیں چلی جا رہی تھیں۔ لکشمن اور راج ماتھر بھلا ان دونوں کو اکیلا کہاں چھوڑ سکتے تھے؟ ہر طرف

نگاہیں رکھے ہوئے تھے۔ اتنا فاصلہ اختیار کر رکھا تھا ان سے کہ ابھی تک مہاویر کے آدمیوں کو شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ لڑکیوں کی کوئی نگرانی کر رہا ہے۔ لیکن جب وہ دونوں اس بوڑھے یاتری کے پاس رُکیں تو لکشمن اور ماتھر دونوں محتاط ہو گئے۔ پھر بعد کی ساری کارروائیاں انہوں نے دیکھیں۔ دونوں اپنے اپنے طور پر ہوشیار ہو گئے تھے۔ لکشمن نے ماتھر سے کہا۔

''جی ماتھر بھیا! کیا کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں آپ؟''

''ابھی کچھ نہیں۔ ایک کام کرو، تم اس پر نگاہ رکھو۔ اگر یہ یہاں سے کہیں اُٹھ کر جائے تو تمہیں اس کا پیچھا کرنا ہے۔ میں ذرا تھوڑی دیر خیمے میں آرام کر لوں۔''

''جی جی...... آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ میں ہوں نا۔'' لکشمن نے جواب دیا۔ اور اس کے بعد وہ ایک ایسی جگہ جا بیٹھا جہاں سے وہ بوڑھے پجاری پر نظر رکھ سکے۔ ادھر ماتھر اپنے خیمے میں آرام کرتا رہا۔ کافی وقت گزر گیا تو وہ خاموشی سے خیمے سے باہر نکلا اور لکشمن کے پاس پہنچ گیا۔

''ہاں لکشمن! کیا پوزیشن ہے؟''

''پڑا ہوا ہے ابھی تو درخت کے نیچے۔''

''میں ذرا ان لوگوں کے خیمے میں جا رہا ہوں۔''

''سامنے سے نہ جائیں راج بھیا!'' لکشمن نے کہا اور راج ماتھر مسکرا دیا۔ پھر بولا۔

''نہیں، سامنے سے نہیں۔ دوسری طرف خیمے کے نیچے سے جاؤں گا۔''

اور پھر وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد آہستہ آہستہ زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اور پھر خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر گھس گیا۔ حالانکہ رات کافی ہو گئی تھی۔ لیکن مالتی اور روپ کلا جاگ رہی تھیں اور باتیں کر رہی تھیں۔ خیمے میں انہوں نے مدھم روشنی جلا کر رکھ دی تھی۔ کسی کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھ کر دونوں چونک پڑیں۔

ماتھر نے جلدی سے کہا۔ ''چیخنا نہیں، میں ہوں ماتھر۔''

''آپ؟ خیر تو ہے؟'' مالتی نے کہا۔

''بالکل خیر ہے۔ میں لیٹا ہی رہوں گا۔ کیونکہ باہر سے پرچھائیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیٹے ہی لیٹے تم سے باتیں کروں گا اور پھر باہر نکل جاؤں گا۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا؟'' مالتی نے پوچھا۔

''ہاں۔ اس بوڑھے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کی تم نے خاطر مدارت کی ہے۔''

''آپ یقین کریں ابتدا میں تو ہم نے صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر سب کچھ کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کے گردے میں پتھری ہے اور شدید درد کا شکار ہے وہ۔ لیکن اب ہمیں اس پر شبہ ہو چکا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کر رہا تھا۔''

''باتیں بتاؤ۔'' ماتھر نے سوال کیا اور روپ کلا اور مالتی اُسے تفصیل بتانے لگیں۔ ماتھر ان سے بہت سے سوالات کرتا رہا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک وہ وہاں رہا، پھر اُس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ ہمیں تو تلاش ہی تھی ایسے کسی شخص کی جو تمہارے بارے میں کھوج کرے۔ پرواہ نہ کرو اور آرام سے سو جاؤ۔ ہم جاگ رہے ہیں۔'' ماتھر نے کہا اور باہر نکل آیا۔ باہر آ کر اُس نے ایک بار پھر اس درخت کے نیچے دیکھا جہاں بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ لیکن بوڑھا غائب تھا۔ ماتھر چونک پڑا۔ وہ تیزی سے اس جگہ پہنچا جہاں لکشمن موجود تھا۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ لکشمن بھی وہاں موجود نہیں ہے۔ ماتھر نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور اپنے خیمے میں داخل ہو گیا۔ بہر حال اُسے لکشمن پر بھی پورا پورا بھروسہ تھا۔ لکشمن بھی معمولی شخصیت کا مالک نہیں تھا۔ یقینی طور پر وہ اس بوڑھے کے تعاقب میں گیا ہوگا۔ لیکن بہر حال سونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد لکشمن خیمے میں واپس آیا تو ماتھر جاگ رہا تھا۔

''ہاں......؟''

''بالکل ٹھیک اندازہ نکلا ہمارا۔ وہ مہاویر کا پجاری ہے۔ مندر میں داخل ہوا اور پھر ایسی جگہ غائب ہو گیا کہ اس کا پتہ ہی نہیں چل سکتا۔ لگتا ہے کہ مندر کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔''

''خیر وہ جگہ تو ہمارے ذہن میں ہے۔ روپ کلا نے مجھے بتائی تھی۔ جمنا کے سامنے مندر کے پچھلے حصے میں دروازہ کھلتا ہے۔ وہاں سے ہم اندر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ میں انتظام کر کے آیا ہوں اس کا۔ میری گٹھڑی میں بہت کچھ ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ روپ کلا کی کھوج شروع ہو گئی؟''

''ہاں۔ ہمیں اب زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' راج ماتھر نے جواب دیا۔

✿......✿

مہاویر نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''لڑکی ہمیں بہت پسند ہے اور پھر یہ ہماری شان کے خلاف ہے کہ کوئی ہمارے چنگل میں آ کر نکل جائے۔ وہ پہلی لڑکی ہے جس نے یہ ہمت کی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جمنا میں گر کر وہ بچ کیسے گئی؟ اور پھر ابھی تک یہیں پر کیوں مقیم ہے؟ یہ بات وہی بتا سکے گی۔ ٹھیک ہے گجرال، تم آرام کرو۔ تمہارا کام ختم ہو گیا۔ باقی کام ہم خود دیکھیں گے۔''

دوسرے دن اُس نے اپنے مخصوص ساتھیوں کو بلایا اور بھاری لہجے میں بولا۔

''کل تم ایسا کرو کہ پوجا کے سمے پرشاد بانٹو۔ دوسرے لوگوں کو بھی دو۔ مگر ان دونوں عورتوں کو جو مٹھائی دو اس میں بے ہوشی کی دوا ہونی چاہیئے۔ دونوں کو پرشاد وہیں کھلا دینا۔''

''جی مہاراج!''

اور اس کے بعد تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دونوں شاطر اپنی اپنی چالیں چل رہے تھے۔ ابھی تک راج ماتھر نے مہاویر کے کسی گرگے کو یہ شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ کوئی اور بھی لڑکیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور ادھر مہاویر اپنے طور پر تمام تیاریاں کر چکا تھا۔ عیاش فطرت آدمی تھا۔ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بڑی ساکھ تھی اُس کی یہاں پر۔ ہر طرف سے مطمئن تھا۔ چنانچہ اُس نے سوچا کہ روپ کلا کے سلسلے میں دیر کیوں کی جائے۔ دوسرے ہی دن کے لئے اس نے کام دکھا دیا تھا۔ ادھر راج ماتھر کو بھی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب روپ کلا ایک دم خطرے میں پڑ گئی ہے۔ غرض یہ کہ سمے گزرتا رہا اور دوسرے دن جب وہ دونوں شام کی پوجا میں پہنچیں تو راج ماتھر اور لکشمن بھی موجود تھے۔

راج ماتھر پوری پوری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ پوجا کے فوراً بعد وہاں موجود لوگوں میں پرشاد بانٹی گئی۔ اور پرشاد فوراً ہی کھانے کا حکم بھی دیا گیا۔ پجاریوں نے اس سلسلے میں یاتریوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

''آج کی پرشاد بھوانی دیوی کے چرنوں کی خاص بھینٹ ہے۔ آپ لوگ اسے کھا کر

اپنے اپنے گھر کو فوراً چلے جائیے۔''

لکشمن اور ماتھر پاس ہی بیٹھے تھے۔ ماتھر نے کہا۔ ''لکشمن!''

''جی بھیا؟''

''ایسی ہدایت تو کبھی نہیں کی جاتی۔''

''جی بھیا جی۔''

''فوراً آگے بڑھ جاؤ۔''

''کہاں؟''

''ابھی پرشاد ان دونوں تک نہیں پہنچی ہے۔ ان سے کہنا کہ پرشاد کھانے کی اداکاری کریں۔ کھائیں نہیں۔ اور اس کے بعد اس سمے تک وہاں بیٹھی رہیں جب تک کہ وہاں سے ایک ایک آدمی نہ چلا جائے۔ وہ اونگھتی رہیں۔ جلدی جاؤ، دیر مت کرنا۔''

لکشمن عقیدت سے گردن جھکائے ایک طرف آگے بڑھا اور مالتی کے پیچھے جا بیٹھا۔ اور پھر اُس نے بڑی احتیاط سے مالتی کو راج ماتھر کا پیغام دیا اور مالتی کا بدن آہستہ آہستہ کانپنے لگا۔ پرشاد ابھی دوسری صفوں میں تھی۔ مالتی نے لرزتی آواز میں روپ کلا کو ساری حقیقت سمجھائی تو روپ کلا بھی ہوشیار ہو گئی۔ بہرحال ان لوگوں کو بھی پرشاد دی گئی اور پھر مالتی اور روپ کلا کو بھی۔ وہاں موجود ہر شخص نے بڑے پجاری جی کے حکم کی تعمیل کی تھی اور پرشاد کھا لی تھی۔ مالتی اور روپ کلا نے بھی نہایت احتیاط کے ساتھ وہ مٹھائی اس طرح منہ کے قریب کی جیسے اسے کھا رہی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے مندر میں بچھی ہوئی دریوں کے نیچے وہ پرشاد چھپا دی۔ وہ اب ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے تھے۔ خود راج ماتھر اور لکشمن بھی اُٹھ گئے تھے اور اس طرح باہر نکلے تھے جیسے دوسرے یاتریوں کے ساتھ وہ بھی جا رہے ہوں۔ لیکن وہ دونوں ستونوں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔ روپ کلا اور مالتی وہیں بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔ دونوں کے دل خوف سے لرز رہے تھے۔ لیکن چونکہ راج ماتھر نے خصوصی طور پر یہ ہدایت انہیں بھجوائی تھی اس لئے دونوں اس کی ہدایت پر بھرپور طریقے سے عمل کر رہی تھیں۔ مندر کے دوسرے حصے میں پجاریوں کا ہجوم تھا۔ دفعتہً ہی چند پجاری ان دونوں کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا اور بولے۔

''آؤ دیویو، آؤ...... بھگوان کے چرنوں میں تمہاری بہت بڑی جگہ ہے۔ آ جاؤ۔'' وہ ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ راج ماتھر اور لکشمن ہوشیار تھے۔ راج ماتھر کی

آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ لکشمن بھی پوری طرح مستعد تھا۔ چنانچہ جیسے ہی پجاری ان دونوں کو لے کر ایک در سے اندر داخل ہوئے، راج ماتھر اور لکشمن تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ کسی پجاری نے ان پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن در میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ نہ مالتی، نہ روپ کلا اور نہ ہی وہ لوگ جو انہیں لے کر اس در میں داخل ہوئے تھے، کوئی بھی نظر نہ آیا۔ راج ماتھر غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ ساری دیواریں ٹٹولتا رہا تھا۔ کہیں کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

''اوہ...... وہ کسی خفیہ جگہ سے تہہ خانے میں اُتر گئے۔ کچا چبا جاؤں گا کتوں کو...... چھوڑوں گا نہیں۔'' راج ماتھر نے کہا اور پھر بولا۔

''آؤ لکشمن! ہم اس عقبی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں ایسی ہی جگہ لے جایا گیا ہوگا جو تہہ خانہ وغیرہ ہوگی۔''

لکشمن نے بھی راج ماتھر کی بات سے اتفاق کیا تھا۔ وہ برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے مندر سے باہر نکل آئے اور پھر لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس عقبی دروازے پر پہنچ گئے۔ راج ماتھر کے پاس واقعی سارا بندوبست تھا۔ اُس نے عقبی دروازے کے سوراخ کے تالے میں ایک چھوٹا سا فیتہ رکھا اور لائٹر سے اُسے آگ لگا دی۔ ہلکی سی تڑاخ کی آواز سنائی دی اور دروازے کا لاک ٹوٹ گیا۔ دونوں برق رفتاری سے اندر داخل ہوئے۔ ایک لمبی راہداری تھی جو دُور تک چلی گئی تھی اور اس کے بعد نیچے سیڑھیاں اُترتی تھیں۔ کوئی بیس سیڑھیاں اُترنے کے بعد وہ ایک بڑے سے خوشنما ہال میں داخل ہو گئے جہاں رنگین پردے لٹکے ہوئے تھے۔ ماحول بہت ہی خوبصورت تھا۔ انہوں نے سامنے دیکھا، مالتی اور روپ کلا سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اور تھوڑے فاصلے پر وہ لمبا تڑنگا پجاری جس کا نام مہاویر تھا، کھڑا تھا۔ دونوں عورتیں خوف سے کانپ رہی تھیں۔ مہاویر ان سے کہہ رہا تھا۔

''دیویو! تم نے پرشاد نہیں کھائی۔ اگر نہیں کھائی تو تم پر یہ غنودگی کیسے طاری ہو گئی تھی؟''

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو مہاویر نے کہا۔

''اور تم...... کیا نام بتایا تھا تم نے مجھے اپنا؟ کوئی نام تو بتایا تھا۔ مجھے نام یاد نہیں رہتے۔ چلو خیر ناموں سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو تمہیں کلیان دینا چاہا تھا دیوی! شریر کی حیثیت کیا ہے کلیان کے سامنے؟ یہ بے حقیقت شے بلاوجہ اتنی قیمتی قرار دے دی گئی ہے۔ جیون کے کچھ ہی تو کھیل ہوتے ہیں۔ اور منش اگر انسان کا بچہ ہے تو یہ کھیل اسے کھیلنے ہی ہوتے

ہیں۔ تم کنواری کنیا ہو۔ دیکھو تو سہی سنسار کیا چیز ہے۔ آخر کہیں نہ کہیں تو تمہارا استھان ہو گا۔ اگر یہ استھان میرے چرنوں میں ہو تو تم جانتی ہو تمہارا کتنا بڑا مقام ہو جائے گا۔ اور دیوی تم...... تم مجھے شادی شدہ معلوم ہوتی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟ تم بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گی مجھے؟ چلو چھوڑو، آج ایسا سماں باندھتے ہیں کہ تم جیون بھر یاد رکھو گی۔ ہماری سہائتا کرو۔ مدد کرو۔ دیکھو یہ لڑکی ہمیں بڑی پسند ہے۔ کچھ دن پہلے ہم نے اسے اپنے چرنوں میں جگہ دینا چاہی تھی۔ پر یہ باولی نجانے کیا سوچ بیٹھی۔ ارے ترستے ہیں، تڑپتے ہیں انسان ہمارے اس قدر قریب آنے کے لئے۔ ہمیں بھگوان کا وردان حاصل ہے۔ اور یہ بے وقوف ہم سے بھاگتی ہے۔ چلو دیوی! آؤ...... زیادہ دیر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ اُٹھو......''

یہ کہہ کر مہاویر خود بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور آہستہ آہستہ ان کی جانب بڑھنے لگا۔ راج ماتھر اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ دفعتاً ہی اُس کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔

''کتے کے بچے...... پاپی! بھگوان کے گھر میں بیٹھ کر تو اس طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔ تیرا ستیاناس بے غیرت، ذلیل! آج تیری ان حرکتوں کا آخری دن ہے۔''

مہاویر کو جیسے بجلی کا جھٹکا لگا تھا۔ اُس نے پلٹ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر نرم لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہے سجنو! یہاں کیسے آ گئے تم ہماری اجازت کے بغیر؟ بھگوان کا مندر تو بھگوان کا مندر ہے۔ وہاں آنے جانے کی اجازت تو سب کو ہے۔ پر یہ جگہ، یہ تو صرف ہمارا چھوٹا سا استھان ہے۔ جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جیون میں منش کی کیا کیا من وکامنائیں ہوتی ہیں۔ تم ہماری تپسیا بھنگ کرنے کیوں آ گئے؟''

''تپسیا بھنگ کرنے آ گئے۔ بتاتا ہوں میں تجھے۔ لکشمن! کوئی رسا تلاش کرو۔ میں اس کتے کو دنیا کے سامنے سے جاؤں گا۔ بتاؤں گا سب کو کہ یہ کیا ہے۔ سب کو بتاؤں گا۔''

رسا مل گیا تھا۔ مہاویر نے پھر کہا۔

''نادانی نہ کرو لڑکو! کیوں اپنے جیون کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ ہمارا کیا بگاڑ سکو گے تم؟ بھگوان کا ہاتھ ہے ہمارے سر پر۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟ ہم تو یہاں ان لڑکیوں کا علاج کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بے چاری بڑی بیمار ہے۔ تم یہاں کہاں سے آ گھسے؟''

راج ماتھر نے اس کی گردن میں رسا باندھ دیا۔ حالانکہ مہاویر خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا لیکن اُس نے کوئی جدوجہد نہیں کی۔ بلکہ ہنس ہنس کر کہتا تھا۔

''ارے پاگلو! تم نہیں جانتے بھگوان کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں تم کیوں ہمارے دشمن بن گئے ہو۔ ان لڑکیوں سے تو پوچھو ان کے من کی بات۔ ہمارے پاس خود اُٹھ کر آئی تھیں۔ کہہ رہی تھیں ہمارا کلیان کر دو مہاراج! تم کچھ غلط سمجھے ہو۔''

''میں ابھی تجھے صحیح سمجھاؤں گا کتے! چلو راستہ تلاش کرو۔'' راج ماتھر نے لکشمن کا نام لئے بغیر کہا۔ راستہ سامنے ہی تھا۔ سیڑھیاں اُوپر جا رہی تھیں۔ راج ماتھر، مہاویر کی گردن میں پڑا ہوا رسا کھینچنے لگا۔ روپ کلا اور مالتی سے کہا۔

''تم دونوں پیچھے پیچھے آؤ۔ آؤ، ہم سنسار کو بتائیں گے کہ دیکھو اس شخص نے اتنا بڑا نام کما کر مندروں میں کیا کیا گندگی پھیلائی ہے۔ ایسے پجاریوں کو تو پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا چاہئے۔''

راج ماتھر مہاویر کو گھسیٹتا رہا۔ پتہ نہیں مہاویر نے کیوں مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا اور پھر کئی گھماؤ پھراؤ والے راستوں سے گزرنے کے بعد وہ لوگ اس در میں نکل آئے جو پوجا کے ہال میں کھلتا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر بہت سارے پجاری اور یاتری موجود تھے اور عبادت کر رہے تھے۔ راج ماتھر کی دہاڑ اُبھری۔

''دیکھو عبادت گزارو...... دیکھو پوجا کرنے والو اپنے مہان پجاری کو۔ کرتوت دیکھو اس کے۔ تم لوگوں کو یہ دیوی دیوتاؤں کا درس دیتا ہے اور خود شیطان بنا ہوا ہے۔ اس نے اپنے نیچے حجرے میں عیش گاہ بنا رکھی ہے جہاں شراب بھی موجود ہے اور شباب بھی۔ اس نے جو حال بنا رکھا ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ یہ انگا سیار ہے۔ شیطان کا چیلہ ہے یہ۔ اسے دیکھو، یہ میری بہن ہے اور یہ میری دھرم پتنی۔ یہ ان دونوں کو دھوکا دے کر نیچے لے گیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے ان دونوں کو نیچے پہنچایا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار یہ ایسی حرکت کر چکا ہے۔ میری بہن بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں سے بھاگی تھی۔ پتھر مار مار کر ہلاک کر دو اسے۔ جان سے مار دو اس پاپی کو۔ ایسے گنہگار کو مندروں میں نہیں رہنا چاہئے۔''

لوگ سکتے کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔ پھر کسی طرف سے ایک آواز اُبھری۔

''مہان پجاری پر یہ الزام بڑا شرمناک ہے۔ جوان! کیا تم ثابت کر سکو گے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو ٹھیک کہہ رہے ہو؟''

آواز یقینی طور پر مہاویر کے ہی کسی آدمی کی تھی۔ لیکن پھر بہت سی آوازیں اس میں شامل ہو گئیں اور لوگ یہ سوال کرنے لگے۔ ڈبل ڈبل آوازیں تھیں۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر

ایسا ہے تو یہ مہاویر جی کی بہت بری حرکت ہے۔ اور کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ الزام جھوٹا ہے۔ اتنے مہان پجاری کی یہ حرکتیں نہیں ہو سکتیں۔ مہاویر گردن جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ پھر کچھ لوگوں نے باقاعدہ اُس کے سامنے آ کر اس سے سوال کیا۔

''مہاویر چھتری جی! آپ بولتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے جو آپ کا اپمان کیا ہے، یہ سب کیا ہے۔ یہ عورتیں خود کیا کہتی ہیں؟''

مہاویر نے گردن اٹھائی اور گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''سجنو! میرے پیارو! کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ سنسار میں ایسا تو سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک وہ تھا جسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ایک وہی نہیں، سنسار میں انسانوں نے انسانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں سجنو! یہ سچ نہیں ہے۔ میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ سو دوست، دشمن۔ ارے ہم تو خاموشی سے بھگوان کی پوجا کراتے ہیں۔ یہ الزام کسی نے ہم پر لگوایا ہے۔ ہم تو اس کے لئے بھی بھگوان سے یہ دُعا کریں گے کہ جیتا رہے، شانت رہے۔ کوئی تکلیف پہنچی ہے اُسے ہمارے ہاتھوں سے تو بھگوان ہمیں بھی شما کرے اور اسے بھی شما کرے۔''

''بکواس کرتا ہے یہ۔ جھوٹ بولتا ہے کمینہ۔ پوچھو اس لڑکی سے کیا ہوا تھا؟ نیچے اس نے باقاعدہ رنگ رلیاں منانے کے لئے اپنی عیش گاہ بنا رکھی ہے۔''

''کیوں مہاراج، کیا یہ سچ ہے؟''

''بھائی سچ کتنے پاؤں پیچھے ہوتا ہے۔ آ جاؤ ذرا دیکھ لو میری یہ عیش گاہ۔'' مہاویر نے کہا۔ چھ آدمی اس کے لئے تیار ہوئے کہ وہ مہاویر کی عیش گاہ دیکھیں۔ راج ماتھر اور لکشمن بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ مالتی اور روپ کلا کو راج ماتھر نے اپنے خیمے میں جانے کے لئے کہا تھا۔ لوگوں نے انہیں راستہ دے دیا تھا۔ بہرحال ڈبل ڈبل آوازیں تھیں۔ وہ چھ آدمی راج ماتھر، لکشمن اور مہا پجاری کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر نیچے تہہ خانے میں پہنچے۔ کچھ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ جب یہ لوگ نیچے پہنچے تو راج ماتھر اور لکشمن کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ تہہ خانہ جسے تھوڑی دیر پہلے وہ پوری طرح سجا ہوا دیکھ کر گئے تھے اس وقت اُجاڑ پڑا ہوا تھا...... کوئی سامان اس میں موجود نہیں تھا۔ دیواریں ننگی، فرش ننگا۔ صرف بیچ و بیچ ایک مرگ چھالہ بچھی ہوئی تھی اور سامنے ہی بھوانی کی مورتی۔ وہ لوگ چاروں طرف دیکھنے لگے۔ راج ماتھر اور لکشمن بھی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ راج

ماتھر نے کہا۔

''تم لوگ ایک منٹ یہاں ٹھہرو۔ میں ان لوگوں کو بلا کر لاتا ہوں جو یہاں کے چشم دید گواہ تھے۔ ایک منٹ بس۔ ابھی دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔''

راج ماتھر نے لکشمن کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں طے کر کے غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اوپر پہنچا۔ جب وہ اس راہداری میں پہنچا جہاں سے گزرنے کے بعد باہر جانے کا راستہ آتا تھا تو اچانک ہی اُس نے راستہ تبدیل کر دیا اور لکشمن سے بولا۔

''لکشمن! بھاگو۔ صورتحال ایک دم ہمارے خلاف ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر میں یہ لوگ ہماری تکا بوٹی کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے جو ابھی تک اس اُلجھن کا شکار ہیں۔''

باہر بھی بہت بڑا مجمع موجود تھا۔ انہیں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار ملی جسے کود کر وہ مندر سے باہر نکلے اور اس کے بعد دونوں نے تیز رفتاری سے دوڑ لگا دی۔

ادھر روپ کلا اور مالتی اپنے خیمے میں پہنچ گئی تھیں۔ راج ماتھر اور لکشمن ان کے خیمے پر پہنچے اور پھر انہوں نے کہا۔ ''جلدی کرو...... جلدی کرو۔ نکل آؤ یہاں سے۔ ابھی یہاں بہت بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے۔''

اس وقت کوئی ان کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ بہت زبردست قسم کا مجمع جے مندر کی جانب چل پڑا تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ لوگ چہ میگوئیاں کرتے پھر رہے تھے۔ یہ چاروں برق رفتاری سے یہاں سے بھاگے اور تیزی سے چلتے ہوئے کافی دور نکل آئے۔ پھر انہیں ایک تانگہ مل گیا جس میں بیٹھ کر یہ شہری آبادی کی جانب چل پڑے تھے۔ تانگے سے ایک ایسی جگہ اُترے جو سنسان سی سڑک تھی۔ یہاں سے پیدل چلتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور اس کے بعد اچانک ہی راج ماتھر نے کہا۔

''ارے یہ بتاؤ ہم کہاں جائیں؟ کوئی ایسی جگہ موجود ہے لکشمن جہاں چھپا جا سکے؟''

''ہے تو سہی ایسی جگہ۔ لیکن جھوٹ بولنا پڑے گا ہمیں وہاں۔''

''جو کچھ بھی کرنا پڑے ہمیں فوری طور پر سر چھپانے کے لئے ٹھکانہ چاہئے۔'' راج ماتھر نے کہا اور لکشمن نے گرو گردھاری لعل کے بارے میں اُسے بتا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک اور تانگے میں بیٹھ کر گرو گردھاری لعل کی جانب چل پڑے۔ گرو جی اس وقت آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ لکشمن نے دروازہ بجایا تو تھوڑی دیر بعد انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ لکشمن نے نرم لہجے میں کہا۔

''معافی چاہتا ہوں گرو مہاراج! میرے کچھ مہمان مل گئے تھے۔ رام پور کے رہنے والے ہیں۔ یہاں پوجا پاٹ کے لئے آئے تھے۔ بے چارے خیمے لگائے ہوئے پڑے تھے۔ میں نے کہا اگر دو چار دن کی بات ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں میرے گرو جی رہتے ہیں۔ بڑے مہمان نواز ہیں۔ ان کے پاس جا کر رہیں۔ گرو جی، آپ کی آگیا کے بغیر انہیں لے آیا ہوں۔ کوئی حرج تو نہیں ہے؟''

''نہیں بیٹا! مہمان تو بھگوان کی دین ہوتا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی بھائی آپ لوگوں سے مل کر۔ آؤ بیٹا، اندر آ جاؤ۔''

''گرو جی، ہم کل ہی یہاں سے جانے والے ہیں۔ بس یہ بیچارے محبت کے مارے ہمیں آپ کے پاس لے آئے۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ بس رات گزارنے کے لئے ہم یہاں آ گئے ہیں۔''

''ارے بیٹا! کیسی باتیں کرتے ہو۔ گھر ہے تمہارا۔ بھگوان نے جو کچھ بھی دال دلیہ دیا ہے تمہارے لئے حاضر ہے۔''

گردھاری لعل بے چارہ صورتحال سے بالکل ناواقف تھا۔ بڑی عزت و احترام سے اُس نے عورتوں کے لئے اندر بندوبست کیا اور مردوں کے لئے باہر انتظام کر دیا۔ کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ تقریباً کھا پی چکے تھے یہ لوگ۔ تھوڑی دیر تک تو گرو گردھاری لعل سے باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد گردھاری لعل جی سونے چلے گئے۔ روپ کلا اور مالتی کو انہوں نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ دونوں انتہائی خوفزدہ تھیں۔ راج ماتھر نے مالتی سے کہا۔

''مالتی! صبح کو میں تمہارے لئے دو برقعے لے آؤں گا۔ مسلمان عورتوں کی طرح تم ریل میں بیٹھ کر دِلّی چلی جاؤ اور آرام سے اپنے گھر پہنچو۔ ہم وہاں کچھ وقت کے بعد آئیں گے۔ تمہیں یہ کام کرنا ہے احتیاط کے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے۔'' دونوں نے کہا اور اس کے بعد وہ اندر چلی گئیں۔ راج ماتھر، لکشمن کے پاس بیٹھ کر پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تو لکشمن نے کہا۔

''تدبیر اُلٹی ہو گئی ماتھر جی۔''

''ہاں، عارضی طور پر اُلٹی ہو گئی ہے۔ لیکن لکشمن! اطمینان رکھو، آخری کارڈ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس پاپی کو جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے جو جال پھیلا رکھے ہیں میں اسے دکھاؤں گا کہ جال کیا چیز ہوتی ہے۔ میرا نام راج ماتھر ہے۔ میں نے ایسے بہت سے

جرائم پیشہ لوگ دیکھے ہیں جو جرم کر کے یہ سوچتے ہیں کہ سنسار میں کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں تو دشمن ہی ایسے لوگوں کا ہوں۔ ٹھیک ہے، ایک چال اُلٹی ہو گئی ہے ہماری۔ لیکن تم چنتا نہ کرو لکشمن! تم دیکھو تو سہی میں کیا کر کے دکھاتا ہوں۔''

''ترکیب آپ نے اچھی سوچی ہے راج بھیا! ان دونوں کو برقعے اوڑھا کر دِتی کے لئے بٹھا دو۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔''

''ہاں۔ اور میں بھی گردھاری لعل جی کے ہاں نہیں رہوں گا۔ کل دن کی روشنی میں ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔ ویسے ہمارا الگ الگ رہنا ضروری ہے۔''

''آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ یہاں ہوٹل بھی ہیں۔ ہم ایک ہی ہوٹل میں دو برابر کے کمرے لے لیں گے۔ وہاں پر رہیں گے اور دیکھیں گے کہ صورتحال کیا ہوتی ہے۔ اور پھر فیصلہ کر لیں گے۔''

بہرحال گردھاری لعل جی تو بہت ہی شریف اور نیک فطرت انسان تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کے لئے بڑا اچھا بندوبست کیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ابھی یہ دو چار دن کے مہمان رہیں۔ لیکن یہاں ان لوگوں کا مسئلہ بالکل مختلف تھا۔ وہ ابھی بہت سے کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ دوسرے دن تیاریاں کرنے کے بعد راج ماتھر بازار میں نکل گیا۔ پورے متھرا میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور بہت سی عجیب وغریب باتیں کی جا رہی تھیں۔ دو برقعے خریدے گئے اور اس کے بعد گرو گردھاری لعل سے اجازت لے کر راج ماتھر دونوں عورتوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ لکشمن بھی ساتھ تھا لیکن تھوڑا فاصلہ دے کر۔ تاکہ صورتحال پر نگاہ رکھی جا سکے۔ یہ کام خوش اسلوبی سے ہو گیا۔ یعنی یہ کہ ان دونوں عورتوں کو مسلمان عورتیں بنا کر، برقعے وغیرہ پہنا کر ریل میں بٹھا دیا گیا اور ریل جب روانہ ہو گئی تو راج ماتھر نے لکشمن سے کہا۔

''اب دیکھنا صورتحال کیا ہوتی ہے۔ ویسے شہر کی حالت کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ بڑی بڑی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔''

''کیسی افواہیں؟''

''ان دونوں آدمیوں کو مسلمان کہا جا رہا ہے جنہوں نے مندر میں گھس کر بڑے پجاری کی بے عزتی کی تھی۔''

''مسلمان...... وہ کیوں؟'' لکشمن نے حیرت سے پوچھا۔

''ہندوؤں کا دیس ہے نا۔ ہر آئی گئی مسلمانوں پر ڈال دی جاتی ہے۔ کوئی بھی غلط کام ہوا فوراً ہی طے کر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ہو گا۔ بال ٹھاکرے جیسے انتہا پسند وحشی موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مجھے تو خطرہ ہے کہ کہیں متھرا میں ہندو مسلم فساد نہ شروع ہو جائے۔''

''یہ تو غلط ہے۔''

''ہاں، مہاویر چھتری جیسے کمینے لوگ ایسی باتوں کو ذریعہ بناتے ہیں۔ بہرحال، بیچارے گردھاری لعل کو ہم مصیبت میں نہیں ڈالیں گے۔ وہ ایک شریف آدمی ہے۔ ہم جو کچھ بھی ہو گا خود ہی بھگتیں گے۔''

بہرحال اچھا ہوا وہ دِتی پہنچ جائیں گی۔ ہم اپنا کام یہیں کریں گے۔''

''اچھا چھوڑو، پہلے آؤ اپنا کام کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔'' راج ماتھر نے کہا۔

ایک ہندو ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ دونوں اپنے آپ کو الگ الگ ظاہر کرنا چاہتے تھے تاکہ کسی کو ان پر شبہ نہ ہونے پائے۔ غرض یہ کہ انہوں نے انتظار کیا اور وقت گزرتا رہا۔ وہی ہوا جس کا خدشہ راج ماتھر نے ظاہر کیا تھا۔ ہندوؤں نے باقاعدہ جلوس نکال ڈالا کہ مسلمانوں نے مندروں میں گھس کر ان کے پجاری کا اپمان کیا ہے اور اس پر گھناؤنے الزام لگائے ہیں۔ اور اس کے بعد مسلمان محلوں پر حملے شروع ہو گئے۔ مسلمان بھی بہرحال اب ان ہندوؤں کے درمیان جینا سیکھ گئے تھے۔ ساری باتیں اپنی جگہ، برصغیر کی تقسیم بے شک ہو گئی تھی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے یہاں صدیاں گزاری تھیں نہ صرف صدیاں گزاری تھیں بلکہ حکومت کی تھی، اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔ چنانچہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جانے لگا اور اچھی خاصی خونریزی شروع ہو گئی۔ یہ ایک المناک پہلو تھا۔ لیکن کیا، کیا جاتا؟ حکومتیں اسی طرح چپکا کرتی ہیں۔ پارٹیاں اسی طرح اپنا وقار قائم رکھتی ہیں۔ وہ لوگ جن کا ذریعہ معاش ہی یہ ہوتا ہے کہ لڑاؤ اور جیو اور کھاؤ پیو ایسے موقعوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

بہرحال مندروں کی طرف سے احتجاج جاری ہو گیا اور خوب ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ کئی بار بڑی مسجد پر حملے کئے گئے۔ ایک باقاعدہ گروہ جس نے بابری مسجد کے خلاف قدم اٹھائے تھے یہاں بھی مصروف عمل ہو گیا۔ راج ماتھر بڑا دُکھی تھا۔ کہنے لگا۔

"لکشمن! یہ بات تو طے ہے کہ میں مہادیر کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے میری بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اس نے نجانے کتنے بھائیوں کی بہنوں کی عزت لوٹی ہوگی۔ اس کا اس دنیا میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ مقدس عبادت گاہوں میں اس قسم کی غلاظت پھیلانے والوں کو منظرِ عام پر لاؤں گا۔ لوگ انہیں دیکھیں، پرکھیں، سمجھیں۔ مگر لگتا ہے ایسا نہیں ہوگا۔ اور لکشمن! میں تم سے تمہارے بارے میں بھی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی راج ماتھر جی...... کہیے!"

"دیکھو دوست! دنیا میں انسان بہت سے کام کرتا ہے۔ رزق کماتا ہے۔ اسی طرح جیتا ہے۔ لیکن اگر جینے کا کوئی مقصد بنا لیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی بات اور کوئی نہیں ہوتی۔"

"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں بھیا جی۔"

"ایک مشن بناتے ہیں ہم لوگ۔ جذبہ وہی ہے یعنی یہ کہ میری بہن کے ساتھ جو سلوک کیا میں اس کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ لیکن صرف اس شخص سے نہیں بلکہ اس جیسے اور تمام لوگوں سے۔ متھرا ہندوؤں کی مقدس یاترا ہے۔ یہاں دُور دُور سے لوگ آتے ہیں۔ اب یہ بات تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ ان پنڈتوں کے لئے میرا مطلب اس طرح کے پنڈتوں کے لئے دھرم ورم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جب وہ مقدس عبادت گاہوں میں اس قسم کی غلاظت گاہیں بنا سکتے ہیں تو بھلا ان کے من میں دیوتاؤں کے لئے کیا عزت ہوگی۔ ہم تو ہندو ہیں۔ کیا اس نے میری بہن کے بارے میں یہ بات سوچی؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان لڑکیاں یہاں آئیں گی ہی کیوں؟ یہ الگ بات ہے کہ یہ کہیں سے انہیں اُٹھوا لیں۔ اس طرح کے لوگ اس قسم کی حرکتیں بھی کرتے ہیں۔ ان ساری باتوں کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہاں رہ کر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے تو سوچا ہے کہ اپنی بدلی ہی متھرا میں کرا لوں۔ اب دیکھو نا یہ بات میرے اور تمہارے علم میں ہے کہ بیچارے مسلمانوں کا اس سلسلے میں کوئی دوش نہیں ہے۔ ان کے تو فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ جے مندر جیسی پوتر یاترا میں اس طرح کا ایک راکشش سانسیں لے رہا ہے اور اس کے بہت سے مددگار ہیں۔ لیکن کیا ہوا، بہت سے مسلمان مارے گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کو بھی نہیں چھوڑا ہوگا۔ لیکن ان بیوقوفوں سے یہ پوچھو کہ کم از کم تحقیقات تو کر لیتے ایک

دوسرے کی مار کاٹ کرنے سے پہلے۔ دوش ہندوؤں کا ہی ہے، بلکہ ان کا بھی نہیں ہے۔ ان حرام زادوں کا ہے جو انہیں اُکساتے ہیں اور اس طرح کی درندگی پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ ورنہ انسان تو ہر طرح کے انسان ہیں۔ صدیوں سے یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ ہندو مسلمانوں کو عید کی مبارکباد دیتے تھے تو مسلمان ہندوؤں کو ہولی اور دیوالی کی۔ یوں ان لوگوں نے صدیوں زندگی گزاری ہے۔ یہ وہ راکشش ہیں جو ان کے درمیان جنگیں کرا کر، خونریزی کرا کر، ان کا خون بہا کر اپنی روزی چمکاتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ تو میں یہ کہنے والا تھا کہ میں یہاں اپنی بدلی کرا لیتا ہوں۔ تم ایک بہترین مددگار ثابت ہو سکتے ہو۔ میں ایک پولیس افسر کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دوں گا اور تم یہاں مندروں میں عبادت گزار بن کر ان لوگوں کا کچا چٹھا معلوم کرو گے۔ حالانکہ ہم اپنے ہی دین، اپنے ہی دھرم کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے بتاؤ وہ برے لوگ تو ہمارا دین دھرم نہیں ہیں جنہوں نے مندروں میں گندگی پھیلا رکھی ہے۔ ہم خاموشی سے ان کا خاتمہ کریں گے اور اچھے لوگوں کو سامنے لائیں گے جو واقعی دین دھرم کی عبادت کریں۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ میں آپ کو بتاؤں راج ماتھر جی! میرے پتا جی رام پور میں رہتے ہیں۔"

"ہاں تم نے مجھے بتایا تھا۔"

"جوتش ودیا سے اپنی روزی کماتے ہیں۔ سنسار باسیوں کو ان کے ماضی اور مستقبل کی باتیں بتاتے ہیں، حال کی کہانیاں سناتے ہیں۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں ستاروں کا یہ علم اچھا تو ہے اور یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوگا۔ لیکن کسی کو اس کے ماضی یا مستقبل کے بارے میں بتانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ صرف تکے ہیں جو لگ جاتے ہیں اور جب تکے لگ جاتے ہیں تو عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پتا جی کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔ مجھے تو اس کام سے سخت اختلاف ہے۔ جبکہ وہ شروع ہی سے مجھے اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ میں ستاروں کا کھیل سیکھ لوں۔ لیکن میں راج ماتھر جی! میں اس کھیل سے اختلاف رکھتا ہوں۔ بھگوان کے سوا اور کون ہے جو منش کو اس کا بھوش بتا سکے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر میں لوگوں کو جھوٹی تسلیاں کیوں دوں؟ اصل میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ میرے جیون کا بھی کوئی خاص مقصد ہے۔ پتا جی کی گرو گردھاری لعل سے جان پہچان تھی۔ گرو گردھاری لعل جی بھی نجومی ہیں اور اسی طرح سے اپنی روزی کماتے

ہیں۔ غلط کماتے ہیں یا صحیح کماتے ہیں، یہ وہ جانیں اور ان کا بھگوان۔ لیکن بہرحال میں ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ جہاں تک دین دھرم کی بات ہے، سچی بات ہے کہ ماتا پتا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے چلے آئے ہیں۔ میرے من میں بھی ان کے لئے وہی جگہ ہے جو میرے ماتا پتا کے من میں۔ پر بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ پتھر کے یہ ٹکڑے ہماری عقیدت کا باعث تو بن سکتے ہیں کیونکہ ہم نے انہیں اپنا معبود بنا لیا ہے۔ مگر ہم نے انہیں جنبش کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ ہل جل کر ہماری مدد نہیں کرتے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو اس پوتر اور مقدس مندر میں اتنے سارے دیوی دیوتا موجود ہیں، وہ مہاویر جیسے برے آدمی کو پیس کر کیوں نہیں ڈال دیتے؟ انہی مندروں کے حجروں میں تو کنواری کنیاؤں کی چیخیں گونجتی ہیں۔ یہیں تو وہ اپنی آبرو کی بھیک مانگتی ہوئی جیون بچانے کے لئے دوڑ کر جمنا میں کود جاتی ہیں۔ یہ دیوی دیوتا ان کی بالکل نہیں سنتے۔ پھر کس کی سنتے ہیں یہ؟ میں یہ کہنا چاہتا تھا راج ماتھر جی! بہت گہری سوچ ہے میری۔ لیکن آپ مجھے یہ بتائیے کہ ہم تو صرف ایک تصور ہی باندھے ہوئے ہیں نا کہ جی یہ کالی ماتا ہیں۔ یہ بھوانی ماتا ہیں۔ یہ گنیش جی ہیں۔ یہ شری کرشن جی ہیں۔ یہ سارے کے سارے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں یہ کبھی تھے۔ اب تو یہ صرف ان کی تصویریں ہیں ہمارے ہاتھوں کی بنائی ہوئی۔ یہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تو مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ اگر روحانیت ہی کا سلسلہ ہے تو ہم تو آنکھیں بند کر کے کبھی بھی دیکھ سکتے ہیں۔ پھر ضروری کیا ہے کہ ہم اینٹ اور پتھروں کی ایک جگہ بنائیں اور وہاں ان دیوی دیوتاؤں کو رکھ کر یہ سوچیں کہ یہ ہمارے لئے سب کچھ کر رہے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں کرتے۔''

''نہیں لکشمن! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ دین دھرم کے بارے میں ہمیں جو کچھ سکھایا گیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم وہی سب کچھ کریں جو ہمیں بتایا گیا ہے۔ بہت سی باتیں ہماری عقل سے اوپر کی چیز ہوتی ہیں۔ ہم اس کے بارے میں نہیں سوچتے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہو راج ماتھر جی۔''

''میں سمجھتا ہوں تمہیں بھی اس سے آگے نہیں سوچنا چاہئے۔ جہاں تک جوتش ودیا وغیرہ کا تعلق ہے تو سچی بات یہ ہے کہ میں بھی اسے نہیں مانتا۔ بہرحال اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اینٹ اور پتھروں سے بنائے ہوئے ان گھروں میں اپنے دیوی دیوتاؤں کو جا کر یاد کیا کرتے ہیں، ان کے تصور کے ساتھ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بری بات نہیں ہے۔

جہاں تک پتھروں کے ان بتوں کی بات ہے تو یہ تو بھگوان ہی جانے کہ اس نے انہیں کیا شکتی دے رکھی ہے۔ لیکن کم از کم ان عبادت گاہوں میں جہاں جا کر بھگوان کا نام لیا جاتا ہے ان جیسے راکششوں کو تو نہیں رہنے دیا جانا چاہئے۔ میری مراد مہاویر جیسے لوگوں سے ہے۔''

''ہاں۔''

''تت...... تم بتاؤ، کیا تم میرا ساتھ دو گے اس سلسلے میں؟''

''ہاں مہاراج! میں دوں گا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ کم از کم میری زندگی کا یہ مقصد رہے گا۔''

''تو پھر سنو...... تمہارے تمام اخراجات میرے ذمے۔ اس کے علاوہ تم جو کچھ بھی چاہو گے میں تمہیں باقاعدہ ماہانہ دوں گا۔ تمہیں مندروں میں پجاری بن کر ان لوگوں کی دیکھ بھال کرنا ہو گی۔''

''یہ میرے لئے ایک دلچسپ کام ہو گا۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں۔''

''ٹھیک ہے۔ تو میں تمہیں یہ کام سونپتا ہوں۔ ہم لوگ اپنی رہائش گاہ کا بندوبست کر لیں گے۔ بڑی احتیاط اور خفیہ طریقے سے ساری کارروائی کریں گے۔ ابھی یہ تھوڑے دن کا معاملہ ہے۔ یہ ٹھنڈا ہو جائے۔ تم یہاں رہو۔ چاہو تو گرو گردھاری لعل کے پاس رہو۔ یا چاہو تو اس ہوٹل میں رہو۔ تمہارے اخراجات کا اب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تھوڑے دن کے لئے دِلّی جا رہا ہوں۔ اپنے کام نمٹاؤں گا۔ ایک ایسی رپورٹ تیار کروں گا جس کے تحت میں اپنے اعلیٰ افسران سے یہ کہہ سکوں کہ بہت ہی اہم معاملے میں کام کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں کوشش کروں گا کہ میری متھرا بدلی ہو جائے۔ کچھ وزیروں سے میرے تعلقات ہیں۔ ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ایسا کر دیں۔ مطلب سمجھ رہے ہو نا میرا؟ اس کے بعد میں یہاں آ جاؤں گا۔ لیکن تم بالکل بے فکر رہو۔ یہاں تو میں دو چار دن کے بعد ہی آ جاؤں گا۔ مطلب یہ کہ ان دو چار دنوں میں، میں اپنا کام کر لوں گا۔''

''تو ٹھیک ہے۔ پھر میرا مندر میں رہنا ضروری نہیں ہے۔ میں گرو جی کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ بلکہ اگر ہو سکا تو میں رام پور جا کر اپنے ماتا پتا سے بھی مل لوں گا۔ بہت دن ہو گئے ہیں ان سے ملاقات کئے۔''

''ٹھیک ہے۔ یہاں کے معاملات ٹھنڈے ہو جانے دو۔ تھوڑے دن کے بعد ہندوؤں

کو خود ہی عقل آ جائے گی۔ ویسے گورنمنٹ اس سلسلے میں کام کر رہی ہے۔ صورتحال کی تحقیق ہو رہی ہے کہ کیا ہوا تھا۔ بہرحال دیکھتے ہیں کہ اس کا کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ بات جو شکل بھی اختیار کر جائے۔ بھگوان کرے بہتر ہو۔"

"تو پھر آپ کب جا رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے میں کل چلا جاؤں گا۔ مالتی اور روپ کلا کو بھی تسلیاں دینا ضروری ہے۔ ویسے ان کا کام اب ختم ہو گیا ہے۔ میں خود بھی جا کر دیکھوں گا کہ وہ آرام سے دِلی پہنچ گئیں یا نہیں؟ تم رام پور چلے جاؤ۔ یا جیسے تم مناسب سمجھو۔"

"ٹھیک ہے بھیا جی!" لکشمن نے کہا۔ پھر دوسرے دن راج ماتھر تو دِلی چلا گیا اور لکشمن گرو گردھاری لعل کے ہاں۔"

گرو گردھاری لعل نے کہا۔ "لکشمن بیٹا! آج کل تو حالات بڑے خراب چل رہے ہیں۔ ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ سنا ہے مسلمانوں نے مندروں میں جا کر کوئی حرکت کی ہے جس کے نتیجے میں ہندو مشتعل ہو گئے ہیں۔"

"ہاں گرو جی، دیکھ رہا ہوں۔ خوب اِدھر کی اُدھر ہو رہی ہے۔ ویسے آپ کے خیال میں گرو جی! کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"کیا ٹھیک ہے اور کیا ٹھیک نہیں ہے، یہ تو بھگوان ہی جانے۔ لیکن انسان کو انسان کا خون نہیں بہانا چاہئے۔"

"گرو جی! بہت سی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے مندروں میں گائے کے سر کاٹ کر ڈال دیئے۔ گرو جی! ایک بات بتائیں، یہ کام ہندو بھی تو کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟"

"مطلب یہ کہ ایسے فسادی ہندو جو اپنی لیڈری چمکانا چاہتے ہیں اگر وہ اس قسم کے ہنگامے نہ کریں تو لوگ ان کے پیچھے کیسے لگیں؟ مذہب کے نام پر بڑی بڑی باتیں ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں بیٹا! مگر اس بات کو پکڑے کون۔"

"کاش ایسی باتوں کو کوئی پکڑنے والا ہوتا۔ خیر گرو جی! میں سوچ رہا ہوں چار چھ دن کے لئے رام پور ہو آؤں۔ ماتا پتا یاد آ رہے ہیں۔"

"ضرور چلے جاؤ بیٹا!" گرو گردھاری لعل نے کہا اور لکشمن رام پور جانے کی تیاریاں

کرنے لگا۔

✿......✿

بہت سی چیزیں لے کر گیا تھا وہ۔ تلکیا رام اور پاربتی بیٹے کی اچانک آمد سے بے پناہ خوش تھے۔ تلکیا رام نے کہا۔

"بیٹا! یہ ساری چیزیں جو تو لے کر آیا ہے بھگوان کی سوگند ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تو یہ بتا کہ جوتش وڈیا تو نے کہاں تک سیکھی؟"

"پتا جی! بڑی محنت کر رہا ہوں۔ من میں یہی ہے کہ آپ کی تمام آرزوئیں پوری کر دوں۔ آپ نے جو یہ لگن مجھ سے لگائی ہے اور اپنے من میں میرے بارے میں سوچا ہے کہ میں ایک بڑا جوتشی بنوں تو میں نے بھی یہ طے کر رکھا ہے کہ آپ کی یہ آرزو دل و جان سے پوری کروں گا۔ متھرا مندروں کا شہر ہے۔ وہاں بڑے بڑے مقدس مندر ہیں۔ میرے من میں لگن ہے۔ میں وہیں جا کر بیٹھتا ہوں گرو جی سے اجازت لینے کے بعد اور وہیں اپنی تپسیا کر رہا ہوں۔ آپ دیکھ لیجئے ایک نہ ایک دن میں ایک بڑا جوتشی بن کر سنسار کے سامنے آؤں گا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔ میں اس دن تک کے لئے ضرور جیوں گا بیٹا! اگر موت بھی میرے پاس آئی تو اس سے کہوں گا کہ اتنی مہلت ضرور دے دے مجھے کہ میں اپنے بیٹے کا عروج دیکھ سکوں۔"

یہ الفاظ لکشمن کے دل کو بہت زیادہ جا کر لگے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے بارے میں ماں باپ کی آرزوئیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک ننھے سے وجود کو بے لوث اور بے غرض دن رات کی محنت سے پروان چڑھاتے ہیں اس لالچ کے بغیر کہ وہ بڑا ہو کر انہیں کیا دے گا۔ جان پکڑنے کے بعد اگر وہ اس کی ذات سے کوئی تصور وابستہ کر لیں تو یہ ان کا قصور تو نہیں ہے۔ آرزوئیں تو ہر دل میں پلتی ہیں۔ اگر کوئی آرزو کو پورا کر دے تو بڑی بات ہوتی ہے۔ بہرحال ذرا سا ذہن میں خیال آیا تھا اور اُس نے سوچا تھا کہ غور کرے گا کہ باپ کی ان آرزوؤں کی تکمیل کس طرح کی جا سکتی ہے۔ ایک بڑا آدمی بن کر یا پھر جوتش وڈیا کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کر کے۔ بہت دیر تک وہ اس سلسلے میں جذباتی رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنی فطرت کے مطابق اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے ذہن سے محو کر دیا تھا۔ پڑوس کے حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ تلسی واپس آ چکی ہے۔ ماں سے کہنے لگا۔

''ماتا جی! ایک بات کہوں آپ سے۔ یقین کر لیں گی میری بات پر؟''

''ہاں رے۔ کیوں نہیں؟''

''سکھیا رام کی بیوی تلسی میری اچھی دوست ضرور بن گئی تھی۔ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ دنیا جہان کی باتیں۔ لیکن ہم دونوں میں سے کسی کے من میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ میں چاچا سکھیا رام جی سے بات کروں۔ ملنا چاہتا ہوں تلسی سے۔''

''بیٹا! ہر آدمی تیرے جیسے کشادہ ذہن کا مالک نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں سکھیا رام کیا سوچے؟''

''ملنے تو دو ماتا جی۔''

''تو دیکھ لے، کوئی نیا ہنگامہ مت کھڑا کر دینا۔''

''اگر کوئی ہنگامے والی بات ہوئی تو واپس آ جاؤں گا اور پھر دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔''

بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا رام پور آ کر۔ چنانچہ دوسرے دن وہ خود سکھیا رام کے گھر پہنچا۔ سکھیا رام نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ اُسے دیکھا اور بولا۔

''ہاں بولو، کیا بات ہے؟''

''چاچا جی! آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ کو یہ بات تو معلوم ہو گئی ہو گی کہ پتا جی نے مجھے متھرا بھیج دیا ہے۔ وہاں گیان دھیان کر رہا ہوں۔ متھرا سے آیا ہوں تو سوچا آپ سے بھی ملاقات کروں۔ کچھ باتیں کرنی ہیں آپ سے۔''

''آؤ۔ اندر آ جاؤ۔'' سکھیا رام نے کہا اور اُسے اندر اپنی بیٹھک میں لے گیا۔

''بیٹھو!''

''شکریہ چاچا جی۔ چاچا جی! آپ سے جو بات کرنا چاہتا ہوں، دونوں ہاتھ جوڑ کر آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے اسے سنیں۔''

''سناؤ۔''

''میں نے سنا تھا کہ تلسی سے آپ کا جھگڑا ہوا ہے اور وہ میکے چلی گئی تھی۔''

''اور یہ بھی سنا ہو گا کہ اس جھگڑے کا کارن تم ہی تھے۔''

''ہاں چاچا جی! یہ بھی سنا تھا میں نے۔''

''تو پھر اب کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''چاچا جی! میں نہیں جانتا کہ آپ کے اور تلسی کے تعلقات کیسے ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ پتا جی نے مجھے جوتش وڈیا سیکھنے کے لئے چھت پر بیٹھنے کو کہا تھا۔ میرا من جوتش وڈیا میں اس سے نہیں لگتا تھا۔ ایک دن تلسی جی مجھے وہاں نظر آ گئیں۔ میں نے اُنہیں پرنام کیا۔ انہوں نے میرے پرنام کا جواب دیا۔ پھر ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ سنسار یہ سمجھا کہ ہم برے راستوں پر چل رہے ہیں۔ دیکھیں چاچا جی! اب میں یہاں سے چلا گیا ہوں۔ تلسی جی واپس آ گئی ہیں۔ آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بھگوان کے نام پر ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کریں۔ ایک بات بتائیے، آپ ہندو ہیں۔''

''ہاں ہوں۔ اور کھری ذات کا ہوں۔'' سکھیا رام نے کہا۔

''بھگوان کا نام بڑے پریم سے لیتے ہوں گے۔''

''ہاں لیتا ہوں۔''

''زبان سے لیتے ہوں گے۔''

''تو اور کیسے لیا جا سکتا ہے؟''

''بالکل ٹھیک...... اس کا مطلب ہے کہ زبان سے بھگوان کو بھگوان مان لیا جائے تو بھگوان منش کے من میں اُتر آتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے......''

''اسی زبان سے اگر کسی کو بہن، کسی کو بھائی کہا جائے تو کیا یہ زبان اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر اعتبار کیا جا سکے؟''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' سکھیا رام نے کہا۔

''مطلب صرف اتنا سا ہے کہ غلط فہمی نجانے کیسے کیسے دردناک المیوں کو جنم دیتی ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تلسی میری دوست تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ بھگوان پر یقین کرتے ہیں تو اس بات پر بھی یقین کر لیں کہ میرے دل میں اس کے لئے ایک بہن جیسا پریم ہے۔ بڑی پوترتا ہے میرے من میں اس کے لئے۔ بلاوجہ بے چاری میری وجہ سے پتہ نہیں کیسی کیسی مشکل کا شکار ہو گئی۔ سکھیا رام جی! اگر آپ کی کوئی بہن ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ تلسی بھی میرے لئے اس بہن سے کم نہیں ہے۔''

سکھیا رام کا چہرہ ایک دم اُتر گیا تھا۔ وہ عجیب سے انداز میں لکشمن کو دیکھنے لگا تھا۔ غالباً

یہ دل کی سچائی تھی جس نے اُس کے دل میں دھماکہ کیا تھا۔ تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر سوچتا رہا، پھر بولا۔

''تب تو بڑی بھول ہوگئی مجھ سے...... بڑی بھول ہوگئی۔ سچی بات یہ ہے کہ چور انسان کے من میں ہوتا ہے۔ میری اور اُس کی عمر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں نے غلطی کی تھی۔ جس کا کوئی اوپائے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اندر سے جھلاہٹ پیدا ہوگئی تھی میرے من میں۔ ارے پاپ رے...... یہ تو غلط ہوگیا بھائی...... بیٹا لکشمن! بہت دن تک میں تیری طرف سے غلط فہمی کا شکار رہا۔ لیکن تو سچ کہتا ہے۔ بھگوان تو من میں ہوتے ہیں اور من سے زبان تک آتے ہیں۔ اسی زبان سے اگر کسی سے رشتہ قائم کیا جائے اور وہ بھی بھگوان کے حوالے سے تو پھر وہ رشتہ بھگوان کا ادیکار بن جاتا ہے۔ بالکل ٹھیک کہتا ہے تو۔ اب تو یہ بتا مجھے معاف کر دے گا؟''

''آپ کا من صاف ہوگیا سکھیا رام جی؟''

''ہاں بیٹا! بھگوان کی سوگند میرا من صاف ہوگیا۔ جو آج تک نہیں تھا۔''

''بس میں یہی چاہتا تھا۔ بڑی مہربانی، بڑی کرپا آپ کی۔ میں نے سوچا کہ ایک ایسی بات جس کا کوئی وجود نہیں ہے کیوں باقی رہے۔ اس لئے میں آپ کے پاس ہمت کر کے چلا آیا۔''

''تو نے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ میں تجھے بتا نہیں سکتا۔ اچھا بیٹھ، میں ابھی آتا ہوں۔''

سکھیا رام نے کہا اور اندر چلا گیا۔ کوئی دس بارہ منٹ کے بعد وہ واپس آیا تھا۔ تلسی اُس کے ساتھ تھی۔ لکشمن کو دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''کیسے ہو بھیا؟''

''ٹھیک ہوں تلسی!''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' تلسی نے سکھیا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہاں، میں تم دونوں کے چرن چھو کر معافی مانگ رہا ہوں۔ بھگوان کی سوگند، مجھ سے غلطی ہوئی۔ آج میرا من ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صاف ہوگیا۔ تلسی! تیرے ساتھ جو انیائے ہو رہے ہیں اس پر شرمندہ ہوں۔ اور ایک اجازت دیتا ہوں تجھے۔ جب بھی تیرے من میں آئے......''

''بک بک کرنا مت چھوڑنا کبھی بھی۔ میرے من میں کچھ نہیں آئے گا۔ میرے ماتا پتا

نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ بھگوان نے تمہارے ساتھ میری جوڑی لگا دی تھی۔ ٹھیک ہے، بھگوان کی بات سے بھلا کیسے انکار ہو سکتا ہے، مجھے بھی نہیں ہے۔ بھگوان نے جو میرے بھاگ میں لکھا وہ ہوگیا اور اب میں سنسار کے سامنے تماشہ نہیں بننا چاہتی۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ اگر میں چاہوں تو تم سے علیحدگی اختیار کر لوں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ میں یہ چاہتی ہوں اور نہ میں ایسا کوئی کام کروں گی۔ مجھے تو بس اس بات کی خوشی ہے کہ تمہارا من میری طرف سے صاف ہوگیا ہے۔''

''ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صاف ہوگیا۔ تو دیوی بن گئی ہے میری نظر میں اور میں اپنی نظر میں خود گر گیا ہوں۔ لکشمن، بڑے سچے دل کے ساتھ میں تم دونوں سے معافی مانگ رہا ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔''

''ٹھیک ہے سکھیا رام جی! کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ منش اگر غلطی نہ کرے تو اوتار ہو جائے۔ چلو ٹھیک ہے، بات ختم ہوگئی۔ تلسی جی! بہت دن ہوگئے آپ کے ہاتھ کی بھاجی پوری کھائے ہوئے۔ آج کھا کر جاؤں گا۔''

''میں ابھی تیار کرتی ہوں۔''

لکشمن وہاں سے خوش خوش لوٹا تھا۔ جب انسان سچائیوں کے راستے پر قدم بڑھاتا ہے تو دنیا اسے داد دے یا نہ دے لیکن اس کے اندر کا محتسب اسے جو سکون بخشتا ہے اس سکون کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا وزن اس وزن کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ لکشمن نے دوسرا کام بے چارے دھنی ٹھاکر کی خبر لے کر کیا۔ دھنی ٹھاکر اپنے اکھاڑے پر موجود تھا۔ رہائی ہو چکی تھی۔ لکشمن کو دیکھ کر بگڑ گیا۔

''حرامی کے پلے پھر آمرا تو یہاں رام پور میں؟ پھر کچھ کرا کر رہے گا۔ دور ہو جا میری نگاہوں کے سامنے سے۔ اب ایسی ہی کشتی لڑنا تھی تو زنخوں کی طرح ڈھول بجا بجا کر لڑتا۔ کوسنے دے کر مارتا اپنے حریفوں کو۔ یہ سوئی چھپا کر کیوں مارا تو نے؟''

''کیسے ہو گرو مہاراج!''

''جاتا ہے یا بلاؤں کسی کو کہ جوتے مار مار کر نکالیں تجھے؟''

''آپ کی خیریت معلوم کرنے آ گیا تھا۔''

''ہاں، خیریت معلوم کرنے آ گیا تھا۔ وہاں تھانے میں جوتے پڑوائے سسرے، کھوپڑی پلپلی ہو کر رہ گئی۔ خود بچ کر بھاگ گیا، پکڑا نہیں گیا۔ دل تو چاہتا ہے کہ فوراً

تھانیدار کو اطلاع دوں کہ اصل مجرم آ گیا ہے۔ پر جا بھاگ جا یہاں سے۔"

لکشمن نے ایک منٹ تک کچھ سوچا، پھر اچانک ہی آگے بڑھا، دھنی ٹھاکر کے پاؤں چھوئے اور اس کے بعد وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

دھنی ٹھاکر اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ لکشمن نے اب وہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا۔ ماں باپ کے پاس آ گیا۔ گھر والے بہت خوش تھے کیونکہ سکھیا رام، تلیا رام کے پاس آیا تھا اور اُس نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگی تھی کہ غلط فہمی کی بنا پر وہ لکشمن جیسے پوتر نوجوان پر شبہ کر بیٹھا تھا اور خوامخواہ جھگڑے کو اتنا بڑھا دیا تھا۔

بہر حال لکشمن کوئی چھ دن وہاں رہا اور اس کے بعد ماتا پتا سے اجازت لے کر رام پور سے واپس متھرا چل پڑا۔ گرو گردھاری لعل کے گھر پہنچا تو گرو جی نے اُسے خبر دی کہ ماتھر آ چکا ہے اور اُس نے یہ ہدایت دی ہے کہ جیسے ہی تم واپس آؤ ہوٹل میں اس سے ملاقات کر لو۔ ہوٹل کا پتہ راج ماتھر جی دے گئے ہیں۔

لکشمن نے گردن ہلائی اور اس کے بعد پتہ لے کر ہوٹل چل پڑا۔ ہوٹل میں جب وہ اس کمرے میں پہنچا جہاں کا پتہ اُسے دیا گیا تھا تو وہاں اُسے ایک اور پیغام ملا۔ کسی گھر کا پتہ دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ لکشمن نامی نوجوان اگر وہاں آئے تو اسے اس گھر پر بھیج دیا جائے۔ لکشمن نے وہ پتہ بھی ذہن نشین کیا اور اس کے بعد اس گھر پر پہنچ گیا۔ خوبصورت مکان تھا۔ دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ اُس نے کہا۔

"میرا نام لکشمن ہے۔"

"آیئے لکشمن مہاراج! راج ماتھر جی کہہ گئے ہیں کہ اگر آپ آئیں تو آپ کو یہاں ٹھہرایا جائے۔ آپ کا کمرہ تیار کر دیا گیا ہے۔"

لکشمن حیران حیران سا اندر داخل ہو گیا۔ دو ملازم اور تھے۔ اس کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ لکشمن نے احتیاطاً ملازموں سے کوئی معلومات حاصل نہیں کی لیکن شام کو پانچ بجے کے قریب ایک پولیس جیپ اندر داخل ہوئی اور اُس سے راج ماتھر نیچے اُترا۔ چار کانسٹیبل بھی تھے۔ راج ماتھر پوری وردی میں تھا اور چوکیدار نے شاید اُسے یہ بتا دیا تھا کہ لکشمن مہاراج آ چکے ہیں۔ چنانچہ وہ سیدھا لکشمن کے کمرے میں پہنچا۔ لکشمن کھڑکی سے راج ماتھر کو دیکھ چکا تھا۔ بہر حال راج ماتھر پولیس کی وردی میں بہت ہی شاندار لگ رہا تھا۔ لکشمن نے مسکرا کر اُسے دیکھا تو راج ماتھر نے اُسے سلوٹ کیا۔

"میرے پاس تم ہو لکشمن! آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔" راج ماتھر نے بڑی محبت سے لکشمن کو اپنے سینے سے لگایا۔ پھر وہ بولا۔ "میں نے زبردست کام کیا ہے وہ یہ کہ اپنی بدلی یہاں کرا لی ہے۔ پرسوں یہاں پہنچا ہوں۔ یہاں جو ہندو مسلم فسادات ہوئے تھے انہوں نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ مجھے تحقیقات سونپی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ بالکل صحیح رپورٹ حکومت کو پیش کروں۔ بہت سی اُلجھنیں میرے ذہن میں ہیں۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ جب تم واپس آ جاؤ گے تو تم سے اس سلسلے میں مشورہ کر کے آگے کام شروع کروں گا۔"

"آپ کی بدلی یہاں ہو گئی راج ماتھر جی؟"

"ہاں، ابھی میں چارج لے رہا ہوں۔ کام شروع نہیں کیا ہے۔ آٹھ تھانے میرے انڈر آئیں گے اور مجھے ان پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"لکشمن! ہم لوگ باقاعدہ کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں سے میری مراد میں اور تم ہو۔ دیکھو میرا نظریہ یہ ہے کہ سنسار میں سب سے بڑا دھرم انسانیت کا ہوتا ہے۔ بے شک ہندو اور مسلمان دھرم میں بہت سی کہانیاں ہیں۔ جب مسلمان برسر اقتدار تھے تو کچھ علاقوں میں انہوں نے بھی بہت کچھ کیا۔ سلطان محمود غزنوی کو دیکھ لو۔ ہندوستان کا باجا بجا کر رکھ دیا تھا اُس نے۔ پتہ نہیں کتنے مندر گرائے، کیا کیا کچھ کیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی ایسی کہانیاں ہیں۔ لیکن وہ دور گزر چکا۔ ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں کہ سنسار میں تمہارا اپنا کردار کیا ہے، تمہاری اپنی ذمہ داری کیا ہے۔ تم کیا کر رہے ہو، بنیادی چیز یہ سوچنا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں مہاراج۔"

"یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ جے مندر میں جو کچھ ہوا اس میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں تھا۔ میں اپنے طور پر ایک بات سوچتا ہوں وہ یہ کہ ظلم اگر کوئی ہندو مسلمان پر کرے تو وہ ظالم اور مجرم ہے۔ اور اسی طرح مسلمان اگر کوئی ظلم ہندو پر کرتا ہے تو وہ مجرم ہے۔ میرے ذہن میں ایک لمبی پلاننگ ہے۔ اور لکشمن، میں اس لمبی پلاننگ پر کام کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں مندروں میں جو کچھ ہو رہا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس کے علاوہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ یہ جو فسادات ہوئے ہیں ان کے پیچھے کس کس کا ہاتھ ہے۔ میں اس ہاتھ کو بھی منظر عام پر لانا چاہتا ہوں۔"

"بہت بڑا کام ہے یہ۔"

"اس بہت بڑے کام میں تم میرا ساتھ دو گے لکشمن!"

"یہ بھلا کہنے کی بات ہے بھیا جی!"

"بڑی گہری پلاننگ کرنی ہے ہم لوگوں کو۔"

"میں آپ کے ہر طرح سے ساتھ ہوں۔"

"تو پھر سنو...... فی الحال ہم جے مندر سے ہی آغاز کر رہے ہیں۔ جے مندر میں پہلے تو تم ایک یاتری کی حیثیت سے داخل ہو جاؤ گے اور وہیں پوجا پاٹ کرتے رہو گے۔ میں سب سے پہلے مہاویر کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مہاویر سے اس مندر کو پاک کیا جائے۔ تم وہاں رہ کر مہاویر کے گرگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو گے۔ یہ بات تو میں اور تم دونوں دیکھ چکے ہیں کہ مذہبی انتہا پسند وہاں کی برائی کو برائی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے چاہے ان کے سامنے ان کی ماں بہن کو نقصان کیوں نہ پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ مجھے کوئی لمبی ہی تدبیر کرنا پڑے گی۔ تم ذرا وہاں کے حالات پر نگاہ رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ میں آپ کو وہاں کی مکمل رپورٹ دوں گا۔"

لکشمن کے ہاتھ اس سے اچھا مشغلہ نہیں آ سکتا تھا۔ رام پور کا یہ لکشمن ویسے بھی جیالا تھا اور پھر اسے راج ماتھر جیسے بہادر اور نیک انسان کا سہارا حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنے خوبصورت بالوں کی قربانی دی۔ سر گنجا کرایا، گلے میں جنیو ڈالا اور ایک عبادت گزار بن کر جے مندر جا پڑا۔ بہت بڑی قربانی دی تھی اُس نے اپنے حسین بالوں کی۔ لیکن اس حلیے میں بھی وہ شاندار نظر آتا تھا۔ دیکھنے والی نگاہیں اس کا جائزہ لیتی رہتی تھیں اور وہ رفتہ رفتہ جے مندر کے عبادت گزار کی حیثیت سے قبول ہوتا جا رہا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا نظر آتا تھا۔ کھانے پینے کا وقت ہوا تو کچھ کھا پی لیا۔ خاص طور سے وہ مہاویر کے گرگوں پر نگاہ رکھ رہا تھا اور ان میں سرفہرست اُسے گجرال نظر آیا تھا۔ گجرال بڑا سرگرم کارکن تھا۔ اور بھی کچھ لوگ تھے جو رفتہ رفتہ لکشمن کی نگاہوں میں آتے چلے گئے۔ لکشمن نے ان کی فہرست تیار کر لی تھی۔

ادھر راج ماتھر بھی کبھی کبھی پوجا کے بہانے آ جایا کرتا تھا۔ اپنے خاندان کو اُس نے دہلی ہی میں رہنے دیا تھا۔ خود اُسے یہاں ایس پی کی حیثیت سے رہائش گاہ مل گئی تھی۔ راج ماتھر اپنے کام کر رہا تھا۔ ہندو لیڈروں میں سے اُسے ایک شخص بدری پرشاد نظر آیا۔ اس کے

بارے میں تمام تر معلومات حاصل کر لی تھیں راج ماتھر نے۔ یہ یہاں انتہا پسند ہندوؤں کا لیڈر تھا اور متھرا میں سارے ہنگامے اسی کے اشارے پر ہوا کرتے تھے۔ بدری پرشاد کی دو بیٹیاں تھیں، نوجوان اور خوبصورت۔ راج ماتھر اور لکشمن ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے کیونکہ ایک دن لکشمن نے ان دونوں لڑکیوں کو مندر میں پوجا کے لئے آتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد مزید کارروائیاں ہوئی تھیں۔ راج ماتھر نے لکشمن سے مل کر کہا۔

"لکشمن! بدری پرشاد بھی مہاویر کی طرح ایک برا انسان ہے اور اسے کسی نہ کسی قیمت پر ہمارے قبضے میں آنا چاہئے۔ مطلب سمجھ رہے ہو نا؟ بعض اوقات کسی ایک انسان کی ذات کسی کے لئے خطرناک ثابت ہو جاتی ہے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔"

"کچھ کچھ مہاراج۔"

"ایک پلاننگ کر رہا ہوں میں۔ اس سلسلے میں مجھے تمہاری ضرورت ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور اس کے بعد راج ماتھر نے لکشمن کو اپنا سارا منصوبہ سمجھایا۔ لکشمن نے اس بات پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔ پھر پورن ماشی کی رات تھی اور اس رات بھی مہاویر جی درشن دیا کرتے تھے۔ آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ وہ لوگ تاک میں تھے۔ روپا اور پشپا جو بدری ناتھ کی بیٹیاں تھیں، عبادت کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ لکشمن کو اپنا کام سرانجام دینا تھا۔ بھرپور پلاننگ ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب دیوداسیاں رقص کے لئے نکل آئیں اور ان کے رقص دیکھنے کے شوقین جن میں مرد عورتیں سبھی تھے سمٹ گئے تو لکشمن پشپا کے پاس پہنچ گیا۔

"جے دیوی! بھگوان تمہیں سنسار کا سب سے بڑا انعام دے۔ مجھے بھوانی دیوی نے حکم دیا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کروں۔ ذرا اِدھر آؤ گی؟"

پشپا نے گھبرائی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر لکشمن کا چہرہ اور اُس کا حلیہ دیکھا اور اُسے ایک پوتر پجاری سمجھ کر گردن ہلا دی۔ لکشمن اُسے لے کر ایک گوشے میں آ گیا تھا۔

"دیوی! یہ بات سنسار میں کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم دھرمیندر نامی ایک نوجوان سے پریم کرتی ہو جو تمہارے گھر کا ملازم ہے۔ پریشان رہتی ہو تم کہ تمہارے پریم کا کیا ہو گا۔ بھوانی دیوی نے تمہارا پریم سویکار کیا ہے۔ تمہیں ایک جگہ پہنچنا ہے۔ وہاں سے تمہیں بھوانی دیوی کے درشن ملیں گے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گی۔"

پشپا دنگ رہ گئی تھی۔ یہ بات اصل میں راج ماتھر نے بڑی محنت سے معلوم کی تھی اور

پوری پلاننگ کے تحت یہ کام کرنا تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد لکشمن پشپا کو لے کر مندر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور اُسے اُسی حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ چونکہ مہاویر جی اس سمے درشن دے رہے تھے اس لئے حجرہ خالی تھا۔ یہاں پہنچ کر لکشمن نے دوسرا کام کیا۔ اُس نے دروازہ بند کر ہی لیا تھا۔ اس کے بعد وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''پشپا جی! آج تمہارے من کی ساری منو کامنائیں پوری ہو جائیں گی۔ جانتی ہو تمہیں کس نے بلایا ہے؟ بھوانی دیوی نے نہیں، دھرم ویر مہاراج نے۔''

''بڑے پجاری جی نے؟''

''ہاں۔''

''کیوں بلایا ہے مجھے؟''

''اس لئے کہ وہ اب تمہاری پوجا کریں گے۔''

''میری پوجا......؟''

''ہاں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''سمجھا دیں گے وہ تمہیں جب تمہارا شریر ان کے چنگل میں ہوگا۔''

''کیا بک رہے ہو تم؟''

''وہ بک رہا ہوں جو میرے گرو مہاراج نے مجھ سے کہا ہے۔''

''مطلب؟''

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں اُٹھا کر یہاں لے آؤں۔ اور میں دھوکے سے تمہیں یہاں لایا ہوں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ مجھے جانے دو یہاں سے۔''

''یہ کام تو اب مہاویر مہاراج ہی کریں گے۔''

''نجانے تم کیا بک رہے ہو۔''

''میں بک نہیں رہا دیوی۔ اس مندر میں یہی ہوتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں اسی طرح اُٹھا کر مہاویر مہاراج کے پاس پہنچا دی جاتی ہیں اور پھر...... اور پھر۔'' لکشمن بھیانک انداز میں مسکرایا اور پشپا چیخنے لگی۔

''جانے دو مجھے...... جانے دو۔ میں...... میں تم نہیں جانتے کہ میں کتنے بڑے آدمی کی

بیٹی ہوں۔''

''جانتا ہوں۔ لیکن ہر بڑے آدمی کے ساتھ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔''

''دیکھو میری بات مان لو۔''

''میں کیا مان لوں دیوی جی! میں تو نوکر ہوں، داس ہوں۔ بس اور کچھ نہیں۔''

اور پھر لکشمن نے پہلے سے مہیا کی ہوئی رسیوں کے ذریعے پشپا کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے اور اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اس کے بعد وہ اسی دروازے سے باہر نکل گیا۔ مہاویر ابھی تک لوگوں کی مشکلات دُور کر رہا تھا۔ اُس کے مخصوص گرگے وہی ڈرامہ سرانجام دے رہے تھے جو ہمیشہ دیا جاتا تھا۔ آخرکار یہ ڈھونگ ختم ہوا اور اس کے فوراً ہی بعد روپا نے پشپا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ پشپا کہیں نہیں ملی تھی۔ بدری پرشاد کو بیٹی کی گمشدگی کا علم ہوا تو وہ شدت حیرت سے دیوانہ ہو گیا۔ پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ ہر طرف ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی اور پشپا کی تلاش شروع ہو گئی۔ تب کسی نے بدری پرشاد کو اطلاع دی۔

''آپ کی بیٹی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتے ہیں ہم۔''

''ہاں بھائی! کون ہے، بتاؤ۔''

''وہ مہاویر چھتری کے حجرے میں موجود ہے۔ حجرے کا پتہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔''

''کیا...... وہاں کیوں موجود ہے وہ؟''

''مہاویر نے اُسے اغوا کر لیا ہے۔ مہاویر کے آدمیوں نے اُسے وہاں تک پہنچایا ہے۔ اگر تم کر سکتے ہو تو پولیس کو لے کر جلدی سے وہاں پہنچ جاؤ۔ پتہ نوٹ کر لو اور جو بھی صورتحال ہو اس کا اندازہ لگا لو۔ تمہیں سامنے سے جگہ نہیں ملے گی۔ جمنا گھاٹ پر جے مندر کے پچھلے حصے میں ایک دروازہ ہے۔ وہ کافی نیچے کو کھلتا ہے۔ اس سے اندر داخل ہو جاؤ۔''

''پشپا وہاں موجود ہے؟''

''ہاں ہو سکتا ہے، اس کی عزت لوٹ لی گئی ہو۔ جتنی جلدی جا سکتے ہو وہاں پہنچ جاؤ۔''

بدری پرشاد نے پولیس میں اطلاع تو دے ہی دی تھی۔ اور افسر تفتیش راج ماتھر تھا۔ چنانچہ اُس نے فوراً راج ماتھر کو پھر اطلاع دی۔ راج ماتھر نے نفری تیار کی۔ اُدھر لکشمن کو جو ذمہ داری سونپی گئی تھی، لکشمن اس کے لئے بھی تیار تھا۔ چنانچہ جمنا گھاٹ کے عقبی حصے میں

پولیس فورس پہنچی۔ وہ دروازہ نظر آ گیا تھا۔ راج ماتھر چونکہ خود بھی چلا کتا انسان تھا اس لئے ذرا بھی اُس نے تکلف نہیں کیا۔ پولیس کی نفری اور بدری پرشاد کے ساتھ وہ اندر داخل ہوا۔ بدری پرشاد کو اُس نے آگے رکھا تھا تا کہ جو کچھ بھی اپنی آنکھوں سے وہ دیکھے اس کی خود بھی تصدیق کر سکے۔ اِدھر کی کہانی یہ تھی اور اُدھر یوں ہوا کہ جب مہاویر مہاراج سارے کام سرانجام دے کر اپنی رہائش گاہ میں پہنچے تو وہاں انہیں کچھ اور ہی منظر نظر آیا۔ وہ پشپا تھی جو بندھی پڑی ہوئی تھی۔ مہاویر مہاراج کی آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔ آگے بڑھے اور پشپا کے قریب پہنچ گئے۔ پھر ان کے منہ سے نکلا۔

''جے بھگوتی...... جے بھگوتی...... ہے بھگونت کتنا بڑا ہے تو۔ منش کو وہ سب کچھ دے دیتا ہے جو اس کی منو کامنا ہوتی ہے۔ واہ رے بھگونت، واہ دیوی جی، کس نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟''

سب سے پہلے مہاویر مہاراج نے اُس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔ پشپا گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اُس نے مہاویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پاپی ہتھیارے! بھگوان تیرا ناش کرے۔ رنگیا سیار! ایک طرف تو، تو سنسار کو انسانیت اور بھلائی کا درس دیتا ہے اور دوسری طرف اندر سے شیطان بنا بیٹھا ہے۔''

مہاویر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''بھگوان نے انسان کے دو روپ بنائے ہیں دیوی! ہر چیز میں دو روپ جھلکتے ہیں۔ تمہیں میرے آدمی یہاں لائے ہوں گے۔ بڑے اچھے ہیں سارے کے سارے۔ وہ جانتے ہیں کہ میری خوشی کیا ہوتی ہے۔ اور جہاں تک تم میرے انسان اور شیطان ہونے کی بات کرتی ہو تو یہ سب کچھ تو بھگوان نے خود بنایا ہے۔ صبح، شام، روشنی، اُجالا، کالا، سفید ہر چیز کو بھگوان نے دو روپ بخشے ہیں۔ میں سنسار کو انسانیت کا درس دیتا ہوں۔ مگر میرا ایک اور رُوپ بھی ہے۔ آخر یہ بھی تو میری خواہش ہے۔''

''میں تجھے تباہ کر دوں گی...... تو نہیں جانتا میں کتنے بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔''

''سنسار میں بڑا چھوٹا کچھ نہیں ہوتا دیوی! منش کی ضرورت جس سے پوری ہو جائے اور جس چیز سے پوری ہو جائے بس سمجھ لو وہی سب کچھ ہوتی ہے۔''

''مجھے کھول دے...... جانے دے مجھے۔''

''نہیں دیوی! یہ بھی گناہ ہوگا کہ تم جیسی سندر ناری کو جسے میرے آدمی بڑی مشکل سے یہاں لائے ہیں، یہاں سے اس طرح نکل جانے دوں۔ چلی جانا۔ میں تم سے کچھ نہیں

کہوں گا۔ میرے ساتھ تعاون کرو۔ سنسار کے مزے لوٹو۔ کنواری ہو؟''

''کتے جانے دے مجھے...... جانے دے۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''جس کتے سے تم یہ بات کہہ رہی ہو وہ کتا جانے اور تم۔ میرا نام تو مہاویر ہے۔''

مہاویر بے حیائی سے پشپا کی باتیں ٹالتا رہا۔ ابھی زیادہ رات نہیں گزری تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی پوجا پاٹ ختم ہوئی تھی۔ بہرحال اُس نے شراب کی الماری کھولی اور اس میں سے بوتلیں وغیرہ نکالنے لگا۔ پشپا کی زبان بدستور چل رہی تھی اور مہاویر ہنسے جا رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

''نشہ جب گہرا ہو جائے گا تو دیوی تیری یہ باتیں بھی اچھی لگیں گی۔ ابھی ذرا مجھے نشہ آ جانے دے۔''

اس طرح کافی وقت گزرا اور قدرت کو یہ منظور تھا کہ وہ پشپا کو اس طرح مہاویر کے ہاتھوں سے بچائے۔ آخر کار سب سے پہلے بدری پرشاد اور راج ماتھر وہاں پہنچے۔ وہ اُس بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہوئے تو پشپا ایک طرف بندھی پڑی ہوئی تھی اور مہاویر شراب پی رہا تھا...... راج ماتھر نے ریوالور تان لیا۔ بدری پرشاد پھٹی پھٹی آنکھوں سے مہاویر کو دیکھنے لگا۔ پشپا کی دلدوز چیخ اُبھری۔

''پتا جی...... میں ادھر ہوں...... پتا جی، مجھے بچایئے۔'' بدری پرشاد دیوانہ وار بیٹی کے پاس پہنچا۔ مہاویر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کتے کے پلو، تم یہاں کہاں سے آ مرے؟ کس نے تمہیں یہاں کا راستہ بتایا؟ او پولیس والے، یہ کیا تو نے مجھ پر بندوق تان رکھی ہے۔ جانتا ہے میں کون ہوں؟''

''جے ہو مہاراج کی۔ ہم سب جانتے ہیں آپ کون ہیں۔ بدری پرشاد جی، پہچانتے ہیں آپ مہاویر جی کو؟ چلو، اس لڑکی کو کھولو۔ بے چاری کو پتہ نہیں کب سے باندھ کر ڈالا ہوا ہے۔'' راج ماتھر نے کہا اور دو پولیس والے پشپا کے ہاتھ پاؤں کھولنے لگے۔ پشپا زار و قطار رو رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی بدری پرشاد بھی رو رہا تھا۔

''میری بچی...... میری بیٹی!''

''پتا جی! اس پاپی نے...... اس پاپی نے مجھے یہاں پکڑ کے بلوایا ہے۔ اور اب یہ میری عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ ایسی ایسی گندی باتیں کی ہیں اس نے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے پتا جی۔ یہ دھرماتما نہیں، یہ شیطان کا دوسرا روپ ہے پتا جی! کہتا ہے بھگوان نے ہی دو روپ

بنائے ہیں انسان کے۔ کالا، سفید، اندھیرا، اُجالا، انسان اور شیطان۔ بھون ڈالو اس کو افسر صاحب! ایسے پاپیوں کا اس سنسار میں رہنا......''

''کون مجھے بھونے گا کتے کے بچو! ایک ایک کو جان سے مار دُوں گا۔''

ادھر یہ کام ہو رہا تھا اُدھر لکشمن اب اپنے دوسرے کام میں لگا ہوا تھا۔ اُس نے گجرال سے کہا۔ ''گجرال! جلدی سے اپنے آدمیوں کو سمیٹ کر نیچے جاؤ۔ مہاویر جی خطرے میں ہیں۔ جاؤ، مجھے اطلاع ملی ہے۔ مسلح ہو کر جاؤ۔ مہاویر جی پر حملہ ہوا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم......کون ہو تم؟''

''پجاری ہوں...... داس ہوں مہاویر جی کا۔ تم دیکھو تو سہی جا کر۔ میری بات غلط ہو تو جو تمہارا من چاہے کرنا۔''

چھ آدمی پستولوں سے مسلح ہو کر اچانک ہی اس بڑے کمرے میں پہنچے تھے اور یہاں پولیس کو دیکھ کر انہوں نے اندھا دُھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔ نتیجے میں راج ماتھر نے بھی پوزیشن لی۔ خود بدری پرشاد اپنی بیٹی کو لے کر ایک آڑ میں چلا گیا اور اُس کے ساتھیوں نے ان چھ افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا جو مہاویر کے خاص آدمی تھے اور جو اُس کے لئے کام کرتے تھے۔ ان میں گجرال بھی تھا۔ وہ لوگ زخمی ہو کر تڑپنے لگے۔ مہاویر پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا ہوا تھا۔

''ہاں مہاویر جی، اب آپ فرمایئے۔''

''فرمانے کے بچو! میں...... میں تمہیں جیتا نہیں چھوڑوں گا۔'' مہاویر نے کہا اور لپک کر اپنے استھان کے نیچے سے ایک زبردست قسم کی رائفل نکال لی۔ لیکن راج ماتھر کی چار گولیاں مہاویر کے بدن میں اُتر گئی تھیں۔ ایک پیشانی میں اور تین سینے میں دل کے مقام پر۔ مہاویر کا لمبا چوڑا بدن کئی بار اُچھلا اور اس کے بعد ساکت ہو گیا۔ بدری پرشاد نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس کتے کی لاش کو گھسیٹ کر باہر لے چلو۔ اس نے مندر کے تقدس کو مجروح کیا ہے۔ لے چلو اس کی لاش۔''

راج ماتھر نے بدری پرشاد کے سامنے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

''آپ بہت بڑے آدمی ہیں بدری پرشاد جی! آپ براہِ کرم مجھے حکم دیں کہ میں کیا کروں؟''

''لے چلو اسے...... لے چلو۔ پولیس سے کہو اس کہ اس کا جو بھی آدمی ملے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس میں مندر کا دوش تو نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں ہے۔''

راج ماتھر بدری پرشاد کو پولیس ہیڈ آفس لے گیا اور وہاں اُس نے پورا پریس بلا لیا۔ پریس رپورٹر بدری پرشاد کا بیان لینے کے لئے تیار تھے۔ بدری پرشاد نے بیان دیا۔

''یہ پاپی، مہا پاپی تھا۔ اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ مندر میں پوجا کے لئے آنے والی لڑکیوں کو یہ اغوا کرا لیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اسے نچلے تہہ خانے میں لے جاتے تھے۔ تہہ خانے میں شراب خانہ بھی موجود تھا اور یہ پاپی وہاں گناہ کے کام سرانجام دیا کرتا تھا۔ بدری پرشاد نے بیان دیا کہ کچھ عرصہ پہلے جو ہندو مسلم فساد ہوا تھا اس میں دو آدمیوں نے اس کے اس تہہ خانے کا انکشاف کیا تھا۔ یہ غلط ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ وہ ہندو پجاری تھے اور پوجا پاٹ کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے مہاویر کی یہ حرکت دیکھ لی تھی جس کی وجہ سے یہ سارا ہنگامہ ہوا تھا۔ انہوں نے جس تہہ خانے کو پجاریوں کے سامنے لانا چاہا اُسے ایک دم سے اُس کے آدمیوں نے بدل دیا تھا۔ یہ مندروں کے تقدس کو پامال کرنے والا کمینہ انسان ہے۔ اس کے خلاف جتنی بڑی کارروائی کی جائے کم ہے۔''

اخباری رپورٹروں نے دوسرے دن پورے اخبارات کی سرخیاں یہی لگائی تھیں۔ مہاویر کی تصویریں شائع کی گئی تھیں اور سارا کام خوشی سے سرانجام دے دیا گیا تھا۔

لکشمن جب اپنے کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس گھر میں پہنچا جہاں راج ماتھر رہتا تھا تو شام کو چار بجے راج ماتھر سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ راج ماتھر پورے دن مصروف رہا تھا۔ لکشمن نے کہا۔

''ماتھر جی! اور تو سب کچھ ہوا یا نہ ہوا، لیکن میرے یہ خوبصورت بال جن کا مجھے بڑا افسوس ہے۔''

''لیکن تم نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے لکشمن! وہ تو سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔ اور یہ مت سمجھنا کہ تمہارا کام ختم ہو گیا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ دیکھ لو مہاویر کتے کی موت میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ لیکن وہ اکیلا کتا نہیں ہے۔ عبادت گاہوں کے تقدس کو مجروح کرنے والے کسی بھی طرح قابل معافی نہیں ہوتے۔ تمہیں ابھی پجاری بن کر بہت سے کام سرانجام دینے ہیں۔ بال تو دوبارہ بھی نکل آئیں گے لیکن چھان چھان کر مندروں

سے ایسے پاپیوں کو نکالو جنہوں نے مندروں کے تقدس کو پامال کر رکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنی بدلی صرف اس لئے کروائی ہے کہ متھرا کے مندروں کو پاک کر کے یہاں سے کہیں اور جاؤں۔''

''آپ چنتا نہ کریں راج ماتھر مہاراج۔ رام پور کا لکشمن آپ کے ساتھ ہے۔'' لکشمن نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''لیکن ایک شرط ہے لکشمن۔''

''جی مہاراج؟''

''راز راز ہی رہنا چاہئے۔''

''کون سا راز مہاراج؟''

''میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

''جی......'' لکشمن نے کہا۔

''دیکھو لکشمن، میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ ایک ذمہ دار پولیس آفیسر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی ہندو دھرم سے تعلق رکھتا ہوں۔ مندروں اور دیوی دیوتاؤں کی من سے عزت کرتا ہوں۔ یہ ہمارا دھرم ہے اور ہم اس دھرم سے الگ نہیں رہ سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے دھرم داس اس طرح کے ہوتے ہیں جو دھرم کو بدنام کر دیا کرتے تھے۔ لکشمن، اگر یہ معاملہ خود میری بہن کے ساتھ نہ پیش آیا ہوتا اور کوئی مجھ سے یہ بات کہتا تو یقین کرو میں اتنی آسانی سے مہاویر کی گردن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ انسان اس وقت بالکل مختلف ہو جاتا ہے جب اس پر خود پڑتی ہے۔ تو میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ مندروں کے خلاف کچھ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ تم یہ دیکھو کہ بدری پرشاد کے بیان نے متھرا میں ہندو مسلمانوں کی کایا ہی پلٹ دی۔ یہ دشمنی تو نجانے کب تک چلتی لیکن وقت نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔ آج ہندو اتنی بری نگاہوں سے مسلمانوں کو نہیں دیکھتے جتنی بری نگاہیں ایک دن ان کی ہو گئی تھیں۔ اس طرح سے کم سے کم اتنا بھی ہوا ہے کہ متھرا کی فضا مسلمانوں کے لئے سازگار ہو گئی ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ ہم مندروں کے خلاف نہیں بلکہ مندروں کے ان باسیوں کے خلاف جو مندروں کی فضا کو مسموم کر رہے ہیں، وہاں برائیاں پیدا کر رہے ہیں کام کریں گے۔ لیکن بڑی ہوشیاری کے ساتھ۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں۔ آپ جیسا کہہ رہے ہیں ویسا ہی ہوگا۔''

''یہ مجبوری ہے۔''

''بالکل مجبوری ہے۔'' لکشمن نے راج ماتھر کی ہر بات سے اتفاق کر لیا تھا۔

ادھر گردھاری لعل جی اب ذرا کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لکشمن آیا تو ان کے پاس تھا لیکن ان کے ہاتھ ہی نہیں لگتا تھا بلکہ اب تو ایک طویل عرصہ ہو گیا تھا اور اس نے لکشمن کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ ایک دن وہ لکشمن کی تلاش میں جمنا کنارے نکل آیا۔ جگہ جگہ اُس نے لکشمن کو تلاش کیا مگر لکشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا۔ پریشان ہو کر واپس آ گیا۔ دھرم پتنی سے کہا۔

''تلیا رام نے اپنا بیٹا میرے پاس بھیجا تھا۔ لڑکا تو برا نہیں ہے وہ۔ پر بھگوان جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ جوان لڑکا ہے۔ راستہ بھٹک گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''راستہ کیا بھٹک جائے گا، جب آپ کہتے ہو کہ وہ اچھا لڑکا ہے۔''

''ارے بھاگوان! سنسار کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ بھگوان نے عورت کو مرد کی کمزوری بنا کر پیش کیا ہے۔ مرد چاہے کتنا ہی دھرم پجاری کیوں نہ ہو، عورت کے پھیر میں پڑا تو سارا دھرم کرم بھول جاتا ہے۔''

''اچھا جی۔ عورت اتنی بری چیز ہے؟''

''بری کون کہہ رہا ہے ری۔ بری ہوتی تو انسان اس طرح پاگل ہو جاتا اس کے لئے؟''

''تم تو پاگل نہ ہوئے۔''

''میں تو نہیں ہوا۔ لیکن تو پاگل ضرور ہے۔''

''کیوں آخر؟''

''بات کسی اور کی کر رہا ہوں، لے جا رہی ہے اپنے اوپر۔''

''نہیں، تم تو عورت اور مرد کی بات کر رہے ہو۔''

''میں کچھ اور کہہ رہا تھا اور تو نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی۔ تجھ سے تو بات کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو میں کون سا غصہ کر رہی ہوں...... بتاؤ تو سہی۔''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جمنا گھاٹ پر سندر ناریاں نہاتی دھوتی ہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ آس پاس کے درختوں پر لڑکے چڑھے ہوتے ہیں۔ وہاں سے جمنا گھاٹ کا نظارہ کرتے ہیں۔ کہیں یہ سسرا بھی تو انہی چکروں میں نہیں پھنس گیا؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے؟''

''میں تو بڑا پریشان ہوں۔ تلیا رام کو بلانا ہی پڑے گا۔''

''بلالو...... رام پور ہے کتنی دُور؟''

''سوچے گا کیا میرے بارے میں؟''

''کیا معلوم کیا سوچے گا۔''

''بلاتا ہوں اُسے۔'' چنانچہ گردھاری لعل جی نے تلیا رام کو خط لکھ دیا اور تلیا رام ہانپتا کانپتا اُن کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے گردھاری لعل جی! خیر تو ہے؟''

''ہاں، ہے تو خیر۔ بس ذرا لکشمن کے بارے میں بات کرنی تھی تم سے۔''

''کر دیا کیا کچھ اُس نے؟'' تلیا رام نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں، کیا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے گیان دھیان سیکھنے کے لئے اُسے میرے پاس بھیجا تھا۔ میرے پاس تو وہ رہتا ہی نہیں ہے۔''

''نہیں رہتا ہے؟''

''ہاں۔''

''تو پھر؟''

''کہتا ہے کہ مندروں میں جا کر گیان حاصل کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں دیکھ لوں گا کہ ایک دن وہ بڑا گیانی بن کر سامنے آئے گا۔''

''ارے باپ رے باپ...... تو وہ یہ کہہ کر نکل گیا ہے گردھاری لعل جی؟''

''ہاں۔''

''اور تم نے مجھے شروع سے بتایا بھی نہیں؟''

''لڑکا اچھا ہے۔ میں تو اب بھی تمہیں نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔ لیکن یہ ڈر لگا کہ جب پانی سر سے اُونچا ہو جائے تو پھر تمہیں پتہ چلے۔''

''پکڑ کر لاؤ دسرے کو۔ ہے کہاں، میں بھی تو دیکھوں۔''

''کہاں دیکھو گے بھائی! مجھے تو ملا نہیں۔''

''ارے باپ ہوں اُس کا۔ جمنا گھاٹ کنارے دیو کنیائیں نہاتی ہیں۔ ان کے پھیر میں پڑا ہوگا۔ ایک بار کی بات ہے کہ میں نے صبح کے ستارے کے گیان کے لئے اسے

چھت پر بھیج دیا۔ برابر میں رہتی تھی سکھیا رام کی نوجوان بیوی۔ بس سکھیا رام کی بیوی کے پیچھے لگ گیا۔ بڑی مشکل سے وہاں سے ہٹایا اور ادھر بھیج دیا تمہارے پاس۔''

''تب تو پھر بات وہی ہوگی۔''

بہرحال دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے یہ دونوں بوڑھے لکشمن کی تلاش میں نکل پڑے۔ اتفاق کی بات تھی کہ یونہی ٹہلتے ٹہلتے وہ دُور دراز مندروں کی جانب چل پڑے۔ ایک مندر کے پاس انہوں نے کسی کو دیکھا۔ یہ لکشمن ہی تھا۔ دُور سے باپ اور گردھاری لعل جی کو دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہیں پالتی مار کر آسن جما کر بیٹھ گیا، دونوں ہاتھ جوڑ لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ ادھر گردھاری لعل اور تلیا رام جی ایک نوجوان سادھو کو دیکھ کر جو تپسیا کر رہا تھا بہت خوش ہوئے اور یونہی اُس کے درشن کے لئے اُس کی طرف چل پڑے۔ اور جب قریب پہنچے تو تلیا رام کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اصل میں دُور سے اس لئے نہیں پہچان سکے تھے کہ لکشمن کے خوبصورت بال اُس کے سر پر نہیں تھے۔ لیکن یہ حلیہ دیکھ کر تلیا رام کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

''کیا ہے تلیا رام! کیوں رُک گئے؟'' گردھاری لعل نے پوچھا۔

''گرو جی، وہ دیکھئے۔''

''ہاں دیکھ رہا ہوں۔ بالی سی عمر ہے۔ اور بھگوان جس کو گیان دینا چاہتا ہے ایسے ہی دے دیتا ہے۔''

''اور بھی کچھ دیکھئے گرو جی!''

''کیا؟''

''ارے اس کی شکل تو دیکھئے اچھی طرح سے۔''

''دیکھ رہا ہوں۔''

''پھر تو آپ اندھے ہی ہوگئے ہیں۔''

''کیوں...... کیا مطلب ہے؟''

''وہ لکشمن ہے۔''

''ایں......؟'' گردھاری لعل چونک پڑے۔

''میرا بیٹا ہے وہ۔ اگر آپ کا خون ہوتا تو آپ بھی اسے پہچان لیتے۔ آیئے، قریب آیئے۔'' دونوں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ لکشمن تو پہلے ہی ان دونوں کی آمد سے باخبر تھا۔

اس طرح محو ہو گیا جیسے اُس کو قدموں کی چاپ کا بھی کوئی اندازہ نہ ہو رہا ہو۔ گردھاری لعل جی اُس کے پاس پہنچ گئے اور پھر انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جے بھگوان...... جے بھگوان، تیری لیلا ہی نرالی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ٹھیک کہتا تھا۔''

''دیکھ لیں آپ۔ بڑی بات ہے۔''

''ہاں واقعی بڑی بات ہے۔ بلاؤ اسے۔''

''نہیں، آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کی تپسیا بھنگ نہیں کرنی چاہئے۔''

دونوں خاموشی سے واپس چل پڑے۔ تکیا رام کے تو پاؤں خوشی سے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ لیکن گرو گردھاری لعل بھی بہت متاثر ہوئے تھے۔ گھر پہنچ کر تلکیا رام نے کہا۔

''ہاں گرو جی، اب بتائیے۔''

''نہیں بھائی نہیں۔ بہت بڑا گناہ ہو گیا مجھ سے تو۔ میں نے اس جیسے مہاپرش پر شک کیا۔ مہان آتما ہے اس کی۔ اب مجھے اطمینان ہے۔''

''مجھے بھی بڑا اطمینان ہے۔''

''دھن واد ہو تلکیا رام جی! بڑا بیٹا ملا ہے آپ کو۔''

''مجھے تو حیرت ہے کہ اس کی کایا کیسے پلٹ گئی۔ میں نے آپ کو تلسی کا قصہ تو سنایا ہی تھا۔''

''بس بھگوان کے چرنوں میں جسے بھی آنند مل جائے۔'' دونوں بوڑھے مطمئن ہو گئے۔

اُدھر لکشمن بھی مطمئن تھا۔ اُس کا اپنا کام جاری تھا۔ راج ماتھر نے ایک سخت گیر پولیس آفیسر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالی ہوئی تھیں اور اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔ لیکن خفیہ طور پر اس کا رابطہ لکشمن سے تھا۔ دونوں نے ملنے کے لئے ایک مخصوص جگہ منتخب کر لی تھی۔ آج رات بھی راج ماتھر ایک عام یاتری کی حیثیت سے مندروں کے درمیان گھومتا ہوا اُس جگہ پہنچ گیا جہاں لکشمن موجود تھا۔

''ہاں لکشمن، سناؤ۔ کیسی گزر رہی ہے؟''

''بس ماتھر مہاراج! ایک مہاشے نگاہوں میں آئے ہیں۔''

''اچھا، کون ہیں؟''

''پنڈت پربھاکر۔ یہ سامنے والے مندر میں ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس میں ایک دیوکنیا ہے میری ملاقات ہوئی تھی۔''

''تو پھر؟''

''بے چاری بڑی دُکھی نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگی کہ پربھاکر مہاراج ناراض ہوں گے اگر انہوں نے اسے میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بس آج کل ان کی ٹوہ میں لگا ہوا ہوں۔''

''دیکھو، تلاش کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی بہتر صورتحال سامنے آئے۔''

تین دن کی کوششوں کے بعد پتہ چلا کہ پربھاکر مہاراج بھی مہاویر کی طرح غلط آدمی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا، کیا جائے؟ چنانچہ راج ماتھر خود بھی پربھاکر کی ٹوہ میں لگ گیا اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ بات بالکل ٹھیک تھی۔ پربھاکر مہاراج بھی مندروں کے تقدس کو پامال کر رہے تھے۔ راج ماتھر نے فیصلہ کیا کہ بہت سی معصوم لڑکیوں کی عزت بچانے کے لئے پربھاکر مہاراج کو یہ سنسار چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن یہ بات بھی طے تھی کہ پربھاکر مہاراج کو اس طرح کھلے عام قتل نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے لئے کوئی دوسرا عمل کرنا ہوگا۔ اور راج ماتھر جیسے آدمی نے حل نکال لیا۔ پربھاکر مہاراج کی رہائش گاہ دیکھ لی گئی۔ پربھاکر مہاراج اپنی اس رہائش گاہ میں خوب رنگ رلیاں مناتے تھے۔ راج ماتھر نے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبے کے تحت اُس نے ایک سپیرے سے ایک زہریلا سانپ خریدا اور اسے ایک ٹوکرے میں بند کر لیا۔ زہریلا سانپ تین دن تک بھوکا رکھا گیا۔ اور چوتھے دن اس کو اس وقت پربھاکر مہاراج کے اس استھان میں چھوڑ دیا گیا جب وہ وہاں تنہا تھے اور رنگ رلیوں کی تیاریاں کر رہے تھے۔

بھوکے سانپ نے پربھاکر مہاراج کو چھ دفع ڈسا اور اس کے بعد وہاں سے فرار ہو گیا۔ پربھاکر مہاراج ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ یہ ایک بہترین منصوبہ بندی تھی۔ پانچ ایسے مندروں کے بڑے پجاریوں کو اس انداز میں موت کے گھاٹ اتارا گیا اور اس کے بعد بڑی ذہانت سے یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ ناگ دیوتا ان پاپیوں کو ڈستے پھر رہے ہیں جو مندروں کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ان پجاریوں کے بارے میں جانتے بھی تھے کہ یہ کس طرح کے لوگ ہیں۔ چنانچہ مندروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ پجاریوں نے خفیہ طور پر متھرا چھوڑ دیا۔ یاتری الگ خوفزدہ تھے۔ ناگ دیوتا برے لوگوں سے انتقام لینے پر اُتر آئے تھے۔ بھلا انہیں روکنے والا کون؟ چنانچہ ایک خوفناک ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی تھی۔

راج ماتھر بہت خوش تھا۔ ادھر لکشمن بھی بہت خوش تھا۔ راج ماتھر نے لکشمن کو بدھائی دیتے ہوئے کہا۔

''لکشمن! یہ بڑا نیک کام ہوا ہے۔ چاہے اس کا طریقہ کار کچھ بھی ہو، لیکن بھگوان اس بات پر ہم سے خوش ہوں گے۔''

''ہاں ہاں...... کیوں نہیں مہاراج!''، لکشمن نے جواب دیا تھا۔

۞.....۞

بہر حال مندروں کی دنیا اتنی حسین تھی کہ لکشمن کو یہاں بہت لطف آ رہا تھا۔ باپ بیٹے سے ملے بغیر چلا گیا تھا۔ لکشمن اب بھی ان مندروں کی کھوج میں لگا رہتا تھا۔ اکثر وہ متھرا کے دُور دراز علاقوں میں جا نکلتا تھا۔ اس دن بھی وہ بس ایسے ہی ایک آوارہ گرد کی حیثیت سے بہت دُور نکل آیا تھا۔ جس جگہ وہ پہنچا تھا وہاں چکنی مٹی کے ٹیلے دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کہیں کہیں سوراخ بھی تھے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اب یہاں بیٹھ کر دُور دُور تک کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت اُس کے ذہن میں بے شمار سوچیں تھیں۔ وہ اپنے ماضی پر غور کر رہا تھا۔ پتا جی بے چارے اُلٹی سیدھی پوتھیاں بنا کر لوگوں کو ان کی تقدیر کا حال بتاتے تھے۔ اسی میں جیون بسر ہو رہا تھا۔ ادھر دھنی ٹھاکر کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس بے چارے کے ساتھ کیا ہوا۔ ویسے اُس نے بڑی خدمت کی تھی لکشمن کی۔ اور آج لکشمن کو جو جان ملی تھی وہ دھنی ٹھاکر کی مہربانیوں کا نتیجہ ہی تھی۔ خوب کھلایا پلایا تھا انہوں نے لکشمن کو۔ اس کے علاوہ تلسی بھی اُس کی دوست تھی۔ ایک اچھی لڑکی جو وقت کی گردش کا شکار ہو گئی تھی۔ حالانکہ اُس کی عمر کچھ بھی نہیں تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنی تقدیر پر قناعت کر لی تھی اور کسی سے کوئی گلہ نہیں کرتی تھی۔ سکھیا رام اور اس کی عمر میں دادا پوتی کا فرق تھا لیکن گزارا کر رہی تھی۔

لکشمن نے سوچا کہ کیا زندگی انہی مندروں تک محدود ہے؟ انسان تو دنیا میں نجانے کیا کیا کر لیا کرتے ہیں۔ اُس کا بیچارہ معصوم سا باپ صرف اس اُمنگ اور آرزو میں جی رہا تھا کہ بیٹا ایک بڑا جوتشی بن جائے گا۔ لکشمن نے یہ سوچا ہی تھا کہ دُور اُس نے ایک ٹیلے کے پاس کسی کو متحرک دیکھا اور چونک پڑا۔ کون ہے وہ؟ تجسس اُس کے ذہن میں جاگ اُٹھا۔ بچپن کی سرکشی تو فطرت کا ایک حصہ تھی ہی۔ چنانچہ اُس کی کھوج میں چل پڑا اور چکنی مٹی کے اُس ٹیلے کی طرف چل پڑا جس میں ایک بڑا سا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ یہ سوراخ کسی غار وغیرہ کا نہیں تھا بلکہ ٹیلے ہی میں کٹاؤ سے یا تو پیدا ہو گیا تھا یا بنا لیا گیا تھا اور اس کٹاؤ میں

اُس نے ایک عمر رسیدہ بوڑھے کو دیکھا جس کی داڑھی اُس کے سینے پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ لکشمن نے اُسے غور سے دیکھا، ایک سادھو تھا جو یہاں بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ لکشمن نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔

''جے رام جی کی مہاراج۔''

''جے رام جی کی لکشمن۔'' بوڑھے نے جواب دیا اور لکشمن کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''کیا کہا آپ نے مہاراج؟''

''تیرے پرنام کا جواب دیا ہے بیٹا۔''

''مگر آپ نے میرا نام لے کر ہی جواب دیا ہے۔''

''ہاں، تو پھر؟''

''میرا مطلب ہے آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا بیٹا! آکاش جانتا ہے، ستارے جانتے ہیں۔''

''آکاش، ستارے؟''

''ہاں، بیٹھ جا۔'' بوڑھے نے کہا اور لکشمن عقیدت سے بوڑھے کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہ بڑی بات تھی کہ بوڑھے نے اُسے اُس کا نام لے کر پکارا تھا۔

''لکشمن ہے نا تیرا نام؟''

''ہاں ہے تو لکشمن ہی مہاراج۔''

''پتا کا نام تلیا رام ہے۔''

''جی بالکل۔'' لکشمن اور حیران ہو کر بولا۔

''اور وہ بھی جوتش وِدّیا جانتا ہے۔''

''ہاں مہاراج! مگر آپ نے ایک جملہ کہا کہ وہ بھی۔''

''ہاں بیٹا! بھگوان نے انسان کو بڑی قوتیں دی ہیں، بہت کچھ سکھا دیا ہے اسے۔ بڑا جانتا ہے وہ سنسار کے بارے میں۔ لیکن یہ بھگوان ہی کا کام ہے کہ جسے جو کچھ بھی دیدے۔''

''جی مہاراج...... مہاراج، آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیے۔'' لکشمن نے عقیدت سے کہا۔

''بیٹا! میرا نام گیانیشور ہے۔ میرے پتا جی بھی ستارا شناس تھے۔ ستاروں میں جیون بتا دیا۔ جب تک وہ جیتے رہے مجھے بھی اپنے راستے پر لگانے کی کوشش کرتے رہے۔ پر میرا جیون ہی الگ تھا۔ میں جیتی جاگتی دنیا کا ہنستا کھیلتا انسان تھا۔ ستاروں کی کہانیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس بیٹا، تم یہ سمجھ لو کہ ایسے ہی جیون بتا دیا۔ کوئی دلچسپی نہیں لی پتا جی کے کام سے۔ اس کے بعد وہ دنیا سے سدھار گئے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ماتا پتا کیا چیز ہوتے ہیں۔ وہ فرمائش کیوں کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے بیٹا! کہ ان کے اپنے من میں کچھ نہیں ہوتا وہ صرف اپنی سنتان کی بہتری چاہتے ہیں۔ یہ بات پتا جی کی موت کے کافی عرصے کے بعد میرے دماغ میں بیٹھی۔ بہر حال میں نے ستاروں کا علم سیکھنا شروع کر دیا۔ پتا جی کی آتما مجھے راستے دکھا رہی تھی اور میں ستاروں سے قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آکاش میں بکھرے ہوئے یہ ستارے ہر انسان کی تقدیر سے منسلک ہوتے ہیں اور ان میں انسانوں کی کہانیاں درج ہوتی ہیں۔ بہت بڑا کام ہوتا ہے یہ کہ اتنی بڑی دنیا میں کسی انسان کا ستارہ تلاش کر لیا جائے۔ لیکن پھر ایک ستارے ہی نے مجھے سنسار کے اس انوکھے کھیل سے آگاہ کیا اور وہ انوکھا کھیل جانتے ہو کیا ہے؟''

''نہیں گیانیشور مہاراج۔''

''ستارے نے کہا کہ منش کی تقدیر کا حال ان ستاروں میں نہیں ہوتا۔ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ ہر شخص کے چہرے پر اُس کی ساری عمر کی لکیریں درج ہوتی ہیں۔ ایک نگاہ اُسے دیکھو اور عقل ہو تو اس کی ساری کہانی تمہارے ذہن میں آ جائے۔ یہ سارے کرم بھگوان کے ہیں اور بھگوان نے انسان کو بس اتنا ہی بتایا ہے جتنا اس سے برداشت ہو سکے۔ اگر وہ ضرورت سے زیادہ جان لے تو اسے بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے۔ سنسار کے بارے میں زیادہ جان لینا بھی ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے بیٹا کہ سنسار کیا چیز ہے۔''

''آپ مجھے ایک بات بتائیے گیانیشور مہاراج! آپ نے میرا نام بھی جان لیا اور میرے باپ کا نام بھی۔ باقی سب کچھ بھی جان لیا آپ نے۔ آپ سچ مچ گیانیشور ہیں یا یہ آپ کا علم ہے؟''

''نہیں بیٹا، گیانیشور میرا نام تو میرے ماتا پتا نے ایسے ہی رکھ دیا جیسے کسی اور کا رکھا جاتا ہے۔ بس پتا جی کی موت کے بعد میرے اندر ایک لگن پیدا ہو گئی تھی اور اس لگن نے

مجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔"

"تو آپ نے میرے چہرے کی لکیریں پڑھ کر میرے بارے میں اندازہ کیا؟"

"ہاں بیٹا! میں تجھے اور بھی کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا گیانیشور مہاراج؟"

"بیٹا بس اتنا ہی بتاؤں گا جتنا بتانا مناسب ہوگا۔ اگر میں تجھ سے یہ کہوں کہ میں تیرا یہاں انتظار کر رہا تھا تو ہنسے گا تو نا میری بات پر؟"

"اب نہیں ہنسوں گا مہاراج۔"

"کیوں؟" گیانیشور نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ آپ نے میرا نام لیا۔ آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔"

"بیٹا! تیری مہربانی ہے کہ تو نے اس بوڑھے پر اتنا اعتبار کر لیا۔ جیون کا ابتدائی حصہ میں نے ایسے ہی کاموں میں گزارا۔ کھیل کود، سیر تفریح۔ سمجھ لے تیری طرح۔ بعد میں مجھے یہ گیان دھیان حاصل ہوا تو میں گیان کے سمندر میں اُترتا چلا گیا۔ سمندر کا کنارہ تو خیر کسی کو کیا ہی ملتا ہے لیکن جس جگہ میں نے سمندر سے سر اُبھارا، وہاں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ میری تو عمر ہی ختم ہو گئی ہے۔ بڑا دُکھ ہوا بیٹا یہ جان کر کہ میرے جیون کے چند لمحے باقی ہیں۔ جو کچھ میں نے سیکھا تھا وہ تو ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ساری عمر ختم ہو گئی۔ کیا فائدہ ان ساری کٹھنائیوں سے گزرنے کا۔ کیا ملتا ہے جیون میں منش کو؟ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تو بھگوان کے کھیل ہیں۔ شداد نے جنت بنائی۔ جنت میں اپنا پاؤں بھی نہ رکھ سکا۔ ایسے بہت سے کھیل ہو چکے ہیں اس سنسار میں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے اور میں نے بھی غلط نہیں کہا تھا کہ میں تیرا انتظار کر رہا تھا۔ بھگوان کی سوگند، مجھے پتہ تھا کہ تو آ رہا ہے اور میرے بعد تو میرے سارے اثاثوں کا مالک بنے گا۔"

"اثاثے؟" لکشمن حیرت سے اُچھل پڑا۔

"ہاں۔"

"کیسے اثاثے مہاراج؟"

"جو کچھ میں نے سیکھا ہے بیٹا میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے ساتھ میری چتا میں جل کر بھسم ہو جائے۔ میں اسے کہیں محفوظ کر دینا چاہتا ہوں۔ اور وہ تو ہے جو میرے ان اثاثوں کا مالک بنے گا۔ یہ بھی مجھے میرے علم نے ہی بتایا ہے۔"

"مم...... میں؟" لکشمن حیرت سے اُچھل پڑا۔

"ہاں تو۔ میں تجھے اپنا ترکہ دے کر جا رہا ہوں۔"

"مگر کیسے؟"

"میرے پاس آ۔" گیانیشور نے کہا اور لکشمن بے اختیار اُس کے پاس پہنچ گیا۔

گیانیشور بڑی محبت سے بولا۔ "لیٹ جا بیٹا۔"

"مگر مہاراج! ایک بات تو بتایئے۔ آپ تو اچھے خاصے تندرست ہیں۔ آپ کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی عمر ختم ہو گئی؟"

گیانیشور نے کہا۔ "بتا دوں گا میں تجھے۔ لیٹ جا اس جگہ۔"

لکشمن وہیں کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا۔ گیانیشور خود بھی سیدھا لیٹ گیا۔ پھر اُس نے اپنا داہنا ہاتھ لکشمن کے سینے پر رکھ دیا اور اس کے بعد دیر تک اسی طرح لیٹا رہا۔ دو منٹ، دس منٹ، بیس منٹ، پچاس منٹ۔ لکشمن لیٹے لیٹے تھک گیا تھا۔ اُس نے کہا۔

"اب اور کتنی دیر تک مجھے لیٹا رہنا پڑے گا گیانیشور مہاراج؟"

گیانیشور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"مہاراج! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔" لکشمن پھر بولا اور جب اُسے جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ گیانیشور کا ہاتھ زمین پر جا پڑا تھا۔

"میں آپ سے پوچھ رہا تھا کہ مجھے اور کتنی دیر اس طرح زمین پر لیٹنا پڑے گا؟"

لکشمن نے کسی قدر خشک لہجے میں گیا اور گیانیشور کے چہرے پر نظر ڈالی۔ لیکن دوسرے لمحے اُسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے گیانیشور نڈھال ہو گیا ہو۔ لکشمن نے جلدی سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ٹٹولا، ہاتھ بالکل سرد تھا۔ نبض دیکھی، نبض بھی نہیں چل رہی تھی۔ سینے پر کان لگا کر دل کی دھڑکنوں کی آواز سنی لیکن کچھ بھی نہیں باقی بچا تھا۔ لکشمن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ بوڑھے گیانیشور نے سب کچھ ٹھیک کہا تھا۔ اس کے جیون کا سمے ختم ہو گیا تھا۔

دفعتہً ہی لکشمن کو اپنے سینے پر ایک بوجھ سا محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے گیانیشور کا ہاتھ خود اُس کے سینے پر جا کر پڑا ہو۔ لیکن اس بار لکشمن کے ذہن میں عجیب سی گڑبڑ ہونے لگی تھی۔ وہ یاد کرنے لگا تھا کہ گیانیشور نے اُس سے کچھ کہا تھا اور سینے کا یہ بوجھ اور دماغ کی یہ روشنی سو فیصدی گیانیشور کا ترکہ تھی۔ پتہ نہیں مجھ میں کیا تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ لکشمن

نے سوچا۔ بہر حال بوڑھا گیا نیشور مر چکا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اس کی چتا جلا دی جائے۔ بہر حال لکشمن نے بڑی محنت کی۔ لکڑیاں جمع کر کے چتا تیار کی۔ ارتھی بنانے کا تو خیر کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ گیا نیشور کی لاش کو لکڑیوں میں رکھ کر اس نے اسے آگ لگا دی اور پھر آخر تک گیا نیشور کو جلتا ہوا دیکھتا رہا۔ جب چتا ٹھنڈی ہو گئی تو وہ شانے ہلا کر وہاں سے واپس پلٹا اور بولا۔

''گیا نیشور مہاراج، آپ نے مجھے کیا دیا ہے کیا نہیں دیا یہ تو سنسار کا تجزیہ کر کے ہی معلوم ہو گا۔ لیکن میں آپ کی کوئی اور سیوا نہیں کر سکا جس کا مجھے دُکھ ہے۔ آپ یقیناً مہان تھے۔ کیونکہ جو کچھ آپ نے کہا وہ سچ نکلا۔ بہر حال بھگوان میری مدد کرے۔''

لمبا فاصلہ طے کر کے آخر کار وہ مندروں تک پہنچ گیا۔ تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ راج ماتھر اُسے نظر آیا۔ وہ اُسے ہی ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

''ارے تم کہاں پھر رہے ہو لکشمن! میں تو تمہاری تلاش میں تھا۔''

لکشمن نے نگاہیں اٹھا کر راج ماتھر کو دیکھا کہ دفعتہً ہی اُس کے ذہن سے کچھ خیالات ٹکرائے۔ راج ماتھر سوچ رہا تھا۔

''کہیں یہ آدمی میرے لئے خطرناک نہ ثابت ہو۔ اگر اس نے کبھی انکشاف کر دیا کہ میں نے مندر کے پجاریوں کو اس طرح قتل کر دیا ہے تو میری زندگی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔ کیا کروں اس کے لئے کیا نہ کروں؟ اگر یہ روپ کلا کو پسند کر لیتا اور اسے بہن نہ بناتا تو میں روپ کلا کی شادی اس سے کر دیتا۔ اس طرح بھی یہ خطرہ ختم ہو سکتا تھا۔''

لکشمن حیرت سے چونک پڑا۔ یہ راج ماتھر کے ذہن کے خیالات تھے جو اُس کے دماغ تک پہنچے تھے۔ بس ایک نگاہ راج ماتھر کے چہرے پر ڈالی تھی۔ راج ماتھر نے کہا۔

''کیا دیکھنے لگے لکشمن؟''

''بس ماتھر مہاراج، آپ کی صورت دیکھ رہا تھا۔''

''کیا بات نظر آئی ہے تمہیں میری صورت میں؟''

''بڑے سندر ہیں آپ۔ مالتی بھابھی جی بڑی خوش نصیب ہیں۔''

''مگر میں تمہارا کیا کروں دوست! کیا تمہیں ہلاک کر دیا جائے؟ کیا کروں میں تمہارے ساتھ؟''

لکشمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے کہا۔ ''میں ہر طرح سے آپ کا

وفادار ہوں ماتھر جی مہاراج! ہم لوگوں نے ایک مشن پر کام کیا اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔ آج متھرا کے ہر مندر میں دیوداسیوں کا رقص بند ہو چکا ہے۔ یہ ہماری ہی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ کوئی پجاری اگر من کا برا بھی ہے تو اب کچھ کرتے ہوئے گھبراتا ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے ہماری۔ اور میں نے یہ سب کچھ خلوص سے ہی کیا ہے۔''

لکشمن کے الفاظ پر راج ماتھر کا چہرہ اُتر گیا۔ اُسے اس بات کی شدید حیرت ہوئی تھی کہ جو کچھ اس کے دماغ میں تھا، لکشمن اس کے بارے میں کیسے بتا رہا ہے؟ پھر بھی اُس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں لکشمن؟''

''میں بتا رہا تھا آپ کو ماتھر مہاراج جی۔ اب یہ بتایئے آگے کیا پروگرام ہے آپ کا؟''

لکشمن کے ان الفاظ پر ماتھر نے اطمینان کی گہری سانس لی اور بولا۔ ''بس متھرا دہلی جیسی جگہ نہیں ہے۔ دہلی کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہاں تو بس میں نے ایک نیک مقصد کے لئے اپنا تبادلہ کرایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں اب مجھے دہلی واپس چلے جانا چاہئے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''آپ بالکل بے فکر رہئے راج ماتھر مہاراج! آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ آپ نے تنہا نہیں کیا، میں بھی آپ کے ساتھ برابر کا شریک تھا بلکہ آپ کو اس راستے پر لانے والا ہی میں ہوں۔ بھلا میں کبھی اس بات کا انکشاف کیوں کروں گا؟ اور پھر میری اور آپ کی دوستی رہی ہے۔ دوست کیا دوست کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟''

راج ماتھر کے چہرے پر ایک بار پھر شدید حیرت پھیل گئی تھی۔

''نن...... نہیں تو۔ میرا تو یہ مقصد ہے کہ میں...... تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اس کی وجہ کیا ہے؟''

جواب میں لکشمن ہنس پڑا، پھر بولا۔ ''پتہ نہیں آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں راج ماتھر مہاراج۔ میں ایسے ہی کہہ رہا ہوں آپ سے۔ کب جا رہے ہیں دہلی؟''

''دیکھو واپسی کے لئے کوشش کرنا پڑے گی۔ بہر حال ہمارا کام تو یہاں تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے۔''

''ہوں۔ بھگوان کے مندروں میں صرف پوجا پاٹ ہوتی ہے۔ مہاویر اور پربھاکر جیسے سادھو یہاں گندگی نہیں پھیلا رہے ہیں بلکہ جو تھے وہ راتوں رات یہاں سے بھاگ گئے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے اس بات کا۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔ یا ابھی رُکو گے؟ جب ہمارا کام ختم ہو گیا ہے تو حلیہ بدلوا پنا۔''

''آپ چلیئے راج ماتھر مہاراج! پہنچ جاؤں گا میں کسی سمے۔'' لکشمن نے کہا۔

''میں انتظار کروں گا تمہارا۔'' راج ماتھر نے کہا اور اس کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ لکشمن نے ہنس کر کہا۔

''ماتھر مہاراج! یہ دیکھ لیجئے، بھگوان بھی اُلٹے سیدھوں کو سب کچھ دے دیا کرتا ہے۔ میں تو ایک ناکارہ سا انسان ہوں، میں نے کسی سے ایسی شکتی کو حاصل کرنے کی بات نہیں سوچی تھی۔ پر بھگوان نے مجھے یہ عجیب شکتی دے دی۔ کسی کے من کی باتیں میرے علم میں آ جاتی ہیں۔ کتنی آگاہی ہو گئی ہے مجھے راج ماتھر جی کس برے انداز میں سوچ رہے ہیں۔ بہر حال اچھا انسان ہے۔ حالانکہ میں اس کی نیت سے واقف ہو چکا ہوں مگر پھر بھی اسے کوئی نقصان پہنچانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کی حیثیت سے وہ مجھے پسند ہے۔ خود ہی کنارہ کشی کر لینا زیادہ بہتر ہو گا۔''

اور اس کے بعد لکشمن نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک جب تک راج ماتھر دہلی نہ چلا جائے اپنے آپ کو روپوش رکھنا زیادہ ضروری تھا۔ البتہ جو قوت اُسے اب حاصل ہو چکی تھی اس سے بھی وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا تو وہاں اُسے ایک خوش پوش شخص نظر آیا۔ سر پر کالی ٹوپی رکھے اور دھوتی باندھے، کوٹ پہنے ہوئے۔ وہ کوئی بڑی شخصیت معلوم ہوتی تھی۔ لکشمن دُور سے اُس کا جائزہ لینے لگا تو اُس شخص کے خیالات لکشمن کے دماغ تک پہنچ گئے۔ وہ اپنے داماد کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی بیٹی سے ناراض ہو کر متھرا واپس آ گیا تھا۔ پریشان تھا وہ شخص۔ لکشمن کو دلچسپی کی بات سوجھی تو وہ اُس کے پاس جا بیٹھا اور بولا۔

''مہاراج! ہزار روپے دیں تو آپ کو ایک بڑے کام کی بات بتاؤں۔''

ٹوپی والے شخص نے چونک کر اُسے دیکھا اور بولا۔ ''تم کوئی چکر باز معلوم ہوتے ہو۔ کیا کام کی بات بتاؤ گے مجھے ہزار روپے میں؟''

''ہزار روپے نکالیے مہاراج! تب بات ہو گی۔''

''اُٹھ جاؤ میرے پاس سے۔ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بتا سکتا تھا کہ آپ کو اپنے داماد کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ آپ

نہیں مان رہے تو نہ سہی۔''

لکشمن اُس کے سامنے سے اٹھا تو وہ شخص مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''سنو سنو...... میری بات سنو۔ معافی چاہتا ہوں میں تم سے۔ کون ہو تم میرے داماد کے؟ یہ بتاؤ۔ بیٹھو۔''

لکشمن مسکراتا ہوا بیٹھا اور بولا۔ ''نہ میں آپ کا کچھ ہوں اور نہ آپ کے داماد کا۔ آپ پریشانی سے اپنے داماد کے بارے میں سوچ رہے تھے، میں نے آپ کو بات بتا دی۔ لیکن اس سے آگے کی بات ہزار روپے میں بتاؤں گا۔''

''تم میرے داماد کے کوئی رشتہ دار معلوم ہوتے ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ آپ مانتے ہیں تو مان لیں۔ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''

''ہوں ..... اچھا یہ لو ہزار روپے۔ بتاؤ میرا مسئلہ کیا ہے؟''

''ہاں۔ آپ کا داماد ایک غریب آدمی تھا۔ آپ کی بیٹی نے اُس سے محبت کی، آپ کو بتا دیا۔ آپ کے داماد نے آپ کی بیٹی سے صرف اس لئے شادی کی کہ وہ ایک نکما اور ناکارہ آدمی ہے اور آپ دولت مند۔ اُس نے آپ کی بیٹی کے ذریعے آپ سے دولت مانگنا چاہی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ وہ ناراض ہو کر یہاں آ گیا۔ یہی بات ہے نا؟''

''بھگوان کی سوگند تم مجھے عجیب لڑکے معلوم ہوتے ہو۔ میرے دل میں تو یہی بات آ رہی ہے کہ تم ضرور کھنہ کے رشتہ دار ہو اور اسے جانتے ہو۔ ہو سکتا ہے تم اس کے دوست ہو۔''

''دوست تو میں آپ کا بھی ہوں دیا شنکر مہاراج! اور آپ کو ایسا گر بتا سکتا ہوں جس سے آپ کا داماد ٹھیک ہو جائے۔''

''چلو تمہاری بات مانے لیتا ہوں میں۔ سب کچھ تو جانتے ہو تم ہمارے بارے میں۔ بتاؤ ایسا کیا کام ہو سکتا ہے؟''

''آپ اپنے داماد سے ملیں، اُسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور پھر اُسے بتائیں کہ اُس نے جیون میں کون کون سے برے کام کئے ہیں۔ نتیجے میں آپ اُسے پولیس میں بھی دے سکتے ہیں۔ ان کاموں کی تفصیل میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔''

لکشمن نے کہا اور پھر بہت دیر تک دیا شنکر سے بات کرتا رہا۔ دیا شنکر نے جیب سے کچھ اور رقم نکالی اور بولے۔

''تم تو بڑے گیانی معلوم ہوتے ہو مجھے۔ جو کام میں اتنے عرصے میں نہیں کر سکا وہ تم

نے کر ڈالا۔ بیٹا! بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ یہ رقم رکھ لو۔ میں وہی کروں گا جو تم نے مجھے بتایا ہے۔''

''اور اس سے سارا کام ٹھیک ہو جائے گا مہاراج۔''

''ہاں، اب تو مجھے یہی لگ رہا ہے۔ میں اُس کی فطرت کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی۔''

دیا شنکر اپنی جگہ سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔

کوئی ساڑھے تین ہزار روپے کے نوٹ لکشمن کی جیب میں آ چکے تھے۔ کچھ وقت گزارنے کے لئے ایک اچھی رقم تھی۔ خوشی سے دی گئی تھی۔ لکشمن نے وہ رقم اپنے پاس محفوظ کی، ایک ہوٹل میں اپنے لئے جگہ بنائی اور راج ماتھر کی واپسی کا انتظار کرتا رہا جو اُسے تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ لکشمن اُس کے سامنے نہیں آیا اور آخر کار راج ماتھر دہلی چلا گیا۔ اس دوران لکشمن اُس کے بارے میں ٹوہ میں رہا تھا اور جب اُسے اس بات کا بخوبی علم ہو گیا کہ راج ماتھر دہلی چلا گیا ہے تو اُس نے سکون کی گہری سانس لی۔ اب وہ آرام سے اپنا کام سرانجام دے سکتا تھا۔ اس دوران اُس نے گیانیشور مہاراج کی دی ہوئی سوغات کا پورا پورا جائزہ لیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ویسے تو سب ٹھیک ہوتا تھا لیکن اگر وہ کسی کے چہرے کا جائزہ لے کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو اسے اس میں ناکامی نہیں ہوتی تھی۔ گیانیشور مہاراج کی وِدّیا نے اُسے کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ اور اب لکشمن یہ سوچ رہا تھا کہ اپنی اس قوت سے وہ اپنے لئے کیا کیا فائدے حاصل کر سکتا ہے۔ عجیب و غریب انکشافات ہو رہے تھے اُسے اپنے بارے میں۔ چالاک لڑکا تھا، یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اپنی اس قوت سے تو وہ سنسار کو اپنے چرنوں میں لا سکتا ہے۔ بہت بڑا کام ہوا تھا یہ۔ وہ اس کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ ابھی کچھ اور تجربے بھی کرنے تھے اُسے۔ دولت بھی حاصل کی جا سکتی تھی اس علم سے اور شہرت بھی حاصل کی جا سکتی تھی۔ گویا بھگوان نے اُسے بہت بڑا انعام دے دیا تھا۔

بہرحال وہ طویل عرصے کے بعد گرو گردھاری لعل کے پاس پہنچا۔ گرو جی ایک سیدھے سادھے نیک آدمی تھے۔ اُسے دیکھ کر خوش ہو گئے اور بولے۔

''ارے..... تو نے پھر حلیہ بدل لیا۔ پہلے تو، تو نے سر منڈا دیا تھا۔ اب تیرے بال اتنے بڑے ہو گئے ہیں۔''

''ہاں گرو مہاراج! جس گیان کے لئے میرے پتا جی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا بھگوان کی دیا سے اور آپ کی محبت سے وہ مجھے حاصل ہو گیا ہے مہاراج! اس کے بعد وہ حلیہ بنائے رکھنا مناسب بات نہیں تھی۔''

''جوتش وِدّیا مل گئی ہے تجھے؟''

''جی مہاراج! آپ امتحان لے لیں میرا۔'' لکشمن نے مسکراتے ہوئے کہا اور گرو گردھاری لعل بھی مسکرانے لگے۔

''گرو سے کہہ رہا ہے یہ بات؟''

''بُرے من سے نہیں کہہ رہا مہاراج! بڑے پریم سے کہہ رہا ہوں۔ گرو ہی کی دین ہے۔ امتحان بھی گرو جی نہیں لیں گے تو اور کون لے گا۔''

''اچھا، تو لے پھر میرا ہاتھ دیکھ۔ میری ہی کنڈلی بنا۔''

''کنڈلی بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی مہاراج! منش کی کنڈلی تو اُس کے ماتھے پر لکھی ہوتی ہے۔ ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے۔''

''اچھا...... یہ تو نے نیا انکشاف کیا ہے میرے سامنے۔ ذرا بتا تو سہی میری کنڈلی دیکھ کر میرا ماضی کیا ہے اور مستقبل کیا ہے؟'' گردھاری لعل مہاراج بھی ذرا موڈ میں آ گئے تھے۔ لکشمن نے ایک نگاہ ان کے چہرے پر ڈالی، پھر مسکرا کر بولا۔

''سب سے پہلی بات تو میں آپ کو یہ بتا دوں، وہ آج کی بات ہے مہاراج! کہ ہماری چاچی جی نے آپ کی بڑی خبر لی ہے۔ آج ان کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنی جوتش وِدّیا سے انہیں بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ کوئی ایسی بڑی بات ہو گئی ہے جس پر وہ آپ سے ناراض ہیں اور آج صبح بڑی کھٹ پٹ ہوئی ہے۔''

گردھاری لعل جی نے ایک دم سے بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولے۔ ''یہ...... یہ...... یہ میری کنڈلی میں لکھا ہے؟''

''نہیں مہاراج، آپ کے ماتھے پر لکھا ہے۔''

''بک بک...... بک بک...... مجھ سے بک بک؟'' گردھاری مہاراج کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ مسکرا کر بولے۔ ''صبح کس سے آیا تھا؟ جھگڑا سن لیا ہو گا ہمارا۔''

لکشمن ہنسنے لگا، پھر بولا۔ ''گرو ہیں آپ میرے۔ آپ سے جھوٹ تو کبھی نہیں بولوں گا۔ خیر چھوڑیئے۔''

ابھی یہی جملے ادا ہوئے تھے کہ باہر سے آواز آئی۔

"گردھاری لعل مہاراج...... گردھاری لعل مہاراج۔"

گردھاری لعل چونک کر کھڑے ہوئے اور دروازے کی جانب چل پڑے۔ پھر اُن کی آواز سنائی دی۔ "ارے ٹھاکر رام سنگھ...... آیئے آیئے، اندر آیئے۔ آپ کب آئے متھرا؟"

"میں سمجھ لو ابھی ابھی بس سے اُتر کر چلے آ رہے ہیں۔ یہ میرے ساتھ میرے ناطے دار ہیں۔ ان کا نام دھیرج لعل ہے۔ دھیرج لعل مہاراج کلکتے میں کاروبار کرتے ہیں۔ کچھ پریشانیاں آ گئی ہیں ان کے ساتھ۔ میرے پاس آئے تھے، بڑے پریشان ہیں۔ میں نے کہا کہ آؤ گردھاری لعل کے پاس چلتے ہیں۔ وہ تمہاری پریشانیوں کا کچھ اوپائے بتائیں گے۔"

"جے ہو مہاراج کی۔ آیئے۔"

صحن میں درخت کے نیچے بچھی ہوئی چارپائیوں پر ان دونوں مہمانوں کو بٹھایا گیا اور گردھاری لعل جل پانی لینے کے لئے چل پڑے۔ لکشمن دور سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں ان دونوں افراد کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا وہ۔ لیکن اُس کی تیز نگاہیں اچھی طرح انہیں دیکھ رہی تھیں۔ گردھاری لعل نے اپنی دھرم پتنی سے کہا کہ ستو بنا دے اور وہ اندر چلی گئی۔ گردھاری لعل لکشمن سے بولے۔

"لکشمن بیٹا! تیری میری باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ یہ مہمان آئے ہیں۔ ستو بنانے کے لئے کہہ دیا ہے تیری چاچی سے۔ ذرا سے لے آ جانا۔"

"جی ان میں سے وہ جو اُس طرف بیٹھے ہیں۔ ان کا نام ٹھاکر رام سنگھ ہے نا؟"

"ارے تو جانتا ہے انہیں؟"

"اور دوسرے غالباً دھیرج لعل ہیں۔"

"ہیں، انہیں بھی جانتا ہے؟ مگر وہ تو بیٹا کلکتے میں رہتے ہیں۔"

"ہاں، اور وہ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہیں اور اسی وجہ سے ٹھاکر رام سنگھ انہیں آپ کے پاس لائے ہیں۔"

"ارے بابا کیا کہہ رہا ہے تو؟ تجھے یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"ٹھاکر رام سنگھ کچھ عرصے پہلے ایک مشکل کا شکار ہو گئے تھے۔ مقدمہ تھا ایک ان پر زمین کا اور گھر کا۔ ان کے دشمن نے ان کے کاغذات بھی غائب کر دیئے تھے اور مقدمہ ان کے خلاف جا رہا تھا۔ وہ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے اس کا اوپائے پوچھا۔

معاف کیجئے گا گردھاری لعل جی! آپ نے انہیں بس ٹال دیا تھا اور کہا تھا کہ درگا پاٹ کرائیں۔ انہوں نے درگا پاٹ کرایا اور مقدمہ ان کے حق میں ہو گیا۔ تب سے آپ پر ایمان رکھتے ہیں وہ۔"

پنڈت گردھاری لعل کی جیسے قدموں کی جان نکل گئی تھی۔ وہیں بیٹھ گئے اور بولے۔

"ہرے، ہرے کیا کہہ رہا ہے تو؟ تجھے ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"ماتھے پر بھی ریکھاؤں کا جال پھیلا ہوتا ہے گرو جی۔ آپ نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ سارے ستارے ماتھے کے اس جال پر اپنا عکس ڈالتے ہیں۔ آپ نے غور نہیں کیا وہ ایک علیحدہ بات ہے۔ پر سچی بات ہے کہ جب ستاروں کا وردان ہوتا ہے تو یہ ساری باتیں بڑی عام سی ہو جاتی ہیں اور کوئی دقت نہیں ہوتی یہ جاننے میں۔"

"بھیا! تو بڑا، تیرا گیان بڑا۔ ہم تو پاگل ہیں نرے۔ اب تو یہ بتا باقی تو باتیں تجھ سے بعد میں ہوں گی۔ جب اتنا معلوم ہو چکا ہے تجھے تو یہ اور بتا دے کہ کرنا کیا ہے؟"

"گرو ہیں آپ میرے۔ جایئے عیش کیجئے۔ یہ دھیرج لعل جو ہے نا یہ بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہے۔ اس کی بیٹی پاگل ہو گئی ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس کے سگے چچا زاد بھائی نے اس کی بیٹی پر جادو کرایا ہے۔ یہ اس جادو کا توڑ چاہتا ہے۔ بیٹی چچا زاد بھائی کے ایک ایسے بیٹے سے پریم کرنے لگی ہے جو بالکل نکما، ناکارہ اور بڑا ہی آوارہ مزاج ہے۔ چنانچہ وہ دھیرج لعل کی بیٹی سے شادی کر کے دھیرج لعل کی دولت پر قابو پانا چاہتا ہے۔ کیونکہ دھیرج لعل کا بیٹی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ ساری کہانی ہے۔ ٹھاکر رام سنگھ آپ کے ذریعے اس کا اوپائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

"بیٹا! مر جاؤں گا۔ بھگوان کی سوگند میں مر جاؤں گا۔ ستارے منش بھوش کا حال تو بتاتے ہیں پر ایسے واقفیت نہیں ہوتی۔ ارے بھیا! یہ تو جادو ہے جادو۔ تو نے ستاروں کا کھیل سیکھا ہے یا جادو سیکھا ہے؟"

"آپ جو کچھ بھی کہہ لیں گردھاری لعل مہاراج۔ یہ تو آپ کی مرضی ہے۔"

"بیٹا، کوئی اوپائے ہے اس کا؟"

"بات چھوٹی سی نہیں ہے۔ آپ صرف اتنا کہہ دیں کہ ابھی دھیرج لعل کو انتظار کرنا پڑے گا۔ میں ابھی تو نہیں جا سکتا ان کے ساتھ۔ ایک مہینے کے بعد دھیرج لعل جی آ کر مجھے یہاں سے لے جائیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے گردھاری لعل جی کہ آپ اپنے چیلے کو

اس جادو کے توڑ کے لئے بھیجیں گے۔ اب باقی باتیں جیسے آپ کا دل چاہے کرلیں۔''

اتنی دیر میں گردھاری لعل کی دھرم پتنی نے آواز لگائی۔

''ستو بن گئے ہیں۔ آپ لے جایئے۔''

''ہاں ہاں...... تو بیٹا! مذاق تو نہیں کیا ہے نا تو نے؟ دھیرج لعل کی مشکل یہی ہے نا؟''

''آپ جا کر انکشاف تو کیجئے۔ ذرا تھوڑی سی اُٹھا پٹخ کرلیجئے۔''

''اور یہ بھی کہہ دوں اُس سے کہ میرا چیلا اس کی مشکل حل کر دے گا؟''

''ہاں کہہ دیجئے گا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ چیلا تو ہوں میں آپ کا۔''

''ارے بھیا! اگر ایسا ہو جائے تو میرے تو دن پھر جائیں گے۔ یہ ٹھاکر رام سنگھ بھی بڑے آدمی ہیں۔ خاصے بڑے زمیندار ہیں۔ بہت کچھ لیتے دیتے رہتے ہیں مجھے۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے میرا مطلب دھیرج لعل کا تو یہ کلکتے کا کاروباری آدمی ہے۔ دیکھو تقدیر آزماتا ہوں۔ اب تک تو جو کچھ کہتا رہا ہے اس نے میرے ہوش اُڑا دیئے ہیں۔ اگر یہ بات بھی سچ نکلی تو میرے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

ستوؤں کا گلاس لے کر پنڈت گردھاری لعل صحن میں پہنچ گئے جہاں دونوں مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ مہمانوں کو ستو پیش کئے گئے۔ گردھاری لعل نے کہا۔

''ہاں ٹھاکر رام سنگھ! گھر والی سے کہہ دوں کہ آپ کے لئے آلو والی روٹیاں پکائے۔ آپ کو تو بڑی پسند ہیں۔''

''بہت بہت دھن واد پنڈت گردھاری لعل جی۔ آپ کی مہربانیوں کا تو میں تہہ دل سے مشکور ہوں۔ دھیرج لعل جی بہت پریشان ہیں۔ میں بڑے مان سے انہیں آپ کے پاس لایا ہوں۔ اگر ان کا کام بن جائے آپ کے پاس سے تو آپ سمجھ لیجئے کہ میری بھی عید ہو جائے۔''

''بھگوان سب کا کام کرے۔ ضرور کوئی نیک کام ہی ہوگا۔ میں ذرا اپنے کاغذات لے آتا ہوں۔''

گردھاری لعل واپس پلٹے۔ اپنی پوتھی، رجسٹر اور قلم وغیرہ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنا کھیل شروع کرتے ہوئے کہا۔

''مہاراج کا نام دھیرج لعل ہے؟''

''ہاں۔''

''پتا جی کا نام؟''

''سورج لعل۔'' دھیرج لعل نے جواب دیا اور ستو کے گھونٹ لینے لگا۔ پنڈت گردھاری لعل کاغذات پر اُلٹے سیدھے نشانات بناتے رہے تھے۔ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے، پھر دھیرج لعل کی طرف اور پھر اِدھر اُدھر اور حساب لگاتے رہتے۔ تھوڑی دیر تک وہ کاغذ پر یہ ڈرامہ کرتے رہے۔ ٹھاکر رام سنگھ اور دھیرج لعل خاموش بیٹھے رہے تھے۔ پھر گردھاری لعل نے تشویش بھری نگاہوں سے دھیرج لعل کی طرف دیکھا اور پریشان سے لہجے میں بولے۔

''بیٹی کا نام کیا ہے؟''

نہ صرف دھیرج لعل بلکہ رام سنگھ بھی بری طرح اُچھل پڑا تھا۔ ''بب..... بیٹی کا نام...؟''

گردھاری لعل کی خود ہوا خراب تھی۔ سوچ رہے تھے کہ پتہ نہیں بات سچ بھی نکلے گی یا پھر کوئی اور گڑبڑ نکلے گی۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت خراب تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گردھاری لعل کو دیکھ رہے تھے۔ پھر دھیرج لعل نے کہا۔

''بیٹی کا نام کیوں پوچھا ہے آپ نے مہاراج؟''

گردھاری لعل کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ لیکن ہمت کر کے کہا۔ ''مسئلہ تو بیٹی ہی کا ہے نا۔ یہاں تک میری وِدّیا مجھے بتاتی ہے۔ آپ کی بیٹی پر جادو کر دیا ہے کسی نے۔''

''مہاراج، مہاراج، مہاراج۔'' دھیرج لعل ایک دم چارپائی سے اٹھا اور اس نے گردھاری لعل کے دونوں پاؤں پکڑ لئے۔ ''جے ہو مہاراج کی.... جے ہو مہاراج کی۔ آپ نے تو.... آپ نے تو مہاراج، دل مٹھی میں کس لیا۔ بھگوان آپ کو سنسار کے سارے سکھ دے دے۔ مہاراج آپ نے تو، آپ نے تو مجھے، مہاراج بھگوان آپ کو خوش رکھے۔''

گردھاری لعل مہاراج کی ہمت بندھی۔ یہ الفاظ بتاتے تھے کہ لکشمن نے جو کچھ کہا ہے وہی سچ ہے۔ لکشمن کی کچھ باتوں پر تو وہ خود بھی دنگ رہ گئے تھے۔ لیکن وقت زیادہ نہیں ملا تھا۔ بہرحال دھیرج لعل کے ساتھ ہی ٹھاکر رام سنگھ بھی اُٹھ گیا تھا۔

''دھیرج لعل جی، دھیرج رکھیں۔ خود کو سنبھالیں۔ ابھی تو آپ نے ہمارے مہاراج کے چمتکار نہیں دیکھے۔''

''حد ہو گئی۔''

''نام نہیں بتایا آپ نے بیٹی کا۔'' گردھاری لعل نے کہا۔

''کرن وتی ہے اُس کا نام۔ ہم سب اُسے کرنا کہتے ہیں۔''

''اپنے اُس بھائی کا نام بتائیے جس پر آپ کو شبہ ہے کہ جادو اُس نے کرایا ہے اور اُس کے بیٹے کا نام بھی بتائیے جو اوباش، آوارہ اور نکما ہے۔'' گردھاری لعل نے کہا۔

''جے ہو مہاراج جی۔ جے ہو، جے ہو۔'' دونوں مہمان پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ بہرحال نام وغیرہ بتائے گئے تو گردھاری لعل نے کہا۔

''آپ کا سوچنا بالکل ٹھیک ہے۔ آپ کا بھائی آپ کی جائیداد کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے یہ ساری حرکتیں کر رہا ہے۔ اُس کا بیٹا اوباش، آوارہ اور نکما ہے۔ وہ صرف آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں آپ کی بیٹی کے لئے کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ بالکل اس بارے میں نہ سوچیں۔ تصور بھی نہ کریں کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی اس نکمّے اور آوارہ کے ساتھ کر سکتے ہیں۔''

''مہاراج! آپ کے سامنے میں چارپائی پر نہیں بیٹھوں گا۔ آپ کے چرنوں میں بیٹھ کر جتنا آنند مل سکتا ہے اتنا سنسار کی کسی اور چیز میں نہیں۔ بھگوان آپ کو سنسار کا بہت بڑا انسان بنائے۔ آپ نے تو مجھے دنگ کر کے رکھ دیا ہے۔''

''آپ ہمارے مہمان ہیں دھیرج لعل جی۔ آپ مہمانوں کی طرح بیٹھئے۔''

''مہاراج! اتنے بڑے گیانی ہیں آپ۔ اور یہاں اس گوشے میں پڑے ہوئے ہیں؟''

''بھگوان کی مرضی ہے۔ وہ جب چاہے گا ہمارے بھی دن پھیر دے گا۔ یہ کام ذرا اور ہے۔''

''آپ تو چنتا ہی نہ کریں مہاراج۔ بھگوان کی سوگند اگر میرا کام ہو گیا تو اتنا دوں گا آپ کو کہ جیون بھر آپ کو کچھ اور کرنے کی فکر نہیں رہے گی۔''

''بھگوان بھلا کرے گا آپ کا۔''

''مہاراج، بالکل ٹھیک کہہ رہے آپ۔ میں نے تو سوچا تھا کہ میں خود آپ کو سب کچھ بتاؤں گا۔ مگر آپ نے تو اُلٹا مجھے ہی سب کچھ بتا کر رکھ دیا۔''

''میں تمہیں بلاوجہ تھوڑی لایا تھا یہاں پر دھیرج لعل! کچھ بات تھی اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے گرو جی گردھاری لعل کا گیان دھیان بڑھ گیا ہے۔ کیا بات ہے مہاراج...... کیا بات ہے۔''

''اچھا خیر، تو دیکھئے بات یہ ہے کہ آپ کی بیٹی پر آپ کے چچازاد بھائی نے جادو کرایا

ہے وہ اسے اپنے قابو میں کر کے آپ کی بیٹی کو اُس کی دھرم پتنی بنانا چاہتا ہے تاکہ آپ کی دولت اور جائیداد اس کے قابو میں آ جائے۔ آپ کی بیٹی کی کیفیت خراب ہو گئی ہے لیکن آپ کو مجھے ایک مہینہ دینا پڑے گا ابھی۔''

''ایک مہینہ؟''

''ہاں مہاراج! ہر کام کی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ مجھے ایک منتر پڑھنا پڑے گا پورے انتیس دن۔ تیس دن میں منتر مکمل ہو گا۔ اس کے بعد میں یا تو خود آپ کے ساتھ چلوں گا کلکتہ یا پھر اپنے کسی چیلے کو بھیج دوں گا۔ بس آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کا کام ہو جائے گا۔''

''تیس دن تک انتظار کرنا پڑے گا مہاراج؟''

''معمولی جادو نہیں ہے۔ آپ کو خود اس بات کا اندازہ ہو چکا ہو گا۔ بہت بڑا کام کیا ہے آپ کے چچازاد بھائی نے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج! بھگوان سے دُعا کریں کہ اس دوران میں کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔''

''چنتا نہ کریں آپ۔ ہم آپ کی خبر گیری رکھیں گے۔''

''جے ہو مہاراج کی۔'' دھیرج لعل نے رام سنگھ کی طرف دیکھا اور رام سنگھ نے گردن ہلائی۔ دھیرج لعل نے اپنی جیبوں سے سب کچھ نکال دیا۔ اپنے ہاتھ کی ہیرے کی انگوٹھی، سونے کی چین والی گھڑی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی رام سنگھ نے بھی اپنی جیبوں سے سب کچھ نکال دیا تھا۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی اور اتنی قیمتی گھڑی اور ہیرے کی انگوٹھی تھی کہ گردھاری لعل جی نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ ساری چیزیں ایک رومال میں لپیٹ کر دھیرج لعل نے گردھاری لعل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مہاراج! یہ آپ کے چرنوں کی دُھول ہے۔ میرے من میں یہ بات نہیں تھی کہ میں اتنے مہان پرش کے پاس جا رہا ہوں۔ یہ چھوٹی سی بھینٹ سوئیکار کر لیں۔ میرا کام ہو جائے گا مہاراج تو سونے میں تول دوں گا آپ کو۔ یہاں آپ کی اتنی شاندار کوٹھی بنوا دوں گا کہ آس پاس کوئی کوٹھی آپ کے مقابلے کی نہ ہو۔ چلتے ہیں، جے ہو آپ کی۔''

گردھاری لعل کے پورے بدن پر کپکپی سوار تھی۔ جتنے سارے نوٹ یہ لوگ دے گئے تھے، اتنی اکٹھی رقم انہیں زندگی میں پہلی بار دیکھنے کو ملی تھی۔ وہ دونوں چلے گئے تو وہ کپکپاتے ہوئے واپس پلٹے۔ تھوڑے فاصلے پر لکشمن بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ گردھاری لعل جی اُس کے پاس

پہنچے اور پھر گھٹنوں کے بل جھکے اور لکشمن کے پاؤں پکڑ لئے۔ لکشمن اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہے ہیں مہاراج؟''

''لکشمن بیٹا، میرے دوست کا بیٹا ہے تو۔ میں تجھے اپنا چیلا سمجھتا ہوں۔ مگر اس سے تو نے مجھے جو چمتکار دکھایا ہے اس کے بعد تو میرا من چاہتا ہے کہ میں خود تیرا چیلا بن جاؤں۔''

''ارے نہیں گرو جی مہاراج! میں آپ کے چرنوں کی دُھول ہوں۔'' لکشمن نے انکساری سے کہا۔

''بیٹا! اب مجھے یہ بتا کہ تیرا کیا ارادہ ہے؟ کلکتہ جانے کا وعدہ کر لیا ہے تو نے۔ دھیرج لعل سے کیا کرے گا؟''

''کلکتہ جاؤں گا مہاراج! اسی لئے میں نے ان سے ایک مہینے کا وقت مانگ لیا ہے۔''

''اس دوران کیا کرے گا؟''

''بس ذرا رام پور جاؤں گا۔ پتا جی کے پاس۔''

''بیٹا! بھگوان تجھے سدا سُکھی رکھے۔ تلیا رام کی تو چاندنی ہو گئی۔ کبھی سپنوں میں بھی نہیں سوچا ہو گا اس نے کہ اس کا سپوت اتنا مہان جوتشی بنے گا۔ پر بیٹا، تو نے یہ گیان سیکھا خوب۔ بس وہی بات ہے، من میں لگن ہو تو بھگوان بھی مدد کرتا ہے۔''

لکشمن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رام پور جانے کی تیاریاں وہ کرنے لگا۔ راج ماتھر سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا اور ویسے بھی اب جو کچھ ہو گیا تھا اس کے بعد راج ماتھر وغیرہ سے رابطہ رکھنا بہت زیادہ ضروری نہیں تھا۔ اب نئے جہانوں کی تلاش بہت ضروری تھی۔ گیانیشور مہاراج جو کچھ دے گئے تھے بس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ چنانچہ اب وہ بہت بڑی بڑی باتیں سوچنے لگا تھا۔ مگر ماتا پتا تو بہر حال ماتا پتا ہی ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں جس طرح تلیا رام جی آئے تھے اور جس طرح اس کے پاس پہنچے تھے لکشمن کو اس بات پر شبہ ہوا تھا کہ وہ اس کا جائزہ لینے کے لئے آئے تھے۔ بہر حال تھوڑا سا مزہ بھی آ جائے گا۔ اُس نے سوچا تھا۔ اور اس کے بعد ریل میں جا بیٹھا۔ ریل رام پور کی جانب چل پڑی۔ لکشمن اس دوران تجربے بھی کرتا جا رہا تھا۔ لوگوں کے ذہنوں کے خیالات اس طرح اُس کے ذہن تک پہنچ جاتے تھے کہ اسے خود حیرت ہوتی تھی کہ یہ سب کیسے ہو رہا ہے۔ بس جس کے چہرے پر نگاہیں ڈال دیتا اُس کے خیالات اُس کے ذہن تک پہنچنے لگتے تھے۔

غرض یہ کہ رام پور تک کا سفر طے ہوا۔ پھر اس کے بعد لکشمن اپنے گھر کی جانب چل

پڑا۔ دروازے پر دستک دی تو تلیا رام نے دروازہ کھولا تھا۔ لکشمن کو دیکھ کر اُس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا اور پھر اُس کی آنکھوں سے خوشی کی لہریں پھوٹنے لگیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر بیٹے کو گلے لگا لیا۔

''آ گیا میرا لکشمن۔ آ گیا رام پور کا لکشمن۔ ارے پاربتی! دیکھو تو سہی کون آیا ہے۔''

ماں باپ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ تلیا رام خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ ماں بھی بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے باپ نے کہا۔

''بیٹا لکشمن! تو سنا، تیری جوتش وِدیا کہاں تک پہنچی؟''

''آپ کے چرنوں کی دُھول ہوں پتا جی۔ بس آپ نے جو کچھ سیکھنے کے لئے بھیجا تھا بھگوان کی دیا سے تھوڑا بہت سیکھ لیا ہے اس میں سے۔''

''کبھی کسی کا ہاتھ وغیرہ دیکھا؟''

''پتا جی! میرا گیان ذرا مختلف ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''ہاتھ کی ریکھائیں ضروری نہیں ہوتیں۔ ریکھائیں تو انسان کے پورے شریر پر ہوتی ہیں۔ چہرے پر، ہاتھوں پر، بدن پر، ماتھے پر۔ پتا جی، ستاروں کا علم دوسرا ہے، ریکھاؤں کا علم دوسرا۔''

''نہیں رے بیٹا! یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے؟ ریکھاؤں کا تعلق ستاروں ہی سے تو ہوتا ہے۔''

''میں نے جو علم سیکھا ہے نا پتا جی! وہ بالکل الگ ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''میں نے کہا نا منش کے پورے وجود پر ریکھائیں ہوتی ہیں۔ کہیں سے بھی ان ریکھاؤں کو پڑھ لیا جائے۔''

''میں نہیں مانتا بابا! پتہ نہیں تو کون سا علم سیکھ کر آیا ہے۔ ذرا مجھے بھی بتا نا اس کے بارے میں۔''

''ٹھیک ہے پتا جی۔ میرا آپ کا تو مسئلہ ہی اور ہے۔ بتاؤں گا آپ کو۔''

''پاربتی! سن رہی ہو تم اس کی باتیں۔ بڑی اُونچی اُونچی باتیں کرنے لگا ہے۔ ہم نے سارا جیون اس فن میں گزارا ہے، یہ سسرا ہمیں بتانے چلا ہے۔ چل ٹھیک ہے بھائی ٹھیک

ہے۔ کھانے کے بعد دیکھیں گے تجھے۔''
ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تلیا رام ہنستے مسکراتے ہوئے بیٹے اور پاربتی کو لے کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔
''ہاں اب بول، کون سا علم سیکھا ہے تو نے؟''
لکشمن نے باپ کے چہرے پر نگاہیں جمائیں اور تلیا رام کے سارے خیالات اُس کے دماغ میں اُترنے لگے۔ مسکرا کر بولا۔ ''پتا جی یہ بتایئے کیدو رام کون ہے؟''
تلیا رام کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ بوکھلا کر بولا۔ ''کیدو رام...... کیدو رام کیوں؟ کیدو رام کو تو کیسے جانتا ہے؟''
''آپ کی پیشانی کی ریکھاؤں سے۔ یہ ایک الگ علم ہے پتا جی! آپ کی پیشانی کی ریکھائیں بتاتی ہیں کہ آپ اس سمے کیدو رام کے بارے میں سوچ رہے تھے جس نے آپ سے کہا تھا کہ لکشمن جب بھی متھرا سے واپس آئے اُسے آپ کیدو رام سے ضرور ملائیں۔ کیدو رام آپ کا نیا عقیدت مند ہے۔ آپ نے اُسے اُس کی دھرم پتنی کی بیماری کے بارے میں بتایا تھا اور اس کا اوپائے بھی کیا تھا۔ اب وہ ٹھیک ہے۔ کیدو رام نے آپ کو دس ہزار روپے دیئے ہیں جو آپ نے محفوظ کر رکھے ہیں اور ماتا جی کو ان کے بارے میں نہیں بتایا۔ اس کے علاوہ پتا جی آپ......''
''ابے چپ۔'' تلیا رام نے جلدی سے آگے بڑھ کر لکشمن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن اُس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو بڑے نمایاں طریقے سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کے کھلے ہوئے منہ سے آواز نکلی۔
''تت...... تجھے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا سسرے؟ مجھ سے چار سو بیسی کر رہا ہے۔ بتا تو سہی۔''
لکشمن نے ہنس کر ماں کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''دیکھا ماں! اب اپنے علم کا مظاہرہ کیا تو پتا جی سے برداشت نہیں ہو رہا۔ اب ماتا جی کو دیکھئے، سوچ رہی ہیں میری شادی کر دیں۔ بولئے ماتا جی، آپ کے من میں یہی بات ہے نا؟''
پاربتی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا اور بولی۔ ''ارے ہاں، میں یہی سوچ رہی تھی اس سمے۔''
لکشمن نے تلیا رام کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ''اور پتا جی، آپ سوچ رہے ہیں کہ

اگر میرا یہ فن سچا ہے تو آپ جلدی سے مجھے کیدو رام کے پاس لے جائیں اور اس سے مزید دولت کمائیں۔''
''ارے بھیا رے بھیا۔ لے بھائی! ارے ہم نے جیون بھر جھک ماری ہے کیا؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پاربتی، یہ سسرا تو جادوگر بن کر آ گیا ہے۔ اب نمٹ اس کے جادو سے۔''
لکشمن ہنسنے لگا تھا۔ بہت دیر تک ماں باپ اور بیٹا باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد لکشمن اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھتا رہا۔
''دھنی ٹھاکر کا کیا ہوا؟''
''چلا گیا بے چارہ یہاں سے۔ بڑی مشکل سے تھانے سے چھوٹا۔ صلح صفائی ہوئی۔ مگر اس کے بعد ایسی ہوا اُکھڑی اُس کی کہ سارا اکھاڑہ وکھاڑہ بند ہو گیا اور وہ رام پور ہی چھوڑ گیا۔''
''یہ برا ہوا۔ چلیں ٹھیک ہے، اب جو ہوا کیا، کیا جا سکتا ہے۔'' پھر لکشمن نے ہنس کر کہا۔ ''سکھیا رام جی کا کیا ہوا؟''
''وہ بڑی مشکل سے تلسی کو واپس لے کر آئے ہیں۔ تو نے وہ گھر بھی خراب کر دیا۔''
''وہ گھر تو پتا جی، بہت پہلے خراب ہو چکا تھا۔ اب بھلا بتایئے کہاں سکھیا رام اور کہاں تلسی۔''
''تو باولے تجھے کیا؟ یہ وہ جانیں اُن کا کام۔''
''ہاں یہ تو ہے۔ پھر بھی سکھیا رام سے ملیں گے۔''
چار پانچ دن کے بعد سکھیا رام کو خود ہی لکشمن کے بارے میں پتہ چلا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ ''تلیا رام جی! کیا لکشمن آیا ہے؟''
''ہاں مہاراج۔''
''تو چاچا جی کو سلام کرنے بھی نہیں آیا؟''
''بس تم اس سے خوش تو نہیں تھے سکھیا رام جی۔''
''ہے اندر یا کہیں گیا ہوا ہے؟''
''ذرا باہر گیا ہوا ہے۔''
''آئے تو مجھے بتانا۔''
لکشمن آیا تو سکھیا رام نے خود ہی اُسے دیکھ لیا اور بڑی محبت سے اُسے گھر کے اندر

لے گیا۔ تلیا رام بھی اُس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ سکھیا رام نے کہا۔

''لکشمن! میرے اور تیرے پتا کے جو تعلقات ہیں تو انہیں نہیں جانتا۔''

لکشمن نے سکھیا رام کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کے بعد اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگا۔ ''سکھیا رام جی! آپ اب بھی پریشان ہیں۔ آپ کے من میں یہ کھوج ہے کہ تلسی سے میرے کیا تعلقات تھے۔ سکھیا رام جی! پھر کہوں گا، کھری کھری اور صاف صاف کہوں گا۔ تلسی آپ کی پوتی کے برابر ہے، بیٹی تو الگ۔ آپ نے کیوں اس کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیا؟ کیا ملا آپ کو اس سے؟ بہرحال میں آپ کو اپنے طور پر بتا دوں کہ میری اور اس کی صرف دوستی تھی۔ وہ اتنے اچھے کردار کی عورت ہے اور اگر اب بھی آپ اس پر شک کریں تو آپ پر لعنت ہے۔ ایک بات میں آپ کو بتائے دیتا ہوں، پہلے کی بات اور تھی۔ لیکن اب میں آپ سے کہوں گا کہ اب اگر آپ نے تلسی پر شک کیا تو پھر آپ کو نقصان ہی نقصان ہوگا۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابھی آپ کو دس ہزار روپے کا نقصان ہوا ہے۔ آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ آپ نے جو پیاز بھری ہے اپنے گوداموں میں، نیچے سے سڑنا شروع ہوگئی ہے۔ اوپر اوپر کی پیاز جلدی نکلوا لیجئے ورنہ بیس ہزار کا نقصان آپ کو وہ ہو جائے گا اور یہ سارے نقصانات صرف اس لئے ہو رہے ہیں کہ آپ نے تلسی جیسی معصوم عورت پر شک کا اظہار کیا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کیا کہوں آپ سے۔''

سکھیا رام لمبا لمبا لیٹ گیا تھا۔ تلیا رام نے کہا۔

''سکھیا رام! میرا بیٹا جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ اگر عقل آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ بھاڑ میں جاؤ۔ چلو بیٹا۔''

بہرحال لکشمن نے رام پور میں خوب جھنڈے گاڑے۔ کیدو رام کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ لکشمن واپس آ گیا ہے اور تلیا رام اُسے لے کر کیدو رام کے پاس آ رہے ہیں۔ کیدو رام ایک بڑا بزنس مین تھا۔ بڑے بڑے سودے کیا کرتا تھا۔ تلیا رام کا نام لے دیا تھا کسی نے اور پھر ہندو مذہب میں نجوم وغیرہ کو خاصی اہمیت دی جاتی ہے۔ کچھ معلومات کے لئے تلیا رام کے پاس آ گیا تھا اور اتفاق سے اس کا کام صحیح ہو گیا تھا۔ چنانچہ تلیا رام سے اچھی خاصی یاد اللہ ہو گئی تھی۔ کسی وقت اس بارے میں بھی بات ہوئی اور تلیا رام نے بتایا کہ اس کا بیٹا لکشمن ابھی متھرا میں جوتش وِدّیا سیکھ رہا ہے۔ کیدو رام نے ایسے ہی کہہ دیا تھا کہ جب وہ آئے تو اسے اس سے ضرور ملایا جائے۔ چنانچہ اب بھی اس نے دونوں باپ بیٹے کا

بھرپور سواگت کیا۔ لیکن لکشمن کی شخصیت کو دیکھ کر کیدو رام بہت متاثر ہوا تھا۔

''تلیا رام جی! تمہارا بیٹا تو بڑا خوبصورت ہے۔ لمبا چوڑا بھی ہے۔ آؤ بیٹا لکشمن! کہو جوتش وِدّیا میں کیا سیکھا تم نے؟ ستاروں سے کتنی دوستی ہوئی تمہاری؟''

''بس مہاراج! ستارے تو باتیں ہی نرالی کرتے ہیں۔ اب آپ کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔''

''اچھا...... فوراً ہی کاروبار شروع کر دیا؟''

''ارے نہیں۔ ستاروں کا کاروبار کہاں سے کیا جا سکتا ہے مہاراج۔ ستارے تو بڑے مہان ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے وہ آپ کی طرف اشارہ کر کے کیا کہہ رہے ہیں۔''

''اچھا ستارے اشارے بھی کرتے ہیں؟''

''جی مہاراج! وہ کہہ رہے ہیں کہ کیدو رام جی! آج رات کو آپ جو کام کرنے جا رہے ہیں اس میں آپ کو فائدہ نہیں نقصان ہوگا۔ ستارے کہہ رہے ہیں کیدو رام جی کہ دشمن کو معاف کر دینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اب دیکھئے نا آپ کسی کو نقصان پہنچائیں گے تو آپ کو بھی بہرحال نقصان اٹھانا ہی پڑے گا۔ پھر دشمنی کی بنیاد پڑے گی۔ آخر آپ کے مخالف کے بھی بال بچے ہیں۔ پتہ تو چل ہی جائے گا کہ جو کچھ کیا دھرا ہے آپ نے کیا ہے۔ اور پھر ویسے بھی فصلیں بھگوان کی دین ہوتی ہیں کیدو رام جی، بھگوان کے مال کو نقصان پہنچانا تو اچھی بات نہیں ہے۔''

کیدو رام کے بدن پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولا۔ ''نجانے کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''عورتوں کی باتیں ماننا پاپ ہے۔ ہمیشہ غلط مشورے دیتی ہیں۔ آپ کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ چلیں چھوڑیئے ان باتوں کو۔ پہلا مشورہ میرا یہی ہے کہ آج جو کچھ کرنے والے ہیں وہ نہ کریں۔ کر لیتے ہیں تو پھر آپ کی مرضی۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔''

''کوئی بات کھل کر تو کہو لکشمن! بے چارے کیدو رام جی کو پریشان کر رہے ہو۔''

''نہیں، ہاتھ جوڑ کر شما چاہتا ہوں مہاراج، ہاتھ جوڑ کر۔ آپ میرے ستاروں کا امتحان لینا چاہتے ہیں نا۔ جو آپ کا من چاہے پوچھ لیں مجھ سے۔''

''ہاں ہاں...... یہ بات الگ ہے۔ ایک منٹ رُکو۔'' کیدو رام نے ایک ملازم کو بلا کر کسی کو بلانے کے لئے کہا۔ آنے والا ایک مکروہ شخصیت کا مالک تھا۔ لمبا چوڑا بدن، مکروہ

چہرہ۔ کیدو رام نے کہا۔

''آؤ تیواری! ان سے ملو۔ یہ رام پور کے لکشمن ہیں۔ اور لکشمن! یہ تیواری لعل ہے۔ میرا منیجر۔''

''کیا دھرا تو انہی کا ہے مہاراج! انہوں نے ہی چکر چلوایا ہے۔ جانتے ہیں آپ، انہوں نے آپ کی دھرم پتنی جی کو ورغلایا ہے اور انہیں نجانے کیا کیا سبز باغ دکھائے ہیں۔ آپ کی دھرم پتنی جو زبان آپ سے بول رہی ہیں نا وہ تیواری مہاراج ہی کی زبان ہے۔ ادھر تیواری مہاراج آپ کو اس بات پر اُکسا رہے ہیں کہ آپ ان لوگوں کے خلاف کام کریں اور ان کے کھیت جلا دیں۔ دوسری طرف انہوں نے ان لوگوں کو بھی تیار کر لیا ہے۔ جب آپ کے آدمی کھیتوں کے پاس پہنچیں گے اور کام شروع کریں گے تو پہلے سے تیار شدہ آدمی ان پر حملہ کر دیں گے اور انہیں کھیتوں میں آگ نہیں لگانے دیں گے۔ لیکن ساتھ ساتھ ہی انہوں نے پولیس کو بھی ہوشیار کر دیا ہے۔ پولیس وہاں موجود ہو گی اور کیدو رام جی آپ پر اٹیک ہو جائے گا اور آپ گرفتار ہو جائیں گے۔ کر لیجئے جو کارروائی کرنی ہے آپ کو۔ پتا جی کہہ رہے تھے کہ میں کھل کر آپ کو کچھ بتاؤں۔ چلئے کھل کر ہی بات سہی۔''

کیدو رام جی کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور ادھر تیواری کے بدن کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ کیدو رام نے تیواری کو دیکھا اور بولا۔

''تیواری!''

''ششش..... ششش شما کر دیں مہاراج۔ شما کر دیں۔ یہ..... یہ..... یہ کون ہیں؟''

''یہی سب کچھ نہیں۔ پچھلے دنوں آپ کے چھ لاکھ روپے ڈکیتی کی نذر ہو گئے تھے۔ تیواری جی کے گھر میں ایک دیوار ہے جس میں گنیش جی کی مورتی بنی ہوئی ہے۔ گنیش جی کی یہ مورتی اس وقت کھلتی ہے جب آپ گنیش جی کی سونڈ کو پکڑ کر اُونچا اٹھاتے ہیں۔ یہ مورتی سامنے سے ہٹ جاتی ہے۔ اس کے پیچھے ایک خلا ہے۔ اس خلا میں اب بھی آپ کے چھ لاکھ روپے موجود ہیں جو تیواری جی نے آپ کے اوپر ڈاکہ ڈلوا کر حاصل کئے تھے۔ جن لوگوں نے ڈاکہ ڈالا تھا ان میں سے ایک کا نام روپ چند ہے دوسرا گوردھن ہے اور تیسرا چندو لعل۔ ان سب کو پانچ پانچ سو روپے دیئے تھے تیواری جی نے اور انہوں نے نقلی بندوق کھلونوں سے انہیں کور کر کے انہی کے منصوبے کے مطابق وہ چھ لاکھ روپے آپ سے لوٹے تھے جن کی تصدیق مختلف لوگوں نے آپ سے کر دی تھی اور آپ صبر کر کے خاموش ہو

گئے تھے۔ جائیے، اگر میری بات پر یقین کرتے ہیں تو وہ چھ لاکھ روپے حاصل کر لیجئے۔''

کیدو رام نے فوراً ہی دوسرے آدمی کو بلایا اور تیواری کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے کس دیئے گئے۔ لیکن سب پر حیرت کے دورے پڑے ہوئے تھے۔ تلیا رام نے کہا۔

''آ گیا دیجئے کیدو مہاراج! یا ابھی بیٹھنا ہے ہمیں؟''

''بھائی تلیا رام! اس لڑکے نے تو مجھے پاگل کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ کل ملیں مجھ سے۔ یا میں خود آپ کی طرف آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' تلیا رام خود بھی ششدر تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ بیٹے کے ساتھ واپس پلٹا تھا اور چکراتے ہوئے نجانے کیا کیا بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ گھر جا کر اُس نے پاربتی سے کہا۔

''پاربتی! پتہ نہیں یہ کیا کر کے آیا ہے۔ یہ سچ مچ ستاروں کا علم تو نہیں ہے۔ یہ تو کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے مجھے۔''

''کیا معلوم ہوتا ہے؟''

''بھگوان جانے۔''

بہرحال یہ سارے ہنگامے جاری رہے۔ دوسرے ہی دن کیدو رام جی تلیا رام کے گھر چلے گئے۔ کیدو رام جی بہت بڑے آدمی تھے۔ تلیا رام کے ہاں ان کا آ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن بہرحال تلیا رام نے ان کا سواگت کیا۔ عزت و احترام کے ساتھ اندر لے جا کر بٹھایا۔ لکشمن اس وقت وہاں موجود نہیں تھا بلکہ اندر ہی تھا۔

''لکشمن کہاں ہے؟'' کیدو رام نے کہا۔

''بلاتا ہوں مہاراج۔ کچھ جل پانی؟''

''نہیں، تم لکشمن کو بلاؤ۔'' کیدو رام نے کہا۔ لکشمن آیا اور اُس نے ہاتھ جوڑ کر کیدو رام جی کو پرنام کیا۔ کیدو رام جی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ اس چھوٹی سی عمر میں بھگوان نے تمہیں اتنا بڑا گیان دے دیا ہے۔ آگے بڑھ کر کیا کرو گے؟ یہ تو تم نے اتنا بڑا کام سیکھ لیا ہے۔ تلیا رام، تمہارے تو دن پھر جائیں گے۔''

''دیا ہے بھگوان کی۔ بھگوان جس حال میں بھی رکھے خوش ہوں مہاراج۔''

''چھ لاکھ روپے تیواری کے پاس سے نکل آئے ہیں اور میں نے تیواری کو پولیس کے

حوالے کر دیا ہے۔ ادھر بڑی بچت ہوگئی ورنہ آج کا دن ہمارے لئے تباہیوں کا دن ہوتا۔"

"وہ کیسے مہاراج؟"

"بس دشمنی چل رہی تھی ایک سے۔ اور یہ دشمنی بھی چل نہیں رہی تھی، چلوائی گئی تھی۔ میری زمینوں کے برابر اس کی زمینیں بھی ہیں۔ چھوٹی موٹی باتیں تو چلتی ہی رہتی ہیں زمینداروں میں۔ مگر اس نے اسے اتنا آگے بڑھا دیا کہ میں اس بات پر آمادہ ہوگیا تھا کہ اس کے کھیتوں کو جلا دوں۔ انتظام کیا تھا میں نے۔ مگر تیواری جی ڈبل رول ادا کر رہے تھے اور انہوں نے بڑا زبردست چکر چلا رکھا تھا۔ ادھر میرے دشمن کو بتایا تھا کہ میں کیا ارادے رکھتا ہوں اور ادھر مجھے چڑھائے ہوئے تھے۔ مطلب ان کا یہی تھا کہ ہم دونوں میں دشمنی آگے بڑھائیں۔ اِدھر سے بھی مال گھسیٹیں اور اُدھر سے بھی۔ چھ لاکھ روپے کا ڈاکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ڈلوایا تھا۔ رقم منگوائی تھی ان سے میں نے۔ انہوں نے اپنے ہی آدمی کو تیار کیا اور اپنے اوپر ڈاکہ ڈلوا دیا۔ میں ان پر اندھا اعتماد کرتا تھا، صبر کر کے خاموش ہو گیا۔ پھر میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ آستین کے سانپ تیواری جی ہی ہیں۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن مجھے یہ بتاؤ لکشمن! کہ تم نے یہ کون سا علم سیکھا ہے جو ایک منٹ میں شروع ہو جاتا ہے اور سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہے؟ بہرحال، میں رات کو بچ گیا۔ ورنہ گرفتاریاں ہو جاتیں۔ انسپکٹر صاحب میرے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے؟ میں نے انسپکٹر صاحب کو تفصیل بتائی اور کہا میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ایک ایسا دشمن موجود ہے جو ہم دونوں کے بیچ جھگڑا چلوائے ہوئے ہے۔ اور پھر میں نے تیواری لعل کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ چھ لاکھ روپے میں نے پولیس کی موجودگی میں ہی برآمد کئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میرا وہ دشمن جس سے میرا تنازعہ چل رہا تھا پولیس کے کہنے پر میرے پاس آ گیا اور ہم دونوں کے درمیان صلح صفائی ہوگئی۔ کیا بات ہے۔ اگر لکشمن نہ آتا تو ہم لوگ اپنا کام کرتے اور پولیس اپنا کام کرتی اور تیواری لعل اپنا کام کرتا۔ اس نے تو ہمارا بھٹہ ہی بٹھا دیا تھا۔ تھانے میں ہوتے، چکی پیس رہے ہوتے۔ ارے باپ رے باپ، لکشمن بیٹا! بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ یہ پچاس ہزار روپے میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ حق ہے یہ تمہارا۔"

"نہیں کیدو رام جی! چھوٹا سا کام کیا ہے میں نے آپ کا۔ کسی معاوضے کے لئے نہیں کیا۔"

"اپنی جیب سے کچھ نہیں دے رہا تمہیں بیٹا! چھ لاکھ روپے کا غم کھا کر بیٹھ گیا تھا۔ بس سوچ لیا تھا کہ بھگوان کی یہی مرضی ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ نقد کے نقد بچ گئے مجھے۔ میرا کام ہو گیا تو میں تمہارے سلسلے میں کیسے نظر چرا سکتا ہوں؟ رکھ لو بیٹا، یہ تمہارا حق ہے۔ کوئی احسان نہیں کر رہا میں تم پر۔ رکھ لو۔"

بہرحال پچاس ہزار روپے لینے پڑے اور تلیا رام کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ کیدو رام نے جاتے ہوئے تلیا رام سے کہا۔

"تلیا رام! گھر بنوا لو اپنا۔ جس طرح بھی چاہو گے میں تمہاری مدد کروں گا۔ بالکل چنتا مت کرنا۔ کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو سیدھا سیدھا مجھے بتا دیا کرو۔ اب جب ہمارے اتنے اچھے تعلقات ہو گئے ہیں تو پھر کوئی تکلف نہیں ہونا چاہئے۔"

دنیا جانتی ہے کہ کسی کو کسی سے کوئی بڑا فائدہ ہو تبھی وہ کچھ لینے دینے پر آمادہ ہوتا ہے۔ کیدو رام جی بلاوجہ تلیا رام پر مہربان نہیں ہوئے تھے بلکہ پچاس ہزار تلیا رام کو دینے کے بعد بھی انہیں ساڑھے پانچ لاکھ کی بچت ہوگئی تھی۔ البتہ لکشمن نے ان کے جانے کے بعد یہ پچاس لاکھ روپے تلیا رام کے چرنوں میں رکھ دیئے تھے۔

"پتا جی! مجھے ان کا کیا کرنا ہے۔ آپ کے اور ماتا جی کے کام آئیں گے۔"

"ارے بیٹا! ارے بیٹا بہت بڑی رقم ہے یہ۔ تیرے سامنے تیرا پورا مستقبل پڑا ہوا ہے۔ ہم تو بوڑھے لوگ ہیں، جیون بتا چکے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا ہے ان پیسوں کا۔"

"نہیں پتا جی! آپ کسی بات کی چنتا نہ کیا کریں۔ پیسہ تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اب آپ کے چرنوں میں ڈھیر ہو جائے گا۔"

"ہے بھگوان! سنتا ہے تو۔ ایسے سن لیتا ہے کہ منش حیرانی سے منہ پھاڑتا ہوا رہ جائے۔"

بہرحال لکشمن کافی دن تک یہاں رہا اور اس کے بعد اُس نے کہا۔

"متھرا جا رہا ہوں پتا جی! آگیا چاہتا ہوں آپ کی۔"

"بیٹا! پھر کب آؤ گے؟"

"بس، سنسار بہت بڑا ہے پتا جی! آپ کو پیسے بھیجتا رہوں گا۔ عیش و آرام سے زندگی گزاریئے۔ پیسوں کی فکر مت کریں۔ خود بھی آپ کے پاس چکر لگاتا رہوں گا جب بھی موقع ملا۔"

"متھرا میں رہو گے یا کہیں اور جاؤ گے؟"

"پتا جی! سنسار بہت بڑا ہے۔ تقدیر جہاں بھی لے جائے۔"

"بھگوان تجھے سکھی رکھے بیٹا! اپنا ایک ٹھکانہ ضرور بناؤ۔ رام پور بہت بڑا شہر ہے، بڑی مان مریادائیں ہیں یہاں کی۔ عیش و آرام سے جیون بتاؤ، شادی وادی بھی ہم کریں تمہاری۔"

"ابھی نہیں پتا جی! ابھی مجھے سنسار دیکھنے دیجئے۔ پتا جی، آپ کو سچ بتاؤں، یہ سنسار اتنا چھوٹا ہے کہ بس من چاہتا ہے کہ ایک بار سچ مل جائے۔ سچ کی صورت دیکھیں۔ یہ دیکھیں کہ سچائی کیا چیز ہوتی ہے۔ ابھی تو پتا جی آپ یہ دیکھ لیجئے کہ ہر چہرے پر جھوٹی نقاب چڑھی ہوئی ہے۔ لوگ اندر سے کچھ ہوتے ہیں اور اوپر سے کچھ۔ بس کہانیاں سننے کو ملتی ہیں پتا جی۔ نجانے کیسی کیسی اُلٹی سیدھی کہانیاں۔ بس کیا کہیں آپ سے۔"

"ٹھیک کہتا ہے بیٹا! پتہ نہیں کیا سیکھ لیا ہے تو نے۔ ارے ہمیں تو کچھ بتا دے، یہ کون سی وِدّیا ہے جو ہماری اُلٹی کھوپڑی میں بالکل نہیں آئی۔"

"نہیں پتا جی، آپ اُلٹی کھوپڑی نہ کہیں اسے۔ بات الگ ہے، بڑی مختلف۔ چلیں چھوڑیں اس بارے میں پھر کبھی بات کریں گے۔" لکشمن نے کہا۔

پھر کچھ دن کے بعد وہ ماں باپ سے اجازت لے کر متھرا چل پڑا اور آخر کار متھرا پہنچ گیا جہاں پنڈت گردھاری لعل بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ لکشمن کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور اُس سے تلیا رام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے۔

"ٹھیک ہیں گرو جی۔ سب ٹھیک ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ لکشمن۔"

"جی گرو جی؟"

"کیا تمہارے پتا جی نے تمہارے علم کو تسلیم کر لیا؟"

"ہاں، مگر پریشان ہیں۔ اسے جوتش وِدّیا ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"تو پھر؟"

"اُن کے من میں ہے کہ یہ جادو ہے۔"

"پھر انہوں نے تسلیم کیا اس بات کو کہ یہ جادو نہیں ہے؟"

"میرا خیال ہے نہیں کیا۔ پر زبان سے کچھ نہیں بولتے۔"

"ہوں، چلو ٹھیک ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھا ایک بات بتاؤں تمہیں۔ اس

دوران تین بار دھیرج لعل کے آدمی آ چکے ہیں۔ ایک بار ٹھاکر رام سنگھ نے بھی اپنے آدمی کو بھیجا تھا اور کہا تھا کہ دھیرج لعل ان کے پیچھے بھی پڑے ہوئے ہیں ان کا کام کر دیں ہم لوگ تو ہماری مہربانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے مہاراج! میں وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔"

"سوموار کو دھیرج لعل کا آدمی آئے گا۔ کہہ گیا ہے کہ اگر لکشمن جی آ جائیں تو انہیں کہ نہ جانے دیا جائے۔ دھیرج لعل مہاراج سخت پریشان ہیں۔ بہر حال پیر کو دھیرج لعل آدمی آیا۔ یہ اس کا اہم آدمی تھا۔ لکشمن کو پا کر اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔

"مہاراج! دھیرج لعل تو آپ کے لئے بڑے پریشان ہیں۔ کہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لکشمن مہاراج نہ آئیں۔"

"نہیں، میں آ گیا ہوں۔ اور اب آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔"

کلکتے تک کا سفر لکشمن نے بڑے مزے سے کیا تھا اور جب وہ دھیرج لعل کی حویلی پہنچا تو حویلی کی آن بان شان دیکھ کر رہ گیا۔ دھیرج لعل نے بڑا عمدہ استقبال کیا تھا اُس کا۔ حویلی کے بالکل اندرونی حصے میں لکشمن کے لئے بہترین بندوبست کیا گیا تھا اور لکشمن کی خوب خاطر مدارت ہونے لگی۔ دو دن تک دھیرج لعل نے اپنے مطلب کی بات نہیں کی اور اس کے بعد ایک دن وہ اچانک ایک انتہائی حسین لڑکی کے ساتھ لکشمن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سادہ سادہ سے نقوش کی یہ پیاری سی مورت دیکھنے کے قابل تھی۔ لکشمن نے اُس کا نام پوچھا تو دھیرج لعل نے کہا۔

"یہ مورتی ہے۔"

"میں ان کا نام پوچھ رہا ہوں مہاراج۔"

"مورتی ہی ہے اس کا نام۔"

"یہی ہونا بھی چاہئے تھا۔" لکشمن مسکرا کر بولا۔

"اب مورتی آپ کے سامنے ہے۔"

"اچھا اچھا، یہ آپ کی بیٹی ہے۔ میرا مطلب ہے وہی۔"

"ہاں، یہی ہے وہ۔"

"ٹھیک ہے مورتی جی! آپ تھوڑی دیر میرے پاس رُکیں گی۔"

مورتی نے پریشان نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "جی پتا جی، جو آپ

کا حکم۔''

دھیرج لعل باہر نکل گیا تھا۔ لکشمن نے مورتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بہت خوبصورت ہیں مورتی جی۔ لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دوں، یہ بات بالکل نہ سوچئے گا میرے بارے میں کہ میں آپ کو کسی بری نظر سے دیکھوں گا۔ دراصل دھیرج لعل جی نے جو ذمہ داری میرے سپرد کی ہے اس میں میرے اور آپ کے درمیان ایک پوتر رشتہ ہے۔ ایک طرح سے یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ کا وید ہوں اور آپ میری مریض۔''

مورتی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لکشمن کو دیکھا اور بولی۔ ''آپ مہان ہیں مہاراج! بھگوان جب کسی کو کچھ دیتا ہے تو سب سے پہلے اسے بڑا من دیتا ہے۔ اگر من بڑا نہ ہو تو انسان بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔''

''واہ، کیا بڑی بات کہی ہے آپ نے مورتی جی۔ اصل میں، میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک مقدس رشتہ ہے۔ میں آپ کی مشکل حل کرنا چاہتا ہوں۔ باقی اور کچھ نہیں۔''

باہر دروازے سے کان لگائے کھڑا ہوا دھیرج لعل دونوں ہاتھ جوڑ کر بھگوان کا شکر ادا کر رہا تھا۔ لکشمن ایک نوجوان آدمی تھا۔ بے حد خوبصورت اور مردانہ حسن کا شاہکار۔ بہر حال گیان دھیان اپنی جگہ، جوان آدمی سے عزت کے تحفظ کا خیال ساری باتوں پر حاوی تھا۔ مورتی جیسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر کہیں دل میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے۔ لیکن پہلے ہی مرحلے پر اُس نے لکشمن کے الفاظ سنے تھے اور مورتی کی بات سے پورا پورا اتفاق کیا تھا کہ بھگوان اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کا من بڑا بناتا ہے تاکہ اس کا دیا ہوا اس کے من میں سما جائے۔ بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں، لکشمن بڑے اچھے انداز میں مورتی سے گفتگو کا آغاز کر چکا تھا۔

''مورتی جی! پہلی بات آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کو بتا دیا گیا ہے کہ میں کون ہوں؟''

''ہاں مہاراج۔''

''کیا بتایا گیا ہے آپ کو میرے بارے میں؟''

''یہی کہ آپ بڑے گیانی دھیانی ہیں۔ مشکلوں کو دور کرتے ہیں۔''

''ٹھیک...... آپ کے من میں میرے لئے کیا خیال تھا؟''

''مہاراج، ہاتھ بھر لمبی داڑھی، بڑے لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے، بدن پر دھوتی، گلے

میں جنیو، ماتھے پر تلک۔ بس یہ خیال تھا میرے من میں۔''

''پھر آپ نے مجھے کب دیکھا؟''

''دو دن پہلے دیکھ لیا تھا اور حیران رہ گئی تھی۔ ویسے ایک بات بتائیے مہاراج؟''

''ہاں پوچھئے مورتی جی؟''

''کیا سچ مچ آپ اتنے بڑے گیانی ہیں یا ڈھونگی ہیں؟'' مورتی نے سادگی سے کہا اور لکشمن ہنسنے لگا اور بولا۔

''ڈھونگیا ہی سمجھئے۔ گیان دھیان ہر کسی کو کہاں ملتا ہے؟ بڑا مشکل ہے۔''

''نہیں نہیں۔ میری بات کا برا مت مانئے گا۔ میں نے شاید غلط جملہ استعمال کر لیا ہے اور وہ بھی آپ کی عمر کی وجہ سے۔ کم از کم عمر کے حساب سے ہم دونوں میں اتنی بہت دوستی تو ہو سکتی ہے کہ میں بے تکلفی سے آپ کے لئے کوئی لفظ کہہ سکوں۔''

''میں نے برا کب جانا ہے؟ آپ نے کیسے یہ بات محسوس کی کہ میں نے آپ کی بات کا برا مان لیا ہے؟''

''برا تو ماننا چاہئے تھا نا آپ کو۔ میں نے آپ کو ڈھونگیا کہہ دیا۔''

''جب آپ کو یہ خیال تھا کہ آپ مجھے ڈھونگیا کہیں گی تو میں برا مان جاؤں گا تو پھر آپ نے مجھے ڈھونگیا کہا کیوں؟''

''لو میں نے کب کہا ہے؟''

''ارے عجیب باتیں کر رہی ہیں آپ۔ پھر معافی کس بات کی مانگ رہی ہیں مجھ سے؟''

''اس لئے کہ میں نے آپ کو ڈھونگیا کہا ہے۔'' مورتی نے کہا اور ہنس پڑی۔ لکشمن بھی ہنسنے لگا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

''اچھا اب کام کی باتیں کرو مورتی جی!''

''جی کہیئے۔''

''جب آپ کو بتا دیا گیا ہے کہ میں آپ ہی کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں تو آپ کو وہ سلسلہ بھی معلوم ہوگا۔''

''ہاں معلوم ہے۔'' مورتی سنجیدہ ہوگئی۔

''اُس لڑکے کا کیا نام ہے؟''

''ہیرا لعل۔''

"اور اُس کے پتا کا کیا نام ہے؟"

"کھرج لعل۔"

"ہوں، ہیرالعل کیسا لڑکا ہے؟"

"مہاراج، آپ یقین کریں میری بات کا۔ بھگوان کی سوگند اگر پتا جی اسے میرے کمرے کے دروازے پر میرے جوتے اُٹھا کر اِدھر سے اُدھر رکھنے کے لئے نوکری دے دیں تو میں پتا جی سے سارے رشتے توڑ ڈالوں اور کہوں کہ اس جیسے مکروہ آدمی کو میرے دروازے پر نہ کھڑا ہونے دیں، مجھے اس کی صورت دیکھنا پڑے گی۔"

"ہوں...... ویسے آپ کا کزن ہے وہ؟"

"تھوکتی ہوں ایسے کزن پر۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کھرج لعل چاچا میرے پتا کے سگے بھائی نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے رشتے کے بھائی ہیں وہ۔ مگر پتا جی نے ہمیشہ انہیں اپنی جان کی طرح پیار رکھا ہے۔ اب جبکہ انہوں نے اپنا داؤ مارا ہے تو پتا جی کی آنکھیں کھلی ہیں۔"

"ہوں، اچھا یہ بتایئے کھرج لعل جی نے کیا کہا ہے آپ کے پتا سے؟"

"بس یہ کہ وہ میری شادی اپنے بیٹے کے ساتھ کر دیں۔"

"آپ کے پتا جی نے کیا جواب دیا؟"

"پہلے تو پتا جی بہت سخت ہو گئے تھے۔ کہنے لگے کہ کھرج لعل، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کہاں مورتی اور کہاں تمہارا ہیرالعل۔ تم کالے رنگ کے کوئلے کو اگر ہیرا کہنا شروع کر دو تو وہ ہیرا تو نہیں بن جائے گا، رہے گا کوئلے کا کوئلہ۔ چنانچہ اس کے بعد ایسی کوئی بات مت کرنا۔"

چاچا جی نے کہا۔ "اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں تو؟"

"تو پھر؟" لکشمن نے سوال کیا۔

"پتا جی ہنس پڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بے شک کھرج لعل! ہر ماتا پتا کی آنکھوں میں اپنی سنتان بڑی خوبصورت ہوتی ہے۔ لیکن تم ذرا اپنے باپ سے الگ ہٹ کر صرف ایک انسان کی حیثیت سے ہیرالعل کی صورت دیکھو تو تمہارے دل میں بھی یہ خیال آئے گا کہ بھگوان جب ناراض ہوتا ہے تو ایسے چہرے بنا دیتا ہے۔"

بہرحال پتا جی نے خوب مذاق اڑایا کھرج لعل جی کا اور صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد کھرج لعل نے کہا۔

"سوچ لو دھیرج لعل! کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد کو سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے۔"

اور اس کے بعد چاچا جی چلے گئے۔ ایک رات میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میں نے ایک سپنا دیکھا۔ میں نے سپنا دیکھا کہ میں ایک بہت ہی خوبصورت جگہ ہوں۔ ایک حوض کے کنارے بیٹھی ہوئی ہوں۔ حوض میں رنگین مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ اور پھر دُور سے مجھے ایک گھوڑ سوار آتا ہوا نظر آتا ہے۔ سفید رنگ کے گھوڑے پر بڑا ہی سندر لگ رہا ہے۔ اس کے کپڑے بہت اچھے تھے۔ مگر اس نے اپنے چہرے پر نقاب کیا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں تک نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ میرے قریب آ کر گھوڑے سے اُتر گیا اور میں حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ تب اُس نے کہا۔

"مورتی! میں تمہارا پرستار ہوں۔ پریم کرتا ہوں میں تم سے۔ شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس کی آواز بڑی سندر تھی مہاراج۔ میں اس آواز میں کھو گئی۔ مگر میں ڈر بھی رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ میرے پاس بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اُٹھا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور چلا گیا۔ مہاراج! پھر یہ سپنا میں روزانہ دیکھنے لگی۔ ساتواں دن تھا کہ سپنے میں، میں نے دیکھا کہ میرے بہت کہنے سے اُس گھوڑ سوار نے اپنے چہرے کا نقاب ہٹا دیا اور پھر جب اُس نے اپنا چہرہ کھولا تو وہ...... وہ ہیرالعل تھا۔"

"اُسے دیکھ کر اُس وقت، میرا مطلب ہے خواب میں تم پر کیا تاثر قائم ہوا؟"

"یہی تو گڑبڑ ہے مہاراج!"

"کیوں؟"

"اس سے وہ مجھے برا نہیں لگا تھا بلکہ میرا من ہمیشہ کی طرح اُس کی جانب کھنچتا رہا تھا۔ دوسرے دن جب میں ناشتے سے فارغ ہو کر باہر نکلی تو ہیرالعل میرے پاس آ گیا اور مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تیرے دل میں میرے لئے جگہ پیدا ہو گئی ہے مورتی!" میں تو حیران رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو میں سمجھ ہی نہ پائی، اس کے بعد میں نے کہا۔

"کیسی جگہ ہیرالعل؟"

"ارے اتنے دن سے میرا تیرا ساتھ ہے اور تو جگہ کے بارے میں پوچھ رہی ہے؟"

"کیسا...... سس، ساتھ؟"

"سپنوں کا ساتھ۔"

"تمہیں میرے سپنوں کے بارے میں کیسے معلوم؟"

''اچھا جی...... ہمیں تمہارے بارے میں نہیں معلوم ہوگا؟''

آپ یقین کریں مہاراج! بڑی حیران تھی میں۔ سپنوں کی بات تو سپنوں میں ہوتی ہے۔ پہلے تو میں نے خیران سپنوں کو اہمیت نہیں دی تھی، لیکن اس کے بعد میں حیران رہ گئی۔ ہیرالعل کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ مجھے اتنی ہی نفرت تھی اُس سے۔ مگر رات کو جب بستر پر لیٹتی تھی تو میرے سپنوں میں وہ گھوڑ سوار آ جاتا تھا اور آپ یقین کریں کہ میرے من میں اس وقت اس کے لئے کوئی برائی نہیں ہوتی۔ اس طرح میں دوہری شخصیت کا شکار ہوگئی ہوں۔''

''ہیرالعل نے اس کے بعد تم سے دوبارہ ملاقات کی؟''

''تیسرے چوتھے دن آ جاتا ہے یہاں۔ اور مجھے پریشان کرتا ہے۔ آپ یقین کریں مہاراج! اب تو میں سپنے دیکھنے سے بھی ڈرتی ہوں۔ بلکہ بعض راتوں کو تو میں صرف اس لئے جاگتی رہی ہوں کہ کہیں وہ پاپی میرے سپنوں میں نہ آ جائے۔''

''آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے سپنوں میں نہ آیا کرے؟''

''ہاں مہاراج! آپ خود بھی اُسے دیکھ لیں تو یہی سوچا کریں گے۔''

''اچھا، اب سیدھی ہو کر بیٹھ جایئے۔'' لکشمن نے کہا اور وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ لکشمن نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اُس کا دماغ فوراً ہی لڑکی کے دماغ تک پہنچ گیا تھا اور وہ یہ جائزہ لے رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے۔ تب بہت سی باتوں کا اس پر انکشاف ہوا۔ پہلی بات تو یہ کہ لڑکی کے ذہن میں اُس کے لئے پسندیدگی کے جذبات تھے۔ مورتی سوچ رہی تھی کہ کاش! ہیرالعل کی جگہ یہ سندر جوان اس کے سپنوں میں آیا ہوتا۔ پھر اُس کے دل میں اس بات کا بھی دُکھ تھا کہ لکشمن نے فوراً ہی یہ اظہار کر دیا تھا کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہے اور کسی بھی طرح سے ان نگاہوں سے نہیں دیکھنا چاہتا جن میں محبت کے جذبے چھپے ہوئے ہوتے ہیں یا پیار کی آمیزش ہوتی ہے۔ وہ ایک کھرا اور سپاٹ نوجوان ہے۔ اس کے بعد وہ ہیرالعل کے بارے میں یہ سوچ رہی تھی کہ بھگوان نہ کرے حجرۂ عروسی میں ہیرالعل اپنے ہاتھوں سے اُس کا گھونگھٹ اُلٹے۔ پھر اچانک ہی لکشمن نے اُس کے ذہن میں کچھ اور بھی پڑھا۔ یہ ایک نئی اور اجنبی شکل تھی۔ لکشمن نے اس صورت پر نگاہیں جما دیں اور دیر تک اس پر غور کرتا رہا۔ مورتی نے دیر تک کی خاموشی کے بعد لکشمن سے کہا۔

''کیا سوچنے لگے آپ مہاراج؟''

''کچھ نہیں مورتی جی۔ آپ کے پتا جی کیسے آدمی ہیں؟'' لکشمن نے سوال کیا۔

''بہت اچھے ہیں وہ۔ بڑا پریم کرتے ہیں مجھ سے اور بڑے پریشان ہیں میرے لئے۔ ایک بات بتایئے مہاراج! کیا میں ٹھیک ہو جاؤں گی؟ میری یہ دہری شخصیت مجھے پریشان کرتی ہے اور کبھی کبھی میں پاگل پن کی حد تک پہنچ جاتی ہوں۔ بس یہی وجہ ہے کہ میرے پتا جی پریشان ہیں۔''

''ہاں۔ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں۔ اچھا ایک بات بتایئے، ننگ دھڑنگ بدن، بڑی بڑی کالی مونچھیں، بڑی بڑی آنکھیں، لمبے لمبے کالے بال۔ یہ شخص کون ہے؟''

مورتی لکشمن کا چہرہ دیکھنے لگی اور پھر ایک دم حیران رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لکشمن کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ کشنو مہاراج کو جانتے ہیں؟''

لکشمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ''آپ مجھ سے سوال نہ کریں دیوی جی۔ جواب دیں مجھے میرے سوال کا۔''

''میں کشنو مہاراج کو بالکل نہیں جانتی۔ بس ایک دن سپنے ہی میں اس سے جب ہیرا لعل میرے پاس آ کر اس حوض کے کنارے بیٹھا تھا، اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ چلو میں تمہیں اپنے گرو مہاراج سے ملاتا ہوں اور اس کے بعد وہ مجھے لے کر چل پڑا۔ اُس کے ساتھ جانے میں مجھے کوئی جھجک نہیں لگ رہی تھی۔ سپنوں میں مہاراج میری کیفیت بالکل بدل جاتی ہے۔ اس سے وہ مجھے برا نہیں لگتا۔ بہرحال وہ مجھے جس جگہ لے کر پہنچا وہ ایک کچا قلعہ تھا۔ مٹی سے بنا ہوا۔ بُرجیاں، دیواریں۔ ایسے قلعے میں نے فلموں میں دیکھے ہیں۔ مہاراج، اس قلعے میں وہی شکل موجود تھی جس کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا۔ اُس نے کشنو مہاراج کہہ کر میرا ان سے تعارف کرایا۔ کشنو مہاراج کی آنکھیں لال انگارہ جیسی تھیں۔ انہوں نے بھاری لہجے میں مجھ سے کہا کہ آخر ہیرالعل میں کیا برائی ہے؟ تجھے ہیرالعل سے پریم کرنا چاہئے۔ تو ہیرالعل کی دھرم پتنی رہ کر خوش رہ سکتی ہے۔ مہاراج! پہلی بار سپنے میں بھی میرے من میں آیا کہ میں کشنو مہاراج سے کہہ دوں کہ مجھے ہیرالعل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن یہ بات میرے منہ سے نکل نہیں سکی۔ بس اتنی سی بات ہے مہاراج۔''

مورتی خاموش ہوگئی۔ کافی دیر تک لکشمن اُس کے پاس بیٹھا۔ پھر مورتی چلی گئی۔ جب وہ چلی گئی تو ذرا ہی سی دیر میں دھیرج لعل جی لکشمن کے پاس آ گئے۔

''جے ہو لکشمن مہاراج جی۔ صورتحال کا تو آپ کو پتہ چل ہی گیا ہوگا۔''

''دھیرج لعل جی مہاراج، مورتی نے مجھے ساری صورتحال بتا دی ہے۔ بہرحال آپ چنتا نہ کریں۔ میں کوئی اوپائے کروں گا۔''

''بڑی آس اُمیدیں ہیں مہاراج سے۔ اس وقت تو آپ نے مورتی کو جس حال میں دیکھا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی تو بڑی بری حالت ہو جاتی ہے اور اس سمے ہمیں اپنی عزت بچانا مشکل ہو جاتی ہے مہاراج۔ عزت دار لوگ ہیں۔ نام کمایا ہے۔ سنسار جانتا ہے ہمیں۔ کلکتہ میں بڑی عزت ہے ہماری مہاراج۔ بڑی آس اُمید لگائی ہے آپ سے۔ کچھ کیجئے آپ۔''

''آپ چنتا نہ کریں دھیرج لعل جی۔ بھگوان نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

بہرحال لکشمن نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے تو لی تھی لیکن یہ مسئلہ کافی ٹیڑھا تھا اور اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اب جادو منتر تو جانتا نہیں تھا۔ بس گیانیشور مہاراج نے اتنا سا گیان دے دیا تھا تو اسی چکر میں کام چلا رہا تھا سارے کے سارے۔ لیکن بہت دیر تک سوچتا رہا۔

پھر دوسرے ہی دن اُس کی ملاقات کھرج لعل سے ہوئی۔ کھرج لعل حویلی میں آیا تھا۔ اس سمے دھیرج لعل جی حویلی کے بیرونی حصے میں حقہ پی رہے تھے۔ لکشمن بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھا کہ اچانک ہی دروازے سے کھرج لعل داخل ہوا اور دھیرج لعل نے چونک کر کہا۔

''یہ ہے کھرج لعل۔''

''آپ کے پاس آئے ہیں؟''

''تو اور کہاں جا سکتا ہے؟''

''ٹھیک ہے، میرے بارے میں انہیں کچھ نہیں بتایئے۔ میں ان کی باتیں سنوں گا۔''

''میں تمہیں اپنے دوست کا بیٹا بتا دوں گا جو متھرا سے آیا ہے۔''

''ٹھیک ہے بالکل۔''

تھوڑی دیر کے بعد کھرج لعل اُن کے پاس پہنچ گیا۔ چہرے ہی سے بدکار آدمی معلوم

ہوتا تھا۔

''جے ہو، بڑے مہاراج کی جے ہو۔ کیسے ہیں آپ؟ صحت تو ٹھیک ہے نا؟ آج کل متھرا کے بڑے چکر لگ رہے ہیں۔ سنا ہے کسی مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے متھرا کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ کر رہے ہیں آپ۔'' لہجے میں طنز تھا۔

دھیرج لعل بھی کسی قدر خشک لہجے میں بولا۔ ''ہاں۔ کچھ پاپی میری دولت کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ منہ کی کھائیں اور پائی نہ ملے انہیں۔ اس لئے در در مارا مارا پھر رہا ہوں۔''

''اچھا..... اچھا..... ٹھیک ہے۔ کوشش تو کرنی چاہئے نا منش کو۔ یہ کون ہے؟''

''مہمان ہیں میرے۔ بس اتنا کافی نہیں ہے کھرج لعل؟''

''نہیں، اتنا تو کافی نہیں ہوتا۔ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں؟''

''دوست کا بیٹا ہے میرا۔ متھرا سے آیا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... اچھا..... نام کیا ہے مہاراج آپ کا؟'' کھرج لعل نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''لکشمن۔''

''واہ..... رام لکشمن۔''

''نہیں..... رام پور کا لکشمن۔'' لکشمن نے جواب دیا۔

''ارے واہ..... مگر بھیا جی تو کہہ رہے ہیں کہ آپ متھرا کے رہنے والے ہیں؟''

''نہیں، رہنے والے تو نہیں کہا میں نے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ متھرا سے آئے ہیں۔ بس اب پولیس والی تفتیش ختم ہوگئی۔ کیوں ان کا دماغ کھا رہے ہو؟''

''ارے بھیا جی! یہ محاورے بھی بڑی عجیب چیز ہوتے ہیں۔ ارے ہم تو پیٹ بھر کے روٹی نہیں کھاتے، کسی کا دماغ کیوں کھائیں گے؟''

''کہو، کسی کام سے آئے ہو؟''

''نہیں بھیا جی۔ ظاہر ہے اتنے گہرے رشتے ہیں ہمارے دوہرے دوہرے۔ ابھی تو بھائی بھائی ہیں اس کے بعد سمدھی سمدھی بھی ہو جائیں گے۔ لکشمن مہاراج! ہمارے بیٹے کی شادی ہو رہی ہے دھیرج لعل مہاراج کی بیٹی سے۔''

''اچھا..... بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو۔ ویسے مہاراج رات کو آپ نے اپنے بیٹے کے

ساتھ جو منصوبہ بنایا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں بتائے دیتا ہوں دھیرج لعل مہاراج کو۔"

کھرج لعل نے عجیب سی نگاہوں سے لکشمن کو دیکھا، پھر بولا۔ "کیسا منصوبہ؟"

"ارے وہی جو رات کو آپ اپنی دھرم پتنی جی اور اپنے بیٹے ہیرا لعل سے باتیں کر رہے تھے نا۔ کیا نام تھا اُن کا جن کے ہاں شادی ہے۔ ہاں...... ہاں...... ہاں ٹھیک ہے، دیپک لعل جی۔ کہاں رہتے ہیں وہ فیروز آباد میں...... اچھا...... اچھا...... فیروز آباد تو یہاں سے بہت دُور ہے۔ تو دھیرج لعل جی، رات کو ہمارے کھرج لعل جی نے ایک منصوبہ بنایا ہے اپنی دھرم پتنی اور بیٹے کے ساتھ مل کر۔"

"ارے کیا کہہ رہے ہو تم...... تم...... تم رات کو ہمارے گھر میں کہاں سے گھس آئے تھے...... ہیں...... چور ہو تم بھائی؟ کیا چوری کرنے کے لئے گھسے تھے ہمارے گھر میں؟ ہم تو تمہیں نہیں جانتے۔ پہلی بار دیکھا ہے تمہیں لکشمن۔ دھیرج لعل جی، کون ہے یہ؟ آپ کہتے ہیں آپ کے دوست کا بیٹا ہے۔ یہ ہمارے گھر میں کیسے پہنچ گیا؟"

"منصوبہ کیا تھا کھرج لعل، یہ بتاؤ۔" دھیرج لعل نے کھرج لعل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں بتاتا ہوں...... میں بتاتا ہوں۔" لکشمن نے کھرج لعل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کھرج لعل کی حالت خراب ہوگئی تھی۔

"ہاں کھرج لعل جی، تو دیپک لعل تھا نا اُن کا نام۔ بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ وہی تھا۔ دیپک لعل کے ہاں ایک شادی ہے۔ آپ جانتے ہیں دیپک لعل کو دھیرج لعل مہاراج؟"

"ہاں...... ہاں۔ رشتے دار ہے ہمارا۔ ناتے دار ہے۔"

"دعوت نامہ آیا ہوگا آپ کو اس شادی کے لئے؟"

"ہاں...... آیا ہے۔"

"ارادہ تھا آپ کا وہاں جانے کا؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"کھرج لعل جی کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کی دھرم پتنی یہاں آئیں گی۔ آپ کے پیچھے پڑیں گی اور آپ کی بیٹی کو دیپک لعل کے گھر شادی میں لے جائیں گی۔ ہیرا لعل بھی ساتھ ہوگا۔ وہ پنڈت، کیا نام ہیں ان کا کھرج لعل جی؟" لکشمن نے پھر کھرج لعل کے چہرے کی طرف دیکھا۔ یہ سارے خیالات کھرج لعل کے ذہن میں موجود تھے۔ کھرج لعل کی حالت خراب ہورہی تھی۔ لکشمن جلدی سے بولا۔

"ہاں...... دیا شنکر...... دیا شنکر...... دیا شنکر مہاراج ہے وہاں کوئی۔ ان کے ان سے تعلقات ہیں۔ بے چاری مورتی کو وہاں لے جا کر ہیرا لعل کے ساتھ اس کے پھیرے کرانے کے چکر میں ہیں یہ لوگ۔ خاموشی سے پھیرے کرالیں گے اور اس کے بعد شادی سے اسے واپس لے آئیں گے۔ یہ اس لئے کر رہے ہیں یہ کہ اگر آپ اس شادی سے انکار کریں تو اس کے بعد دیا شنکر کی گواہی پیش کر دیں اور بتا دیں انہیں کہ مورتی کے پھیرے ہیرا لعل کے ساتھ ہو چکے ہیں۔"

کھرج لعل اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "کون ہے بے تو؟ تیری تو ایسی تیسی۔ چاقو مار دوں گا تجھے۔ ٹکڑے کر دوں گا۔ ہوگا تو دھیرج لعل کے دوست کا بیٹا۔"

"کسے چاقو مار دے گا تو؟ جانتا ہے اگر میں تیرے خلاف کھڑا ہو گیا تو تیرا کیا حشر کروں گا۔"

"پر یہ ہے کون؟ اور کیا بک بک کر رہا ہے؟"

"جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس کی تصدیق تو میں کرا لوں گا۔ تم چنتا مت کرو کھرج لعل۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اور اس حویلی میں اس کے بعد قدم مت رکھنا۔ ورنہ پاؤں کٹوا دوں گا تمہارے۔"

"ارے ارے...... بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔ ارے بابا بیچ میں پھوٹ پڑوانے والے تو بہت سے ہوتے ہیں۔ تم...... تم......"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے۔" دھیرج لعل تو آپ سے باہر ہوگیا تھا۔

کھرج لعل نے لکشمن کو گھورا، پھر بولا۔ "جا رہا ہوں بیٹا۔ پر میرا نام بھی کھرج لعل ہے۔"

"تم جاتے ہو یا میں نوکروں کو بلاؤں؟"

"جا رہا ہوں...... جا رہا ہوں۔" کھرج لعل بولا اور پھر لکشمن کو گھورتا ہوا حویلی کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ دھیرج لعل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے لکشمن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں مہاراج؟ تم میرے لئے بھگوان سروپ ہو۔ ارے یہ پاپی کھرج لعل کتنا کمینہ ہے یہ......"

"اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ ہر طرح آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"حویلی میں تو اس کا آنا جانا بند کر دیا میں نے۔"

''اس سے کام چل جائے گا؟''

''جانتا ہوں، کام تو نہیں چلے گا۔''

''پھر کیا کریں گے آپ؟''

''ارے بھیا! ہماری کھوپڑی تو کام کرتی نہیں ہے۔''

''کوئی سخت قدم نہیں اٹھا سکتے آپ؟''

''اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ہماری مشکل تو تمہیں پتہ ہے۔ ہماری بیٹی کو دورے پڑتے ہیں اور بس یہ مجبوری ہے ہماری جس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری یہ مجبوری دُور ہو جائے تو بہت سی مشکلوں سے نمٹ سکتے ہیں ہم۔''

''اچھا دھیرج لعل مہاراج! آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں۔''

''ہاں بھیا! جو دل چاہے پوچھو۔ ہم تو تمہارے بڑے عقیدت مند ہو گئے ہیں۔ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر وہ حرام کا جنا اپنی دھرم پتنی کو ہمارے پاس بھیجتا اور وہ خوشامد کرتی تو ہم اُس کے ساتھ مورتی کو بھیج دیتے اس شادی میں۔ پر کتنا بڑا دھوکہ ہو جاتا ہمارے ساتھ۔ سوچ کر من کانپتا ہے۔ اس کے بعد تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سارے جیون کی کمائی اُس پاپی کے قبضے میں چلی جاتی۔ ارے ہمارا تو انگ انگ ہماری بیٹی کا ہے۔ اس سے ہٹ کر تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھا چھوڑیئے، مجھے ایک بات بتایئے۔''

''ہاں پوچھو۔''

''یہاں کچا قلعہ نامی کوئی جگہ ہے...... میرا مطلب ہے کہ کوئی کچا قلعہ ہے یہاں؟''

''ہاں بھیا ہے۔ کیوں اس کچے قلعے سے کوئی خاص تعلق ہے ان ساری باتوں کا؟''

''کشنو نامی کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں آپ جو جادو ٹونوں کے کام کرتا ہو؟''

''کشنو کو تو نہیں جانتے بھیا! کون ہے یہ؟''

''بس کچا قلعہ میرے لئے بڑا ضروری ہے اور اس کے بارے میں تھوڑی سی معلومات درکار ہیں۔''

''ہم بتا سکتے ہیں تمہیں اس کے بارے میں۔ یہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔'' دھیرج لعل نے کہا۔

''تو پھر مجھے اس کچے قلعے کے بارے میں تفصیلات بتایئے۔''

''اچھا یہ بتاؤ، رام اور لکشمن کے بارے میں جانتے ہو جبکہ تمہارا تعلق رام پور سے ہے اور لکشمن تمہارا نام ہے۔ میرا مطلب ہے......''

''بس آپ سے کیا کہیں مہاراج! چلئے چھوڑیئے، آپ ہی ہمیں بتایئے۔''

''بھائی ہماری تاریخ ہے۔ خاص طور سے ہم تمہیں ایک بات بتائیں کہ ہستنا پور میں ایک راجہ تھا جو ذات کا کھتری اور نام کا بھرت تھا۔ اُس کی اولاد جب سات نسلوں تک حکومت کر چکی تو آٹھویں نسل میں اس خاندان میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑا ہو کر راجہ کور کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان کا مشہور شہر کورکھیت جس کا نام اب تھانیسر رکھ دیا گیا ہے اسی راجہ کے نام پر آباد کیا گیا تھا اور اس کی اولاد نے کوروں کے نام سے شہرت پائی۔ راجہ کور کی چھٹی پشت میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام راجہ چتر برج تھا۔ یہ بڑا ذہین اور بڑا عظیم راجہ تھا۔ اس کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام آشتر اور دوسرے کا پنڈا رکھا گیا۔ آشتر بڑا لڑکا تھا اور باپ کی جگہ سنبھالنے کا حق اُسی کا تھا۔ لیکن اندھا ہونے کی وجہ سے سلطنت کا بار نہیں اٹھا سکتا تھا اس لئے چتر برج کے بعد اس کی سلطنت اس کے چھوٹے بیٹے پنڈا کو ملی۔ پنڈا نے بڑی زبردست حکومت کی اور اس کی اولاد اسی کے نام سے مشہور ہوئی اور پانڈو کہلائی۔ راجہ پنڈا کے ہاں پانچ لڑکے پیدا ہوئے اور اُس کی بیوی کا نام کنتی تھا۔ ادھر اندھے آشتر کی بے شمار اولاد تھی۔ ان میں سے سو بیٹے راجہ قندھار کی بیٹی رانی قندھاری سے پیدا ہوئے جن میں سے سب سے بڑے کا نام دریودھن تھا۔ اور بھی بہت سی بیویاں تھیں اُس کی۔ یہ ایک سو ایک بیٹے کوروں کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔''

''بے شک، پتا جی نے مجھے ان کے بارے میں تفصیل بتائی تھی اور میں نے بھی مذہبی کتابوں میں یہ داستانیں پڑھی ہیں۔ مگر اس کا کچے قلعے سے کیا تعلق ہے؟''

''بتا رہا ہوں۔ جب راجہ پنڈا مر گیا تو ایک بار پھر حکومت آشتر کے ہاتھ آئی۔ لیکن اندھا آشتر اب دوسری صورت اختیار کر چکا تھا۔ اُس کا بیٹا دریودھن آگے آگے تھا اور وہی باپ کے نام سے حکومت کرنے لگا تھا۔ حکومت کو دشمنوں سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ پانڈوں کو سنبھالا جائے کیونکہ وہ سلطنت کے دعوے دار بنتے تھے اور ان کی تباہی کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ آخر آشتر نے پانڈوں کے لئے فیصلہ کر لیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر شہر سے باہر بنائیں۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ شاید یہ دُور ہو جائیں تو جنگ کے

امکانات نہ رہیں۔ بہرحال یہ چپقلش چلتی رہی اور پانڈوں نے اپنے لئے سب سے پہلے جو گھر بنایا وہ اسی کچے قلعے کے آس پاس تھا۔ بعد میں یہاں راجہ نندا س نے یہ قلعہ بنایا۔ پانڈوؤں کی وہ جگہ جو انہوں نے اپنی رہائش کے لئے بنائی تھی اور جہاں لاتعداد سازشیں ہوئیں، ایک احاطے میں محفوظ کردی۔ کچا قلعہ وہی جگہ ہے۔''

''واہ، بڑی تاریخی حیثیت ہے اس کی تو۔ اور آپ کشنو کے بارے میں نہیں جانتے؟''

''نہیں۔''

''اچھا ایک بات بتائیے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ مورتی اتفاقیہ طور پر گھر سے غائب ہو گئی ہو اور آپ لوگوں کو علم ہوا ہو۔ آپ نے اُس کی تلاش کی ہو اور وہ آپ کو نہ ملی ہو۔ بعد میں وہ خود گھر آ گئی ہو؟''

دھیرج لعل نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ''بھیا! ایک ہی بات کہہ سکتے ہیں۔ بھگوان نے تمہیں جو گیان دیا ہے اس سے بچنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ بات ہم نے سب سے چھپائی ہے۔ ایک دفعہ نہیں، دس دفعہ ایسا ہوا ہے۔ یہی تو ہماری پریشانی ہے۔''

''دس دفعہ ہو چکا ہے اور آپ نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ مورتی کہاں جاتی ہے؟''

''بہت بار کوشش کی۔ پر وہ اس طرح آنکھوں سے غائب ہو جاتی ہے کہ کوئی سوچ بھی نہ سکے۔''

''ہوں، ٹھیک۔ بہرحال ہو جائے گا مہاراج! آپ کا یہ کام ہو جائے گا۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں۔'' لکشمن نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ انتظار کرنے لگا کہ مورتی کچے قلعے کی طرف جائے۔ صورتحال کا کافی حد تک اُسے اندازہ ہو چکا تھا۔ کھرج لعل نے کشنو کے سہارے مورتی کو اپنے قابو میں لیا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو وہ مورتی کو اپنے قبضے میں لے لے، دھیرج لعل خود بخود اس کے قبضے میں آجائے گا۔ یہ بات بھی اب لکشمن کے ذہن میں گھر کرنے لگی تھی کہ اگر کھرج لعل یہ کوشش کر سکتا ہے کہ شادی کے بہانے مورتی کو اپنے ساتھ لے جائے اور وہاں اس کے پھیرے کرا دے تو یہ کام ایسے عالم میں بھی ہو سکتا ہے کہ مورتی کو کچے قلعے میں لے جایا جائے اور وہاں یہ کام ہو جائے۔ اس بات سے ہوشیار رہنا ضروری تھا۔ بہرحال وہ ہوشیار ہو گیا تھا اور اب اُسے انتظار تھا کہ مورتی کسی طرح گھر سے باہر نکلے۔ اُس نے دھیرج لعل سے کہا۔

''دھیرج لعل مہاراج! آپ خود یہ بات اب بتا چکے ہیں کہ مورتی اس طرح باہر نکل

جاتی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ کہاں جاتی ہوگی۔ ان لوگوں نے اس پر جو جادو کا عمل کرایا ہے وہ یقینی طور پر اس کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ جب وہ شادی کے بہانے اسے لے جا رہے تھے اور ان کا منصوبہ تھا کہ وہ اس طرح اس کی شادی کرا دیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جادو کے زیر اثر جب مورتی باہر نکلتی ہے تو وہ اسے کہیں ایسی جگہ لے جائیں جہاں یہ کام کر سکیں۔''

''ارے بھیا! میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کٹ گئے ہیں۔''

''آپ بس اتنا کام کریں کہ اب مورتی گھر سے باہر نکلے تو مجھے فوراً خبر کر دیں اور اُس پر نظر رکھیں۔ ہو سکتا ہے کھرج لعل یہاں سے مایوس ہونے کے بعد یہ عمل دوہرائے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔''

''بہرحال آپ چنتا نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

لکشمن نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے تو لی تھی لیکن اب دل ہی دل میں وہ اپنے آپ پر ہنس رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بیٹا لکشمن! ایک مہاپرش جس کا نام گیانیشور تھا تمہیں اپنے جیون بھر کی کمائی امانت کے طور پر دے تو گیا ہے اور اس سے تم بہت سے کام کر چکے ہو۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان جادو ٹونوں سے کیسے نمٹو گے یہ دیکھنا ہے۔

بہرحال لکشمن کی فطرت میں ایک یہی خوبی تھی کہ وہ کبھی کسی چیز سے ہار نہیں مانتا تھا اور اپنے طور پر جدوجہد میں لگا رہتا تھا۔

تیسرے دن رات کا وقت تھا۔ اچانک ہی اُس نے مورتی کو دیکھا جو دروازے کی جانب جارہی تھی۔ رات کے اس وقت تک جاگتے رہنا ہی بڑی بات تھی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دروازے پر زوردار دھڑ دھڑاہٹ ہوئی اور وہ سمجھ گیا کہ آنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ دھیرج لعل اور اُس کی دھرم پتنی وحشت زدہ عالم میں دروازے پر کھڑے ہیں۔ دھیرج لعل نے پھولے ہوئے سانس سے کہا۔

''وہ......وہ......وہ......''

''ہاں مورتی کی بات کر رہے ہیں آپ۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔''

''اب کیا کریں؟''

''آپ بالکل آرام سے گھر پر رہیں۔ میں اُس کے پیچھے جارہا ہوں۔''

''بھیا! میں بھی چلوں گا۔'' دھیرج لعل نے کہا۔

''نہیں دھیرج لعل مہاراج! آپ نے جس حد تک مجھ پر بھروسہ اب تک کیا ہے تھوڑا سا بھروسہ اور کرلیں۔ میں دیکھوں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''مگر بھیا!''

''بچوں جیسی باتیں نہ کریں۔ آپ خود ہی بتا چکے ہیں کہ دس بار وہ آپ کے سامنے گئی ہیں۔ آپ نے کتنی بار اُس کا پیچھا کیا؟''

''بھیا! کھوپڑی میں بات ہی نہیں آئی۔ بس باہر نکل کر وہ غائب ہو جاتی ہے جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا تھا۔''

''آپ جائیے اپنے کمرے میں۔'' لکشمن نے کہا۔ اس کے بعد وہ برق رفتاری سے باہر نکل آیا۔ کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ بالکل اچانک یہ سب کچھ ہوا تھا۔ لیکن دروازے کے باہر جا کر اُسے مورتی نظر آ گئی۔ حویلی کے گیٹ پر کھڑے چوکیدار غالباً اس سلسلے میں بالکل بے بس تھے۔ بہرحال انہوں نے بھی مورتی کو اور اس کے بعد لکشمن کو باہر نکلتے ہوئے

دیکھا تھا۔ مورتی رات کی تاریکی میں آگے بڑھتی جارہی تھی۔ لکشمن کو یہ خوف تھا کہ کہیں کسی جادو ٹونے کے زیر اثر وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ بس یہی بات اُس کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ ورنہ باقی وہ کسی بات سے خوفزدہ نہیں تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مورتی ڈگ بھرتی رہی اور لکشمن اُس کا پیچھا کرتا رہا۔ اتنا لمبا سفر طے کر کے مورتی اُس کچے قلعے تک پہنچی تھی کہ یقین نہ آئے۔ کافی فاصلے پر تھا یہ کچا قلعہ اور اس وقت انتہائی بھیانک اور بدنما منظر پیش کر رہا تھا۔ ٹوٹا ہوا قلعہ تھا۔ جگہ جگہ دیواروں میں سوراخ بنے ہوئے تھے۔ کچی مٹی سے بنایا گیا تھا۔ زمانہ قدیم کی تعمیرات کے سلسلے میں ایک قابل فخر کارنامہ کہا جا سکتا تھا اس کو۔ اس کی دیواریں آج تک زمانے کی صعوبتوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ مورتی ایک خاص حصے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ دیوار کے ایک سوراخ سے اندر داخل ہو گئی۔ لکشمن نے بھی اس سوراخ سے اندر داخل ہونے میں دیر نہیں کی تھی۔ دوسری طرف ایک بہت ہی خوشنما جگہ بنی ہوئی تھی۔ آسمان پر چاند تو نہیں نکلا تھا لیکن تاروں کی مدھم روشنی میں لکشمن نے دیکھا کہ یہ ایک حسین و جمیل جگہ ہے۔ گھاس کا ایک بڑا سا میدان نظر آ رہا تھا اور اس کے سرے پر ایک پرانے طرز کی کٹیا بنی ہوئی تھی۔ اس کٹیا کے بیرونی دروازے کے پاس ایک ہندو سادھو آسن مارے بیٹھا ہوا تھا۔ لکشمن نے غور کیا تو اُسے اندازہ ہوا کہ یہی کشنو ہے۔ اُس کی لمبی لمبی مونچھیں، ننگ دھڑنگ بدن اس بات کی غمازی کرتا تھا۔ بہرحال لکشمن اُسے دیکھتا رہا اور مورتی آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر کشنو کے سامنے پہنچ گئی۔ لکشمن نے ایک درخت کی آڑ اپنا لی تھی اور یہاں سے وہ سارے منظر کا جائزہ لے رہا تھا۔ کشنو نے آنکھیں کھولیں اور اپنا داہنا ہاتھ اُٹھایا اور اس کے بعد مورتی کے سر پر سایہ کیا، پھر بولا۔

''جے کالی کلکتے والی۔ جے میا کنتوریا۔ جے میا بھوانی۔ مورتی، اپنے من میں ہیرالعل کو بسا لے۔ اپنے من سے ساری باتیں نکال دے۔ وہ تیرا پریمی ہے۔ تیرا اور اُس کا جیون ساتھ ساتھ ہے۔ اور تمہیں سنسار میں ایک ساتھ ہو کر چلنا ہے۔ ہیرالعل! آ جا رے۔''

ہیرالعل ایک طرف سے برآمد ہوا اور اس طرح مورتی کے پاس آ کر بیٹھ گیا جس طرح مورتی بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے بھی دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''ہاں رے، کیا حال ہے اس کے باپ کا؟''

''مہاراج! جان کا عذاب بنا ہوا ہے۔''

"کیوں، کوئی نئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"ہاں مہاراج۔"

"کیا؟"

"کسی نوجوان سادھو کو بلایا ہے اُس نے۔ دیکھنے میں تو سسرا سادھو نہیں لگتا۔ پر لگ
بہت خطرناک ہے۔"

"کیا کر رہا ہے وہ؟"

"اُسے یقیناً آپ کے منتر کے اتار کے لئے بلایا گیا ہے۔ پتا جی کی بڑی توہین کی ہے
اُس نے۔"

"اچھا، کیا توہین کی ہے؟"

"پتا جی نے جو منصوبہ بنایا تھا نا مورتی کو شادی میں لے جانے کا۔ وہ منصوبہ فیل کر
ہے اُس نے۔"

"کیسے؟"

"پتا جی کے منصوبے کو اُن کے سامنے دھیرج لعل کو بتا کر۔"

"مگر اُسے کیسے معلوم ہوا؟"

"اسی بات پر تو ہم سب حیران ہیں مہاراج! کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا۔"

"خیر تو چنتا مت کر۔ ہمارے پاس ہر جادو کا توڑ موجود ہے۔ اُسے بھی سنبھال لیں
گے۔ اُسے بھی دیکھ لیں گے۔ کس کی شامت آئی ہے۔ کون گڑھے میں کود رہا ہے؟ کشنو کو
نہیں جانتے تم۔ ایک قدیم رُوح ہے وہ۔ وہ سنسار میں تم جیسے لوگوں کے کام کے لئے
اُتاری گئی ہے۔"

"جے کشنو مہاراج! میں جانتا ہوں۔ ایک اور بات پتا جی نے مجھ سے کہی ہے اور کہا
ہے کہ آپ سے اس بارے میں پوچھوں۔"

"ہاں بول۔"

"مہاراج! جس طرح ہم مورتی کو شادی میں لے جا رہے تھے اور وہاں جا کر اس کے
ساتھ پھیرے کرنا چاہتے تھے، اس طرح کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ پھیرے یہاں اس کے
قلعے میں ہو جائیں؟ آپ ہمارے پھیرے کرا دیں۔"

"نہیں رے، ایسا ہو سکتا تو ہم خوشی سے کر لیتے۔"

"کیوں مہاراج! مجھے اس کی وجہ بتائیں گے؟"

"دیکھ، جہاں تو شادی میں جا رہا تھا وہاں وہ پنڈت موجود ہے جو مندر میں پھیرے
کراتا ہے۔ اس کی گواہی کافی ہوتی اگر اس کی ضرورت پیش آتی۔ یہاں اگر ہم تیرے
پھیرے کرا بھی دیں تو گواہی دینے کون جائے گا؟"

"آپ مہاراج۔" ہیرا لعل نے کہا۔

"نہیں پگلے۔ یہی تو نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں؟"

"ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم تو ایک آوارہ آتما ہیں۔ ہماری گواہی نہ تو دی جا سکتی ہے اور
نہ مانی جائے گی۔"

"تو پھر اوپائے بتائیں مہاراج۔"

"نہیں رے نہیں۔ تیرا سارا اوپائے یہ لڑکی ہی ہے۔ یہی سب کچھ کرے گی۔ یہاں
تیری اس سے ملاقات تو ہو جاتی ہے۔"

"مہاراج! مگر اب اس پر بھی کوئی پابندی لگنے والی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ جو آ گیا ہے۔"

"کون؟"

"وہی سادھو۔"

"ارے دیکھ لیں گے اُسے بھی۔ کان پکڑ کر نہ یہاں بلوا لیں تو ہمارا نام بھی کشنو نہیں
ہے۔" کشنو مہاراج نے کہا۔

"پتا جی نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اسے سن کر تو مجھے ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں ہمارا کھیل ختم
نہ ہو جائے۔"

"ڈرنا تجھے اس بات سے نہیں چاہئے کہ وہ یہاں آ گیا ہے۔ ڈر تجھے اس بات سے
چاہئے کہ تو کشنو کا اپمان کرنے لگا ہے۔ جب ایک بات ہم تجھے بتا ہے ہیں کہ اس کی
کوئی حیثیت نہیں ہے ہمارے سامنے پھر بھی تو وہی اپنی بات کئے جا رہا ہے کہ وہ ایسا کر
دے گا، ویسا کر دے گا۔"

"نہیں مہاراج! ایسی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت جلد اس کا نتیجہ بھی ہم تیرے سامنے لے آئیں گے۔ مورتی! اب تو واپس جا۔ اور ہیرالعل! خبردار، جیسا کہ ہم نے تجھ سے کہا ہے کہ جب تک ہم تجھے اجازت نہ دیں مورتی کے ساتھ کوئی ایسا سلوک مت کرنا جو خود تیرے راستے کی رُکاوٹ بن جائے۔"

"نہیں مہاراج! آپ چنتا نہ کریں۔" ہیرالعل نے کہا۔ اور اس کے بعد مورتی وہاں سے اُٹھ گئی۔

لکشمن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ یہ اندازہ تو اُسے ہو گیا تھا کہ مورتی اب سیدھی اپنے گھر واپس جائے گی۔ کیونکہ جس طرح وہ یہاں آئی اسی طرح واپس بھی چلی جائے گی۔ اور ایسا ہوتا رہا ہے۔ مورتی نے اپنے جو خواب بیان کئے ہیں وہ بالکل خواب نہیں بلکہ حقیقت تھے۔ اور ایسی صورت میں وہ کسی نہ کسی طرح کشنو کے ٹرانس میں ہوتی تھی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لکشمن سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے واپس مورتی کا تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ وہیں رُک گیا تھا۔ اُس کے دل میں شدید خواہش مچل رہی تھی کہ وہ کشنو مہاراج سے ملاقات کرے۔ پھر ہیرالعل بھی واپسی کے لئے اُٹھ گیا اور اس کے بعد کشنو اپنی جگہ بیٹھ کر کوئی منتر پڑھنے لگا۔ اُس کی مدھم مدھم آواز اُبھر رہی تھی۔ اور لکشمن سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کشنو کا سامنا کر لینا چاہئے۔

بہرحال کچھ دیر کے بعد وہ درخت کے پیچھے سے باہر نکل آیا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا کشنو کے سامنے پہنچ گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کشنو اُسے دیکھ کر حیران ہونے کی بجائے مسکرانے لگا تھا۔ اُس نے اپنا منتر بند کیا اور مسکراتی نگاہوں سے لکشمن کو دیکھتا ہوا بولا۔

"آ گیا رے تو۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ تجھے آنے میں کچھ دیر لگے گی۔ مگر تو، تو ایسا لگتا ہے جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مہاراج! آپ مجھے جانتے ہیں؟" لکشمن نے کہا۔

"لکشمن ہے نا تیرا نام؟"

"واہ!"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہیرالعل جو ہمارا داس ہے ہمیں تیرے بارے میں بتا کر گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تیری وجہ سے پریشان ہے۔ ہم نے سوچا کہ ذرا تجھے یہاں بلا لیا جائے۔ ہم تیرے بلانے کا منتر پڑھ رہے تھے۔"

لکشمن کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا تو کشنو اُسے دیکھ کر چونک پڑا، پھر بولا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے رے؟"

"آپ کا مطلب یہ ہے مہاراج کہ آپ کے منتر کے نتیجے میں، میں یہاں تک پہنچا ہوں؟"

"تو اور کیا تیری نانی تجھے یہاں لائی ہے؟"

لکشمن پھر ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ کی اوقات مجھے پتہ چل گئی۔"

"کیا بک رہا ہے۔ تو جانتا ہے ہمیں، ہم کون ہیں؟"

"کشنو مہاراج! یہ تو میں جان لوں گا آپ کو کہ آپ کون ہیں۔ لیکن ایک دلچسپ خبر دوں آپ کو؟"

"کیسی خبر؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جب مورتی اور ہیرالعل بھی یہاں موجود تھے تو میں بھی اس سامنے والے درخت کے پیچھے چھپا ہوا کھڑا تھا۔"

"کیا......؟" کشنو اُچھل پڑا۔

"ہاں۔ آپ لوگوں کے درمیان جو بات چیت ہوئی ہے اگر میں سب آپ کے سامنے دوہراؤں تو آپ کو پورا پورا یقین آ جائے گا کہ میں یہاں موجود تھا۔"

"ذرا بتا تو سہی۔" کشنو نے کہا اور لکشمن نے ساری باتیں اُس کے سامنے دوہرا دیں۔ پھر ہنس کر بولا۔

"اور آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کے منتر پڑھنے سے یہاں آیا ہوں۔"

"خیر جیسے بھی آیا، آ تو گیا ہے۔"

"ہاں۔ آپ سے ملنا تو ضروری تھا۔"

"اب یہ بتا کہ تو کون ہے؟"

"لکشمن ہے میرا نام۔ آپ کو البتہ میں جاننا چاہتا ہوں۔" لکشمن نے کہا اور اس کے فوراً بعد اُس نے کشنو مہاراج کو پڑھنا شروع کر دیا اور ساری حقیقتیں اُس کے سامنے آتی چلی گئیں۔ کشنو اُسے گھور رہا تھا۔ لکشمن نے ہنس کر کہا۔

"لیجئے مہاراج! آپ کا کچا چٹھا تو کھل گیا۔"

"کک...... کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"ہاں۔ دھرمانندی ذات کا چمار تھا۔ گول کڑی بستی میں رہتے تھے آپ لوگ۔ گول کڑی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں دھرمانندی کی کوئی عزت نہیں تھی۔ بھوکوں مرتا تھا بیچارہ۔ ایک بہن بھی تھی آپ کی جسے آپ نے گیان چند کھتری کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور اس کے بعد بستی سے بھاگ آئے تھے۔ پھر آپ کو کیکا چند ملا۔ یہ کیکا چند جو تھا وہ کالے علم کا ماہر تھا۔ آپ نے اُس کی سیوا کی اور اُس سے تھوڑے سے جادو منتر سیکھے۔ لیکن اس دوران آپ کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا اور پولیس آپ کے پیچھے لگ گئی۔ کیکا نے آپ کو ایک منتر بتایا۔ آپ وہ منتر پڑھ کر کلکتہ آ گئے اور اس کے بعد آپ نے کچے قلعے میں اپنی پناہ گاہ بنا لی۔ کافی عرصے تک آپ یہاں چھپے رہے اور آپ نے اپنا حلیہ بدل لیا۔ اس منتر کا سب سے بڑا کھیل آپ کی یہ مونچھیں ہیں۔ غلط تو نہیں کہہ رہا میں؟ یہ مونچھیں آپ ایک طرف سے یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کے اس جادو منتر کا مسکن ہیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ؟ یہ ہے سارا کھیل جس سے ہیرالعل جیسے لوگوں کو آپ اپنے چکر میں پھانس کر اپنا خرچ چلاتے ہیں۔ کہیے غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تو...... تو...... تو کون ہے رے؟ اور تجھے یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"بس آپ ہی جیسا ہوں مہاراج! بھلا آپ سے جھگڑا کر سکتا ہوں؟ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ کھائیے مل بانٹ کر کھائیے۔ مل بانٹ کر کھانے کا جو مزہ ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں ہے۔"

کشنو مہاراج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جلدی سے بولے۔ "اگر یہ بات رہے تو پھر تو بات ہی کیا رہ جاتی ہے۔ میں تو سمجھا کہ تو مجھ سے لڑے گا۔"

"نہیں، بیوقوف نہیں ہوں۔ جس طرح آپ یہاں رہ کر اپنا کام چلا رہے ہیں، میں بھی اپنا کام چلانا چاہتا ہوں۔"

"ہیرالعل بڑی آسامی ہے۔ مورتی سے اُس کی شادی ہو جائے گی تو دھیرج لعل کی ساری دولت اس کے ہاتھ آ جائے گی۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے ایک گھر بنا کر دے گا اور زندگی بھر میرے اخراجات اٹھائے گا۔ لکشمن! تم بھی اگر چاہو تو میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس سنسار میں ایک دوسرے کو دھوکا دے کر ہی جیون گزارا جاتا ہے۔ تم کسی کو نہیں مارو گے تو دوسرا تمہیں مار ڈالے گا۔ اپنا جیون بہتر بنانے کے لئے کام کرو۔ باقی سب جائیں بھاڑ میں۔ تم بھی ودوان ہو، میں بھی تھوڑا بہت کچھ جانتا ہوں۔

دونوں مل کر اس سنسار باسیوں کو بیوقوف بنائیں گے۔ کلکتے میں لاکھوں ایسے لوگ پڑے ہوئے ہیں جنہیں ہماری ضرورت ہے اور ہمیں ان کی۔ ہم ان کی جیبیں خالی کرائیں گے۔ بولو، میرا ساتھ دو گے؟"

"سوچنا پڑے گا مہاراج!" لکشمن نے جواب دیا۔

"ارے سوچنے کی کیا بات ہے؟ مجھ پر بھروسہ نہیں ہے تمہیں؟"

"سچ کہوں، بھروسہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟"

"کیوں لکشمن؟"

"اس لئے مہاراج! کہ ابھی تو میری آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔ اتنی جلدی کسی پر بھروسہ کرنے والے بیوقوف نہیں ہوتے تو کیا ہوتے ہیں۔"

"تو میرے ساتھ دو تین دن گزارو۔ تم نے کیا جانا ہے؟ یہاں کیسے آئے تھے؟"

"بس یہ سمجھئے مورتی کے پیچھے پیچھے لگا چلا آیا تھا۔"

"ہوں...... بہرحال کسی کے پابند تو نہیں ہو۔ میں نے بڑے پیار سے تم سے یہ آفر کی ہے۔ رہو یہاں اور سوچو۔"

"ایک بات بتائیے؟"

"ہاں پوچھو۔"

"یہاں اور بھی لوگ آتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"کون لوگ ہوتے ہیں وہ؟"

"میرے چیلے چانٹے۔"

"آپ کے چیلے چانٹے بھی ہیں؟"

"مطلب یہ ہے کہ وہ جنہیں مجھ سے کوئی کام ہوتا ہے یا میرا ان سے کوئی معاملہ ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے کام ہو چکے ہیں اور وہ عقیدت مندی کے طور پر مجھ پر چڑھاوے لے کر آتے ہیں۔"

"ٹھیک۔"

"تم یہاں آرام سے رہو۔ ٹھنڈائی پیو گے؟" کشنو نے کہا اور لکشمن کا سیمابی ذہن فوراً ہی اس پر آمادہ ہو گیا۔ ترکیبیں تو اُس کے ذہن پر یوں پھسلتی تھیں جیسے آسمان سے اولے

گرتے ہیں۔ وہ مسکرا دیا اور بولا۔

''ٹھیک ہے مہاراج۔ پلا دیجئے۔''

وہ جانتا تھا کہ ٹھنڈائی میں بھنگ شامل کی جاتی ہے اور بھنگ کے نشے کو بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ بہرحال وہ تیار ہو گیا اور کشنو مہاراج تیاریاں کرنے لگے۔ ایک کھرل میں بھنگ گھوٹی جانے لگی۔ بادام، پستے، چاروں مغز اور دوسری چیزیں بھی تیار کر لی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دیگچہ بھنگ تیار ہو گئی۔ کشنو نے دو گلاس بھرے۔ ایک لکشمن کو دیا اور دوسرا خود لے لیا۔ لکشمن نے گلاس ہونٹوں سے لگایا۔ ایک آدھ گھونٹ پیا۔ لیکن کشنو فوراً ہی پورا گلاس چڑھا گیا تھا۔ لکشمن نے موقع پا کر گلاس ایک طرف انڈیل دیا۔ بس اس کے بعد اسی چالاکی سے اُس نے کشنو کو خوب بھنگ پلا دی اور کشنو زمین پر لمبا ہو گیا۔ لکشمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کشنو کی جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ اپنے مطلب کی چیز یعنی ایک قینچی تلاش کرنے میں اُسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ کشنو بالکل بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ لکشمن نے قینچی لی اور کشنو کی مونچھیں صاف کرنے لگا۔ باریک قینچی سے اُس نے کشنو کی ساری مونچھوں کی صفائی کر ڈالی۔ یہ اُس کی اپنی معلومات کا نتیجہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مونچھیں صاف ہونے کے بعد کشنو ایک بے جان گدھے کی طرح ہے اور دوبارہ وہ اپنی شکتی کبھی نہیں حاصل کر سکتا۔ کشنو کی مونچھوں کی صفائی کے بعد وہ آرام سے اپنے لئے ایک جگہ تلاش کر کے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، اس کے بعد اُسے گہری نیند آ گئی۔ دوسری صبح کشنو نے ہی اُسے اٹھایا تھا۔

''اُٹھیے لکشمن مہاراج! میرے عقیدت مند ناشتہ لے کر آ گئے ہیں اور ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جائیے منہ دھو لیجئے۔''

''آپ نے منہ دھو لیا کشنو مہاراج؟'' لکشمن نے پوچھا۔

''ابھی کہاں۔ جاتا ہوں میں بھی۔ آپ بھی تیار ہو جائیے۔''

سامنے ہی حلوہ پوری مہک رہی تھی۔ کشنو منہ دھونے چلا گیا۔ لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد کہیں کسی جگہ سے کشنو کی دھاڑ سنائی دی اور لکشمن اُچھل پڑا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کشنو مہاراج کو اپنی مونچھوں کی گمشدگی کا احساس ہو گیا تھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا ہو گا تو پتہ چلا ہو گا کہ سارا جادو منتر غائب۔ وہ بُری طرح دہاڑ رہا تھا۔ بری طرح چیخ رہا تھا۔ ظاہر ہے اُس کا شبہ لکشمن پر ہی جاتا تھا چنانچہ وہ

لکشمن کے پاس پہنچ گیا۔

''مم...... میری مونچھیں...... میری مونچھیں، یہ کیسے غائب ہو گئیں؟''

''بس مہاراج! آپ کے جادو منتر کی عمر یہی تھی۔ جب کوئی چیز سنسار سے جانی ہوتی ہے تو اسی طرح غائب ہو جاتی ہے۔''

''ارے تیرا ستیاناس، کیا تو نے ایسا کیا ہے؟''

''تو اور کون کر سکتا تھا مہاراج! میرے سوا یہاں اور تھا ہی کون۔''

''کیوں کیا تو نے ایسا...... کیوں کیا؟''

''اس لئے مہاراج! کہ میرا آپ کا مقابلہ ہے۔ میں دھیرج لعل سے یہ وعدہ کر کے آیا ہوں کہ آپ کا کھیل ختم کر دوں گا۔ سو دیکھ لیجئے، آپ کا کھیل ختم ہو گیا۔''

''ارے تو نے میری بغل میں چھری ماری ہے۔''

''آپ کی بغل مجھے نرم نظر آئی تھی مہاراج! وہی جگہ چھری مارنے کے لئے زیادہ بہتر تھی۔'' لکشمن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تو نہیں جانتا۔ میرے تو بہت سے دشمن ہیں جنہیں میں نے اپنے اس جادو منتر سے قابو میں کیا ہوا تھا۔ اب میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ چھین لیا رے کمینے تو نے مجھ سے میرا سب کچھ۔ ارے لکشمن ہے تیرا نام اور کام کئے ہیں تو نے راون جیسے۔''

لکشمن ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''رام پور کا لکشمن ہوں میں مہاراج! اصل لکشمن تو نہیں ہوں نا۔ اچھا آئیے چھوڑیئے ان باتوں کو۔ ناشتہ کریں۔''

''بھاڑ میں جا تو اور تیرا ناشتہ۔ ارے باپ رے باپ۔ میرے دشمن تو میرے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ کھا جائیں گے مجھے۔ جا بابا معاف کر دے مجھے۔ چلا جا یہاں سے۔''

''ناشتہ کر کے جاؤں گا۔'' لکشمن نے کہا۔ پھر اُس نے اکیلے بیٹھ کر خوب حلوہ پوری ڈٹ کر کھائی اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑا۔

✿......✿
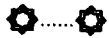
اب اس کے بعد ظاہر ہے جو ہونا تھا وہی ہوا۔ مورتی کشنو کے ٹرانس سے نکل آئی تھی۔ کشنو کا کھیل ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب اس کے بعد بھلا اور کیا ہوتا۔ جب مورتی اُن کے چنگل

سے آزاد ہو گئی تو ہیرا لعل کی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ مورتی ایک دم ٹھیک ہو گئی تھی۔ دھیرج لعل تو بس لکشمن کے پاؤں چوم رہا تھا۔ بڑی عزت ملی تھی اُسے۔ اور پھر وہ خود لکشمن کو متھرا گردھاری لعل کے پاس چھوڑنے آیا۔ گردھاری لعل کے لئے بھی بہت کچھ لے کر آیا تھا۔

جب دھیرج لعل چلا گیا تو گردھاری لعل نے لکشمن سے سر جھکا کر کہا۔

"لکشمن بیٹا! یہ جو کچھ دھیرج لعل لایا ہے، میرا نہیں تیرا ہے۔ نہ تو میں تیرا گرو ہوں نہ میں نے تجھے کچھ سکھایا ہے۔ بھگوان نے جو کچھ تجھے دیا ہے وہ تیرا ہی ہے۔"

لکشمن ہنسنے لگا، پھر بولا۔ "گردھاری لعل مہاراج! مجھے بھلا ان چیزوں کا کیا کرنا ہے۔ یہ سب آپ رکھ لیجئے۔"

اس کے بعد لکشمن کی زندگی میں بہت سے الٹ پھیر آئے۔ اب وہ اپنے فن میں پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ تلیا رام اور پاربتی آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ بیٹے نے انہیں منہ تک بھر دیا تھا۔ تلیا رام تو کبھی کبھی پاربتی سے کہتا تھا۔

"پاربتی! لوگ تو کہتے ہیں کہ کھوٹا سکہ چلتا ہی نہیں۔ میرا کھوٹا سکہ کیسے چلا پاربتی؟"

"کھوٹا تو تم سمجھتے تھے نا اسے۔ میرے من میں تو ہمیشہ سے یہ بات تھی کہ بھگوان نے چاہا تو ایک دن وہ بہت بڑا آدمی بنے گا۔"

بہرحال یہ بڑا آدمی زندگی کے حسین ترین دن گزار رہا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بہت بار عورت اُس کے قریب آئی۔ بہت سی شکلوں میں۔ لکشمن شاید یہی ایک خوبی تھی اُس کے اندر کے وہ عورت نواز نہیں تھا۔ بہرحال اُس کی شہرت مختلف زبانوں سے پھسلتی رہی۔ اور پھر ایک دن ایسے گروہ کے کچھ کارکن اُس کے پیچھے لگ گئے جو اُس کے بارے میں سن چکے تھے۔ لکشمن کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ زندگی کے کسی دور میں کچھ ایسے پراسرار لوگ اُس کے پیچھے لگ سکتے ہیں۔ جس پائے کے وہ کام کرتا رہا تھا وہ تو ایک الگ نوعیت کے تھے۔ لیکن اب اُسے کچھ خطرناک واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ متھرا میں ہی ایک رات کو کچھ لوگوں نے اُس سے ملاقات کی۔ اس وقت لکشمن ایک ہوٹل میں کمرے میں بیٹھا ہوا رات کا کھانا کھا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اُس نے یونہی بے خیالی کے انداز میں دستک دینے والے سے اندر آنے کے لئے کہا۔ تب وہ دو افراد اندر داخل ہوئے تھے۔ اجنبی چہرے تھے۔ لیکن جسموں پر بہت اچھے لباس۔ شکل و صورت سے بھی پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔

"مسٹر لکشمن؟" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں، میں ہی ہوں۔ فرمائیے۔"

"معاف کیجئے گا۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کھانا کھا رہے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ مجھ سے ملنے آئے تھے نا آپ؟"

"ہاں۔ آپ کھانا کھائیے۔ کھانے کے بعد ہم بات کریں گے۔"

"میں کھانا کھا چکا ہوں۔" لکشمن نے برتن ایک طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

"آپ لوگ اپنا تعارف تو کرائیے۔ کون ہیں آپ؟"

"مسٹر لکشمن! ہمارے ناموں سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ یہ بے مقصد سی چیز ہے۔ ہم کسی کے نمائندوں کی حیثیت سے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" لکشمن نے کہا۔

"مسٹر لکشمن! آپ کو ہمارے باس سے ملاقات کرنی ہے۔ ہم اس کی دعوت دینے آئے ہیں آپ کے پاس۔"

"خیریت؟ آپ کے پاس مجھے کیسے جانتے ہیں؟"

"آپ کسی معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں۔ اگر آپ واقعی فارغ ہو چکے ہیں تو تھوڑا وقت ہمیں دیجئے۔ ہمیں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"باس کے پاس۔"

"میرا مطلب ہے آپ کا باس کہاں ہوتا ہے؟"

"ہوتا تو وہ کہیں اور ہے۔ لیکن وہ آپ سے ملاقات کے لئے یہیں متھرا آیا ہوا ہے۔"

"اچھا۔ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کچھ نہیں بتائیں گے؟"

"مسٹر لکشمن! ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ ضرور بتا دیتے۔"

رام پور کے ایک محلے میں رہنے والا یہ معصوم اور سادہ سا انسان جس نے اپنی شوخ فطرت کی بناء پر بہت سے کارنامے سرانجام دیئے تھے لیکن اس طرح کہ اُسے خود بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسے کارنامے سرانجام دے سکے گا۔ بہرحال بہت سے معاملات میں ملوث رہ کر وہ شہرت بھی حاصل کر چکا تھا۔ حالانکہ اُسے اس بات کا خوف تھا کہ یہ شہرت کہیں اس کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ وہ تو بس زندگی کو ہنسی کھیل سمجھنے والوں میں

سے تھا۔ آنے والوں سے وہ انکار بھی کر سکتا تھا لیکن اُسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اُس نے ابھی تک ان لوگوں کے ذہنوں میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ یہ اُس کا سب سے پہلا عمل ہوتا تھا۔ لیکن صورتحال ہی کچھ ایسی تھی۔ بہرحال وہ تیار ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اُن کے ساتھ نیچے اُتر آیا۔ کار میں بیٹھا۔ اُن میں سے ایک نے کار اسٹارٹ کر دی، دوسرا اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ جبکہ لکشمن پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ اب اُس کے لئے بہتر موقع تھا کہ وہ ان لوگوں کا دماغ پڑھے۔ چنانچہ اُس نے فوراً ہی کارروائی شروع کر دی۔ لیکن اس وقت اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُن کے دماغ کالے رنگ کے پردوں سے ڈھک گئے ہوں یا انہیں کسی پراسرار قوت نے ڈھک دیا ہو۔ لکشمن حیران رہ گیا۔ جو طاقت اُسے عطا کی گئی تھی اور گیانیشور مہاراج نے اپنا جو علم اُسے دے دیا تھا اس کے تحت آج تک تو یہ ہوتا آیا تھا کہ لکشمن نے جس کسی کے بھی ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی، اُس کے ذہن کے دروازے لکشمن کے سامنے کھل گئے۔ لیکن یہ کالے پردے والے لوگ، یہ اُس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

آخر کار یہ سفر ختم ہوا اور لکشمن ایک ایسی عمارت کے سامنے پہنچ گیا جو قدیم طرز کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ پانچ چھ کمروں پر مشتمل اس عمارت کے صحن سے گزر کر لکشمن کو ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ کمرے کا فرش ننگا تھا۔ بس سامنے کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان میں سے ایک کرسی پر ایک عجیب الخلقت انسان بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک لمبی چوڑی جسامت کا آدمی تھا۔ چہرے سے سادھو معلوم ہوتا تھا۔ بدن پر جوگیا لباس تھا۔ سر پر ایک عجیب سی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ بھرے بھرے جسم پر داڑھی نظر آ رہی تھی۔ آنکھیں بہت بڑی بڑی اور سرخ تھیں اور چہرے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک انتہائی سفاک اور ظالم قسم کا آدمی ہے۔ لکشمن کا بھلا ان عجیب و غریب واقعات سے سامنا کہاں پڑا تھا۔ کچھ لمحے کے لئے اُس کے چہرے پر بوکھلاہٹ سی پھیل گئی۔ پھر اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سامنے والے شخص کو پرنام کیا۔ جواب بھی اُسے اسی انداز میں ملا تھا۔ وہ دونوں آدمی جو اُسے یہاں تک لے کر آئے تھے واپس پلٹ گئے۔ انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ تب ایک بھاری اور گونجدار آواز اُبھری۔

”کرسی لے لو لکشمن اور میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔“

لکشمن نے اُس شخص کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ اُس کی کیفیت کچھ عجیب عجیب سی ہو رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایک خوف کا سا احساس اُس کے ذہن میں تھا۔ سادھو نے اُس کے بیٹھنے کے بعد کہا۔

”میں تمہیں تمہارے نام سے پکار چکا ہوں مگر تم میرا نام نہیں جانتے، میں تم سے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میرا نام جے پال ہے، ٹھاکر جے پال۔ آگرے کا رہنے والا ہوں۔ ماں باپ نے ساری زندگی فوج کی نوکری کی ہے۔ پتا جی پہلے انگریزوں کے لئے لڑتے رہے ہیں، اس کے بعد انہوں نے ہندوستانی فوج کے ایک عہدے دار کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ لی۔ میں بھی سترہ سال کی عمر میں فوجی بن گیا تھا اور اس وقت جنرل کے عہدے پر ہوں۔“

لکشمن نے چونک کر اُس شخص کو دیکھا۔ فوجیوں کے بارے میں تو اُس کا تصور بالکل ہی مختلف تھا۔ بے شک لمبے چوڑے بدن کے مالک ہوتے ہیں وہ۔ لیکن ان کا حلیہ تو ایسا نہیں ہوتا۔ یہ تو کوئی جٹا دھاری سادھو معلوم ہو رہا تھا۔ اب یہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ یا اگر یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے تو اس جھوٹ کا پس منظر کیا ہے۔ فوجی تو وہ لگتا ہی نہیں تھا۔ اُس کا قہقہہ سنائی دیا تو لکشمن چونک کر بولا۔

”آپ ہنس کیوں رہے ہیں مہاراج؟“

”تمہاری سوچوں پر لکشمن۔“

”میری سوچیں؟“

”ہاں۔ اتفاق کی بات ہے کہ تم نے جو فن سیکھا ہے، میں بھی اس سے واقف ہوں۔ مجھے بچپن ہی سے پراسرار علوم کو سیکھنے کا شوق تھا۔ پتا جی چونکہ فوجی آدمی تھے، اُن کی خواہش تھی کہ میں فوج میں جاؤں۔ میں نے اُن کی خواہش پوری کر دی۔ لیکن لکشمن، وہ علم جو تمہارے ذہن میں ہے، تم سے کہیں زیادہ طاقتور حالت میں میرے ذہن میں موجود ہے۔ میں بھی انسانوں کے دماغ آسانی سے پڑھ لیا کرتا ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے تمہاری شہرت سن رہا تھا کہ متھرا میں ایسا ایک جوان موجود ہے جو لوگوں کے ذہنوں کو پڑھ کر ان کی مشکلیں دُور کر دیتا ہے۔ یہ بہت مشکل فن ہے جو آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے شاگرد بھی بنانے کی کوشش کی لیکن اس نتیجے پر پہنچا کہ اس فن میں کسی کو شاگرد نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ تو بھگوان کی دین ہے، جسے بھی دے دے۔“

لکشمن نے فوراً ہی اپنے ذہن کے دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جے پال کو اس کی حقیقت معلوم ہو۔ جے پال نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی، پھر وہ بولا۔

"تو لکشمن! میں نے یہ علم سیکھا۔ اور تم جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ ہم جیسے لوگ اگر چاہیں تو باقاعدہ ریاستوں کے حکمران بن سکتے ہیں، دولت کے انبار لگا سکتے ہیں اپنے قدموں میں۔ یہ ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اور مجھے حیرانی ہے کہ اس قدر جوان ہونے کے باوجود تم نے بھی ابھی تک یہ سب کچھ کیوں نہیں کیا؟ تمہارے بارے میں تو میں معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ رام پور کے لکشمن ہو تم۔ تلیا رام جی ستاروں سے دوستی کر کے روزی کماتے رہے ہیں۔ تم نے متھرا میں آ کر اپنے اس گیان دھیان کو آگے بڑھایا ہے۔ بہت سے لوگوں کے کام آ چکے ہو اور شریف آدمی ہو۔ مجھے ایک شریف ہی آدمی کی ضرورت تھی۔"

"جناب! میرے خیال میں آپ متضاد باتیں کر چکے ہیں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کا ذہن پڑھ لوں؟"

جے پال ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم اس میں ناکام رہو گے لکشمن! کیا تم نے ان دونوں کا ذہن پڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی جو تمہیں یہاں لے کر آئے ہیں؟ تمہیں اُن کے دماغ پر ایک کالی نقاب نظر آئی ہو گی۔ وہ کالی نقاب میری ڈالی ہوئی ہے۔ جب میں دوسروں کے ذہنوں کو دنیا کے سامنے آنے سے بچا سکتا ہوں تو میرا اپنا ذہن پڑھنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے لکشمن! تمہیں بلایا تو میں نے اس انداز میں ہے، لیکن میں تم سے بالکل دوستی کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات تمہارے مفاد میں بھی ہو گی۔ سننا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں؟" لکشمن اب سنبھل گیا تھا۔

"دیکھو...... میرا اپنا شوق اپنی جگہ۔ بار بار یہ بات کہہ رہا ہوں کہ باپ بھی فوجی تھے اور دادا بھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کے ریت رواج ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ میں نے ان کی خواہش کے مطابق فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اپنے فن سے بھی وابستہ رہا۔ پھر مجھے خاص طور سے ملٹری انٹیلی جنس میں لے لیا گیا کیونکہ وہاں بہت سی اکھاڑ پچھاڑ ہوتی رہتی ہے۔ حکومت ہندوستان کو میری ضرورت تھی، چنانچہ اُن کی خوشی کی مطابق میں نے داڑھی رکھ لی اور اب اپنے ہی کارنامے سرانجام دیتا ہوں۔ بات صرف یہ نہیں ہے کہ ایک فوجی آدمی ہونے کی حیثیت سے مجھے سرحدوں کی ہی دیکھ بھال کرنا پڑتی

ہے۔ بلکہ بات یہ بھی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں کے لوگ ہماری حکومت کی ترقی سے جلتے ہیں اور مختلف طرح سے معلومات حاصل کرتے رہتے ہیں کہ آخر ہماری یہ قوت کیسے بڑھتی جا رہی ہے۔ لکشمن! مجھے ان کے خلاف ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو میری طرح کچھ علم رکھتا ہو۔ دیکھو ساری باتیں اپنی جگہ، دیش کی سیوا منش کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتی ہے۔ میں تمہیں دیش سیوک کے طور پر اپنا ساتھی بنانا چاہتا ہوں اور اسی لئے میں یہاں تک آیا ہوں۔"

"لیکن جناب! سب کچھ ہی تو جانتے ہیں آپ میرے بارے میں۔ میرے ماتا پتا کے بارے میں یہ بھی جانتے ہیں آپ کہ دولت کمانا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ گو میں نے ابھی اس کا آغاز نہیں کیا لیکن دل میں میرے یہی بات ہے کہ خاصی رقم جمع کرنے کے بعد ماتا پتا کو یا تو دہلی بلوا لوں یا پھر رام پور میں ہی انہیں ایک الگ عالیشان گھر بنوا دوں۔ زندگی کی ساری آسائشیں میں انہیں دے دوں۔ میں نے اپنے اس علم کے حصول کے لئے اس سے الگ ہٹ کر کوئی بات نہیں سوچی۔"

"اس کا بھی مجھے علم ہے لکشمن! اور یہی تمہارے اندر کی طاقت ہے۔ ورنہ عام لوگ ذہنی طور پر اس قدر طاقتور نہیں ہوتے۔ اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ کیا تم میری یہ آفر قبول کر لو گے؟ دیکھو اس میں تمہیں فائدے ہی فائدے ہیں۔ پورے ہندوستان میں ہر جگہ تمہاری اپنی ایک عزت ہو گی۔ جہاں بھی جاؤ گے بے شمار افراد تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ تمہیں صرف ایسے لوگوں کے خلاف کام کرنا ہو گا جو دیش کے غدار ہیں یا دیش کو کسی بھی صورت میں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے ایک ساتھی کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ملٹری انٹیلی جنس آفیسر ہونے کی حیثیت سے میری ذمہ داری یہی ہے اور اس ذمہ داری میں، میں اپنے کچھ ساتھیوں کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔"

"بات بہت اچھی ہے جنرل صاحب! آپ کو میرے بارے میں جو کچھ بھی معلوم ہے یہ بھی بڑی اچھی بات ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سنسار میں کسی بھی طرح کی شکتی صرف کسی ایک کے پاس نہیں ہوتی۔ شکتی مان تو بھگوان کی ذات ہے۔ وہ جسے جو کچھ بھی دینا چاہتا ہے، دے دیتا ہے۔"

"ہاں، یہی میں کہنا چاہتا تھا۔"

"تو آپ مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"سب سے پہلے یہ اقرار کرنا ہے تمہیں کہ دیش کے لئے جو بھی ضرورت ہو گی تم اسے پوری کرو گے اور اس کے لئے اپنے جیون کی پرواہ بھی نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے جناب۔ میں آپ کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔" لکشمن نے جواب دیا۔ اور جنرل جے پال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دہلی جا کر تمہیں تھوڑی سی ٹریننگ کرنا پڑے گی۔ اس کے بعد ہم تمہیں تمہارا کام بتائیں گے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"اب تم ایک فوجی ہو۔ بے شک تمہیں فوجی ٹریننگ اس انداز میں نہیں دی گئی یا نہیں دی جا سکتی جس طرح ایک رنگروٹ سے آغاز کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی تمہاری تھوڑی سی تربیت ہو گی۔"

"میں تیار ہوں سر۔" لکشمن نے جواب دیا۔

درحقیقت ابتدا اُس نے اپنی تفریحات سے کی تھی۔ دھنی ٹھاکر کا اکھاڑا، تلسی کی دوستی اس کے بعد متھرا، گرو گردھاری لعل جی کے ساتھ مذاق۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اُسے ایک عجیب و غریب شکتی مل گئی تھی جس میں اُس کی محنت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور اس کے بعد سے اس شکتی سے شہرت ملی۔ گیانیشور جی سے اُس نے یہ شکتی چھینی نہیں تھی، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اُسے ایک طرح سے یہ تحفہ ملا تھا اور اس تحفے سے فائدہ اُٹھا کر اُس نے متھرا کے مندروں میں جو تباہی پھیلائی تھی وہ بھی ایک بڑی بات تھی۔ پھر راج ماتھر کے ساتھ مل کر بہت سے ایسے راکھششوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا تھا جو عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کرتے تھے۔ اس کے بعد اور چند ایسے واقعات جن میں صحیح معنوں میں لکشمن کی اس شکتی نے تو کام کیا ہی تھا لیکن اُس کی دماغی قوتیں اور جوڑ توڑ زیادہ کارآمد ثابت ہوئے تھے۔ لیکن کبھی کبھی شہرت کی یہ منزلیں کسی ایسے جال میں بھی پھنسا دیتی ہیں جہاں اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑے۔

بہرحال گردھاری لعل یہاں موجود تھے۔ لکشمن کو اُن کے گھر رہنے میں مزہ نہیں آتا تھا چنانچہ وہ ہوٹل ہی میں رہتا تھا۔ وہاں سے اُسے واپس ہوٹل ہی پہنچا دیا گیا تھا۔ ہوٹل میں اپنی رہائش گاہ میں آنے کے بعد وہ لمبا لمبا بستر پر لیٹ گیا۔ ابھی تک تو زندگی ایک مخصوص انداز میں گزرتی رہی تھی۔ اپنی مرضی کا مالک، کھیلنے کھانے والا۔ لیکن اب اُسے ایک دیش

سیوک کی حیثیت سے طلب کر لیا گیا تھا اور وہ اقرار کر آیا تھا۔ اُسے تردّد تھا تو بس اس بات کا کہ اس سے زیادہ دماغ والا اُس کے سامنے آ چکا تھا جو اُس کے ذہن کی رسائی اپنے آپ تک نہیں ہونے دیتا تھا اور خود اُس کے ذہن کو پڑھ چکا تھا۔ یہ بات لکشمن کے علم میں نہیں تھی کہ دماغ پر پردے کیسے ڈالے جا سکتے ہیں۔ بہرحال وہ زندگی کے اس نئے موڑ پر سفر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار پا رہا تھا۔

ہوتا یونہی ہے کہ جب انسان اپنے چاروں طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے تو پھر اُسے کسی نئی چیز کی تلاش ہوتی ہے جو اُس کے تجسس کو سرد کر دے۔ حالانکہ یہ بات ذرا عمر کے لحاظ سے لکشمن کے لئے تکلیف دہ تھی کہ کوئی اس سے بڑی طاقت والا موجود ہے جو اسے اپنی مٹھی میں رکھ سکتا ہے۔ یعنی جنرل جے پال۔ کافی خطرناک آدمی لگتا تھا وہ۔ اصل میں بات وہی ہوتی ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ تلے نہیں آتا سوچتا ہے کہ کائنات میں اس سے اونچی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ پہاڑ کو دیکھ کر البتہ وہ حیران رہ جاتا ہے۔ جے پال لکشمن کے لئے پہاڑ ہی تھا اور خود لکشمن کے اندر کوئی ایسی بڑی طاقت نہیں پیدا ہوئی تھی جو اُسے اپنے آپ میں بہت خود اعتمادی دیتی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں، اُس کے ذہن میں شدید تجسس تھا اور وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ جے پال ہے کیا چیز۔

دو دن تک اُس سے کسی نے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تو لکشمن یہ سوچنے لگا کہ کہیں اس نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ لیکن یہ خواب تھا نہیں بہرحال اگر جے پال نہیں آتا یا اس کے آدمی اسے نہیں لے جاتے تو یہ بھی اچھی ہی بات تھی کہ خود اُس کی اپنی شخصیت برقرار رہتی۔ لیکن ایسا تھا نہیں۔ تیسرے دن جے پال کے دونوں ساتھی اُس کے پاس پہنچ گئے۔

"لکشمن مہاراج! آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" لکشمن تو یہی سمجھا تھا کہ شاید متھرا ہی کے کسی محلے میں یا اُسی مکان میں جے پال کے پاس لے جایا جائے گا۔ لیکن باہر ایک بڑی سی لمبی گاڑی کھڑی تھی جس میں لکشمن کو بٹھایا گیا اور اس کے بعد گاڑی جب متھرا سے باہر نکل گئی تو لکشمن نے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہیں ہم لوگ؟"

"دہلی۔"

"ارے اسی گاڑی میں؟" لکشمن بولا۔

"ہاں مہاراج! اس میں آپ کو سفر کر کے بہت مزا آئے گا۔ ریل سے پہلے پہنچے گی یہ۔" لکشمن ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ راستے میں انہوں نے لکشمن کو کھانے پینے کی چیزیں پیش کیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ لکشمن کو اس سفر میں واقعی لطف آ رہا تھا۔

پھر وہ دہلی میں داخل ہو گئے اور دہلی کے ایک خوبصورت علاقے میں ایک شاندار کوٹھی میں کار گیٹ سے اندر داخل ہو کر رُک گئی۔ لکشمن نے آج تک ایسی کسی کوٹھی کو اندر سے نہیں دیکھا تھا۔ بالکل تصویر معلوم ہوتی تھی۔ ڈرائنگ روم میں جے پال نے اُس کا استقبال کیا۔

"آؤ لکشمن! تمہارے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں مہاراج۔"

"لوگ مجھے جنرل کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی یہی کہو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

"مہاراج نہیں جنرل۔" جے پال مسکرا کر بولا اور لکشمن ہنسنے لگا۔ وہ غور سے جے پال کو دیکھ رہا تھا۔ واقعی اُس کی شخصیت بڑی خطرناک تھی۔ ضرورت سے زیادہ لمبا چوڑا، ضرورت سے زیادہ بھیانک چہرے والا۔ جے پال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کہنے لگا۔

"جو خیال دل میں آئے وہ مجھ سے کر ڈالا کرو۔ صرف دماغ میں مت رکھا کرو۔ کیونکہ میں ہر وقت دماغ کو نہیں پڑھنا چاہتا۔ ہمارے درمیان اعتماد کا رشتہ ہونا چاہئے۔"

"جی جنرل۔"

"کیا سوچ رہے ہو میرے بارے میں؟"

"آپ کی شخصیت۔"

"ہاں پھر؟"

"میں سوچ رہا ہوں جنرل! کہ فوجی تو بڑے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اُن کے جسم پر شاندار وردی ہوتی ہے۔ وہ بہت اسمارٹ ہوتے ہیں۔ لیکن آپ فوجی سے زیادہ سادھو نظر آتے ہیں۔"

جنرل ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا اس بارے میں۔ میرا من پر اسرار علوم

کی طرف تھا۔ جادو منتر اور دوسری ایسی چیزیں سیکھنے کا شوقین۔ پر پتا جی نے مجھے فوج میں بھیج دیا۔ بہرحال خاندانی بات تھی۔ فوج میں، میں نے بہت ترقی کی اور یہاں تک پہنچ گیا۔ لیکن میں نے شروع ہی سے اپنا یہ حلیہ بنائے رکھا اور اپنے اعلیٰ حکام سے اجازت لے لی کہ وہ اس حلیے میں کوئی مداخلت نہ کریں۔ حالانکہ یہ فوجی اصولوں کے خلاف ہے۔ لیکن میری آنکھوں کی قوتوں کے سامنے سارے فوجی اصول رکھے رہ جاتے ہیں۔ میں ہر طرح سے کام لیتا ہوں۔ میری دماغی قوت بے پناہ ہے۔ اور میں ایک نئے تجربے میں مصروف ہوں۔ جاننا چاہتے ہو کہ وہ تجربہ کیا ہے؟"

"آپ بتایئے جنرل۔" لکشمن نے کہا۔

"ویری گڈ...... ویری گڈ۔ تمہیں جنرل کہتے ہوئے دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ میں اپنے دماغ کی قوت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو اپنے ٹرانس میں لے لوں اور میں محنت سے اپنے اس تجربے پر کام کر رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ سمجھتے ہو کیا ہوگا؟"

"نہیں جنرل! میں ابھی بہت سی باتوں کو نہیں سمجھتا۔ اب جبکہ آپ میرے دماغ کی قوت سے کہیں زیادہ بڑی قوت کے حامل ہیں تو میں آپ کو یہ بتانے میں کوئی اُلجھن محسوس نہیں کرتا کہ میں نے بڑی سادہ زندگی گزاری ہے۔ اپنی اس قوت سے بھی میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔"

"میں ایک فوجی جنرل ہوں۔ ہندوستان کا فوجی۔ اور تم یہ بات جانتے ہو کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن پاکستان ہے۔ ہم اس سے کئی جنگیں لڑ چکے ہیں، مگر ان جنگوں کے نتیجے ہمارے حق میں بہت خطرناک نکلے ہیں۔ ہمیں اپنی بے شمار فوج اور فوجی قوت کے باوجود پاکستان جیسے چھوٹے سے ملک سے شکست کھانی پڑی ہے۔ میں ظاہر ہے ایک ہندوستانی فوجی کی حیثیت سے اس بات سے بہت رنجیدہ ہوں اور مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے جس سے ہم پاکستانی فوجیوں پر قابو سکیں۔ میں اپنی ذہنی قوت کو اس طرح بڑھا لے جانا چاہتا ہوں کہ جب ہماری فوج پاکستانی فوج کے مدمقابل آئے تو میں اپنی ہپناٹزم کی قوت سے پاکستانی فوج کو مسحور کر دوں اور اس کے بعد اسے شکست دوں۔ یہ میرا منصوبہ ہے اور میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔ حکومت ہندوستان نے بھی مجھے خفیہ طور پر اس کی اجازت دے دی ہے۔ بہرحال میں تم سے اس با[illegible] سے خوش

ہوں کہ تم خود بھی ایک دماغی قوت کے مالک ہو۔ کیا سمجھے؟''

''سمجھ رہا ہوں جنرل!'' لکشمن نے جواب دیا۔

''خیر، اب آرام سے رہو۔ جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ یہاں تمہاری ٹریننگ ہوگی۔''

''جی جنرل! میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔''

لکشمن کو یہاں ایک بہت ہی شاندار کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر نیشاء اُس کے سامنے آئی۔ دُبلے پتلے بدن کی مالک ایک اس قدر خوبصورت لڑکی جسے دیکھ کر انسان خوابوں میں کھو جائے۔ اور پہلی بار لکشمن کو اپنے دل کے دروازے پر ٹھک ٹھک کی آواز محسوس ہوئی۔ وہ حیرانی سے نیشاء کو دیکھتا رہ گیا۔ پُروقار اور پُرسحر چہرہ، آنکھوں میں جھیل جیسی گہرائی، ہونٹوں پر ایک انتہائی پُراعتماد مسکراہٹ۔ وہ سنہرے لہجے میں بولی۔

''مجھے تمہاری خدمت کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور مجھے ہدایات دی گئی ہیں کہ میں تمہاری تربیت کے لئے تمام انتظامات کروں۔''

''میرا نام لکشمن ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' نیشاء نے متین لہجے میں کہا۔ پھر بولی۔ ''مسٹر لکشمن! پہلی بات تو یہ کہ جنرل کی ہدایت ہے کہ آپ کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے۔ یہ ہدایت میرے لئے ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ میری مدد کریں اور منصوبے کے مطابق کام شروع کریں۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا، آپ میری مدد کریں گے؟''

''آپ کا شکریہ مس نیشاء! آپ اطمینان رکھیں۔'' لکشمن نے جواب دیا۔

''اور مجھے یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کو جو بات معلوم نہ ہو آپ کو بتا دی جائے، سوائے چند باتوں کے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گا اور ان باتوں کے لئے مجبور نہیں کروں گا جو آپ نہیں کرنا چاہتیں۔''

بہرحال لکشمن نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کچھ عرصے نہایت خاموشی کے ساتھ وقت گزارے گا۔ اور پھر نیشاء پر غور کرتا رہا۔ نیشاء ایک بہت ہی مستعد لڑکی تھی۔ اُس کی شخصیت میں کچھ ایسا وقار تھا کہ جب بھی وہ سامنے آتی، لکشمن ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا۔ ابھی تک اُس نے نیشاء کے ذہن کو بھی پڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن پھر ایک

دن اُس نے نیشاء کے دماغ میں اپنا دماغ ڈال دیا۔ نیشاء کو احساس نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن پھر لکشمن ہی کو چونکنا پڑا کیونکہ نیشاء کے دماغ پر بھی کالا پردہ پڑا ہوا تھا۔ لکشمن اُس کا ذہن نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ مایوس ہو گیا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایسی قوت سے کیا فائدہ کہ اپنا کام صحیح طور پر نہیں کیا جا سکے۔ نیشاء کو البتہ لکشمن کے ایسے کسی عمل کا احساس نہیں ہوا تھا۔

تقریباً پانچواں دن تھا جب ایک جاپانی جوڑے نے لکشمن سے ملاقات کی اور مسٹر یوشے نے یہ بتایا کہ وہ لکشمن کو مارشل آرٹس کی تربیت دے گا۔ یوشے اور اُس کے ساتھ لڑکی شیکائی نے پہلے مارشل آرٹس کا مظاہرہ کیا۔ دھنی ٹھاکر کے اکھاڑے میں لکشمن بہت سی جسمانی تربیت حاصل کر چکا تھا اور اُس نے اپنے مدمقابل کو عقلی اور جسمانی شکست دی تھی۔ لیکن دونوں کے کرتب دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اور پھر بڑی خوش دلی سے اُس نے یہ کرتب سیکھنا شروع کر دیئے۔ یوشے اور شیکائی اپنے شاگرد کی ہونہاری سے بہت خوش تھے اور شاید جنرل سے اس کی تعریفیں بھی کر چکے تھے۔

بہرحال یہ سارے مسئلے بڑی خوش اسلوبی سے چلتے رہے۔ صحیح معنوں میں لکشمن کو اب زندگی کا لطف آیا تھا۔ ویسے تو اُس کی تقدیر میں ہی عیش و عشرت لکھے ہوئے تھے۔ کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ دھنی ٹھاکر نے اپنے اکھاڑے میں اُس کی بڑی خدمت کی تھی اور اُس کی جان بنا دی تھی۔ پھر تلسی نے اُسے عیش کرائے تھے۔ پھر اس کے بعد جو کچھ اُسے حاصل ہوا وہ اس کی توقع سے بہت بڑھ کر تھا۔ بس ذرا سی ٹھیس اس بات سے لگی تھی کہ جنرل اُس کے دماغ پر حاوی تھا اور بظاہر ایسا لگتا تھا جیسے وہ جنرل کی ذہنی قوتوں کو کبھی نہیں پا سکے گا اور یہی بات اُس کی فطرت کے خلاف تھی۔ ابھی تک جس طرح اُسے کسی نہ کسی شکل میں اپنے مدمقابل پر فوقیت حاصل رہی تھی، وہ ایسی ہی فوقیت چاہتا تھا۔

یہاں اُسے جو سہولتیں حاصل تھیں ان میں ایک شاندار کار اور ڈرائیور، گھوڑے کی سواری۔ روزانہ شام کو اُسے دہلی کے شاندار مقامات کی سیر کرائی جاتی تھی۔ رات کو اُسے فلمیں دکھائی جاتی تھیں جن میں پاکستانی افواج کی کارروائی، سرحدوں پر جو بارڈر ہوا کرتے ہیں وہاں پاکستانی اور ہندوستانی فوجوں کی پریڈ۔ یہ ساری چیزیں اُسے بتائی جاتی تھیں۔ ظاہر ہے جنرل کی ہدایت پر ہی ایسا ہو رہا تھا۔ لکشمن کو ایک بات کا خاص طور سے احساس ہوتا تھا وہ یہ کہ جب وہ بارڈر پر پاکستانی اور ہندوستانی فوجوں کی پریڈ دیکھتا تو اُسے یہ احساس ہوتا کہ لمبے لمبے قد و قامت کے مالک ہوشیار شخصیتیں رکھنے والے پاکستانی جوان،

ہندوستانی فوجوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ چاق و چوبند اور توانا ہیں۔ اس احساس سے اُسے کوئی رنجش نہیں ہوتی تھی نہ اُسے حسد ہوتا تھا یا غصہ آتا تھا۔ بلکہ وہ ایک قدر دان کی حیثیت سے پاکستانی فوج کے جوانوں کو دیکھتا تھا۔

غرض یہ کہ یہ ساری کیفیتیں اُس پر سے گزر رہی تھیں۔ وہ خوش تھا اور ابھی تک اُس نے کسی غلط انداز میں نہیں سوچا تھا۔ ہاں کبھی کبھی اُسے نیشاء کے بارے میں سوچ کر عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ اس لڑکی سے اُس کا دل کچھ زیادہ ہی لگ گیا تھا اور اکثر تنہائیوں میں وہ اُس کے ہر عمل پر غور کرتا رہتا تھا۔ اُسے احساس ہوتا تھا کہ نیشاء اس سے متاثر نہیں ہے۔ بلکہ مشینی انداز میں وہ اپنے سارے عمل سرانجام دیتی ہے۔ پھر ایک دن اُس نے ایک عجیب بات محسوس کی۔ نیشاء اُس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اُمی کی دی ہوئی کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا جو نیشاء اُسے پڑھنا سکھا رہی تھی۔ اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ نیشاء اُسے غور سے دیکھ رہی ہے۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو نیشاء جلدی سے چونک پڑی۔

''کیا بات ہے مس نیشا! مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ جھٹکے دار آواز میں بولی۔

پھر کئی بار ایسا ہوا۔ نجانے کیوں لکشمن کو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے نیشاء اُسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اُس کا ذہن پڑھنا چاہتا تھا لیکن اس میں ناکام رہا تھا۔

پھر اُس کے ذہن کو ایک اُلجھن کا سا احساس ہونے لگا۔ مارشل آرٹس کی تربیت میں وہ مکمل ہوتا جا رہا تھا اور اپنی بے پناہ مہارت سے اُس نے یوشے اور شیکائی کو حیران کر رکھا تھا۔ جنرل سے بھی ایک دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ پھر ایک دن جب دہلی بادلوں کی لپیٹ میں تھا، بجلی کڑک رہی تھی اور موسم میں کچھ ایسی رومانویت پیدا ہوگئی تھی کہ خشک سے خشک انسان اس سے متاثر ہو گیا تھا، نیشاء گرم گرم کافی لے آئی۔ اپنے لئے بھی اُس نے ایک پیالی کافی رکھی تھی۔ لکشمن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا مس نیشاء! واقعی اس وقت یہ کافی تو مزہ دے رہی ہے۔''

نیشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے گرم گرم کافی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ لکشمن سمجھا کہ کافی ایسی ہے جسے پیا جا سکے۔ نیشاء نے کافی کے کئی گھونٹ حلق سے اتار لئے تھے۔ لکشمن نے خود بھی اپنی پیالی اُٹھائی اور ہونٹوں سے لگالی۔ پھر جلدی سے سی کی آواز

کے ساتھ ہی نیچے رکھ دی۔ کافی آگ کی طرح کھول رہی تھی۔ اُس نے حیرت سے نیشاء کو دیکھا اور بولا۔

''آپ نے اتنی گرم کافی کے کئی گھونٹ میرے سامنے پیئے ہیں مس نیشاء! اتنی گرم۔''

نیشاء نے نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر اپنے مخصوص سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''ہاں، جو آگ میرے سارے وجود میں بھڑک رہی ہے اس کے سامنے یہ کافی کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سلگتی آگ کو اپنے سینے میں اتارلوں اور جل کر خاکستر ہو جاؤں۔''

لکشمن کو اس کے لئے یہ الفاظ بہت عجیب لگے تھے۔ لیکن نجانے کیوں لکشمن کے اپنے انداز میں طنز اُبھر آیا۔ اُس نے کہا۔ ''شکر ہے آپ نے کسی دل کا تذکرہ کیا ہے مس نیشاء! سچی بات یہ ہے کہ میں تو آپ کو پتھر کا کوئی مجسمہ سمجھتا ہوں جس کی شکل تو انسانوں جیسی بنائی گئی ہے۔ لیکن دل وغیرہ ظاہر ہے قدرتی چیز ہوتی ہے۔ میرے ذہن میں تو یہ تصور تھا کہ جنرل نے اپنی پراسرار ذہنی قوتوں سے کام لے کر ایک پتھر کو متحرک کر دیا ہے۔''

نیشاء نے چونک کر لکشمن کو دیکھا پھر حیرانی سے بولی۔ ''تم یہ سب کچھ سوچ سکتے ہو؟''

''ہاں، سوچ تو سکتا ہوں۔ لیکن پتھروں سے اظہار نہیں کر سکتا۔''

''ارے...... بار بار مجھے پتھر کہہ رہے ہو؟''

''تو اور کیا کہوں مس نیشاء! کتنے دن ہو گئے مجھے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے۔ آپ کسی مشین کی طرح میری ضرورتیں پوری کرتی ہیں۔ شاید آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ آپ عورت ہیں اور میں مرد۔ مجھے اتنی لفٹ نہیں دینی چاہئے کہ میں آپ سے مسکرا کر بات کر سکوں، اپنی آنکھوں میں آپ کے لئے کچھ رنگین جذبات پیدا کر سکوں۔ معاف کیجئے گا مس نیشاء! عورتوں کی یہ غلط فہمی میں نے کتنی ہی بار دُور کی ہے۔ آج آپ نے موقع دیا ہے تو آپ کی یہ غلط فہمی بھی دُور کر دوں۔ آپ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مرد کے لئے آپ صرف ایک عورت ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے مس نیشاء! رشتے تو بہت سے ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی تو خیر وہ ہوتے ہیں جن سے خون کا رشتہ ہوتا ہے۔ باہر کے لوگوں سے بھی ایسی ہی شناسائی ہو جاتی ہے کہ انسان انہیں خونی رشتوں کا نام دے سکتا ہے۔ لیکن آپ جیسی محتاط لڑکیاں کسی کو اس حد تک نہیں آنے دیتیں نہ سہی۔ شروع میں میرا دل چاہا تھا کہ میں آپ سے بہت سی باتیں کروں۔ لیکن پھر آپ کا رویہ دیکھ کر میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اچھی بات ہے، محتاط رہنا چاہئے۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں اندر سے کس طرح کا انسان

ہوں۔''

نیشاء کے چہرے کے نقوش آہستہ آہستہ دُھندلاتے چلے گئے۔ وہ کرختگی اور وہ انداز جو اُس کے چہرے پر ہمیشہ پایا جاتا تھا اس وقت معدوم ہو گیا تھا۔ لیکن نجانے کیوں اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی کا تاثر جھلک رہا تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بڑی دلچسپ اور بڑی پُر لطف باتیں کی ہیں لکشمن آپ نے۔ واقعی میں ایسے ہی الفاظ سننا چاہتی تھی۔ بڑی اچھے لگے ہیں مجھے آپ کے یہ الفاظ۔''

''کمال ہے، آپ اپنے آپ کو بالکل تبدیل کر رہی ہیں مس نیشاء!''

''ہاں۔ اور مجھے اس کے لئے آپ نے مجبور کیا ہے لکشمن!''

''چلئے اچھی بات ہے کہ آپ بھی کبھی کسی بات سے متاثر ہوئیں۔''

''مجھے اتنا پتھر نہ سمجھو۔ دل بھی ہے میرے اندر جذبات بھی ہیں۔ سب کچھ ہے۔ لیکن لکشمن! میری فطرت ایک غیر انسانی فطرت ہو چکی ہے۔''

''خیر مس نیشاء! انسان ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جب مجھے آپ کے سپرد کیا گیا ہو گا تو میرے بارے میں ساری تفصیلات بتا دی گئی ہوں گی۔ لیکن میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر آپ صرف ایک انسان کی حیثیت سے میرے ساتھ رہی ہوتیں تو اب تک میں دس بار آپ سے آپ کے بارے میں پوچھ چکا ہوتا۔ لیکن ٹھیک ہے۔ نہ سہی۔''

''واہ...... دل خوش ہو گیا ہے لکشمن! اس وقت، وقت بھی ہے موقع بھی ہے۔ کیا خیال ہے کیوں نہ ہم ایک دوسرے کی جانب ایک ایک قدم بڑھا لیں۔''

''اس کے بعد کتنا فاصلہ رہ جائے گا، ناپ لیا ہے آپ نے؟'' لکشمن نے کہا اور نیشاء ہنس پڑی۔

''ہاں، تقریباً چار فٹ۔ اور اتنا فاصلہ کافی ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میرے بارے میں تو آپ سب کچھ جانتی ہیں یا کچھ پوچھنا ضروری ہے؟''

''نہیں، اپنے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔''

''اس کے لئے پیشگی شکریہ۔''

''میرا نام نیشاء نہیں ہے۔'' پہلے ہی الفاظ اتنے دھماکہ خیز تھے کہ لکشمن چکرا کر رہ گیا

تھا۔

زندگی میں بہت سے تماشے دیکھے تھے۔ تلیا رام کا گھر، برابر میں سکھیا رام، دھنی ٹھاکر اور ان کا اکھاڑہ، پڑوس کی بستی کا ہنگامہ اور اس کے بعد متھرا کے مندر جہاں مہادیر جیسے شیطان اپنی شیطنت کے گل کھلا رہے تھے۔ پھر راج ماتھر کی بہن روپ کلا، اُس کی بیوی مالتی۔ یہ سارے کے سارے کردار کم از کم لکشمن کی نگاہوں میں بڑی اہمیت کے حامل تھے اور وہ سمجھتا تھا کہ سنسار کس قدر پراسرار ہے۔ ہر کردار انوکھا۔ لیکن اب جس جنجال میں پھنسا تھا وہ جنجال نہیں بلکہ جنجال پورہ تھا۔

✿......✿

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیشاء کو دیکھتا رہا۔ خود ہی اُس کے آگے بولنے کا منتظر تھا۔ کچھ لمحے انتظار کرتا رہا۔ نیشاء نے پھر اُس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میرا نام عائشہ ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں۔ میں مسلمان ہوں۔ تم میرے ذہن کو نہیں پڑھ سکو گے۔ کیونکہ اس پر کالی چادر ڈال دی گئی ہے۔ ایسا جنرل کرتا ہے۔ وہ خود ان کالی چادروں کو ہٹا کر ہفتے میں ایک بار انسانی دماغ پڑھتا ہے اور اپنے خاص کارکنوں کے بارے میں جان لیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اور تمہارے ساتھ بھی۔"

"کک...... کیا، میرے ساتھ؟"

"ہاں لکشمن! وہ تمہیں کسی خفیہ جگہ سے ٹرانس میں لیتا ہے، تمہارے ذہن کو اپنے قابو میں کرتا ہے اور اس کے بعد تمہیں گہری نیند سلا کر تمہارے پاس آجاتا ہے اور پھر تم سے تمہارے بارے میں پوچھتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک تمہاری طرف سے غیر مطمئن نہیں ہے۔"

لکشمن کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ "تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم؟"

"میں تمہاری نگراں ہوں۔ اُس نے مجھے مکمل طور پر اعتماد میں لیا ہوا ہے۔"

"مگر تم کہہ رہی ہو کہ تمہارا نام عائشہ ہے، نیشاء نہیں۔ اگر یہ بات ہے نیشاء! تو میں بعد میں پوچھوں گا تم سے کہ اگر تم عائشہ ہو تو پھر نیشاء کیوں نہیں ہو؟ لیکن مجھے یہ بات بتاؤ، کیا جنرل یہ بات جانتا ہے؟"

"نہیں۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"اُس نے تمہارے دماغ میں یہ بات نہیں پڑھی؟"

"نہیں۔"

"وہ کیسے؟ اس کا مطلب ہے کہ تم بھی اپنے اندر پراسرار قوتیں رکھتی ہیں اور کسی طرح جنرل جیسے خطرناک آدمی سے اپنا ذہن محفوظ رکھ سکتی ہو۔"

"نہیں، تم اسے پراسرار قوتیں مت کہو۔ اب یہ تو میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں مسلمان ہوں، میرا نام عائشہ ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے پاس کچھ اور ایسی قوتیں محفوظ ہیں جو جنرل کی قوتوں کو شکست دے سکتی ہیں۔"

"مثلاً؟"

"کلام الٰہی، میرے مذہب کا سب سے بڑا ستون۔ میں نے دُعا مانگی تھی کہ معبودِ عالم، میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں اس میں سب سے پہلا عمل یہ ہے کہ اس شیطان سے مجھے تحفظ ملے اور میں اس کے کام کر سکوں۔ مجھے خواب میں بشارت ہوئی کہ کلامِ الٰہی کی ایک آیت پڑھا کروں، یہ آیت مجھے اس کی قوتوں سے محفوظ کر دے گی اور ایمان پختہ ہونا چاہئے۔ ایسا ہی ہوا۔ میں اکثر اس آیت کا ورد کرتی رہتی ہوں اور جنرل کو مجھ پر فوقیت نہیں حاصل ہو پاتی۔"

لکشمن شدتِ حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ اس وقت اُس کے ذہن کو ایک عجیب سا دھچکا لگا تھا۔ وہ تو اپنے آپ ہی کو تیس مار خان سمجھتا تھا۔ حالانکہ اُسے اس بات کا احساس تھا کہ گیا نیشور اُسے بحالت مجبوری اپنی قوتیں دے گیا ہے، خود اُس کی اپنی کاوشوں کا ان قوتوں کے حصول میں کوئی دخل نہیں تھا۔ لیکن بہرحال ایسا تھا اور اُسے یہ قوتیں حاصل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کائنات میں اتنا کچھ موجود ہے، اب رفتہ رفتہ اس پر انکشاف ہو رہا تھا۔ جنرل کی ذہنی قوتوں کو دیکھ کر اُس نے یہی سوچا تھا کہ جنرل سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ لڑکی جس نے اچانک ہی اپنا نام بدل لیا تھا، ایک اتنی بڑی قوت کی بات کر رہی تھی جس نے اُسے محفوظ کر دیا تھا۔ مذہب کے بارے میں اُسے زیادہ معلومات نہیں حاصل تھیں۔ مندروں میں ہونے والی حرکتوں کو دیکھ چکا تھا۔ گو یہ بات بالکل درست تھی کہ عبادت گاہیں ہوں یا کچھ بھی ہو، برا انسان ہی ہوتا ہے۔ اچھی چیز کا تقدس کبھی کم نہیں ہوتا۔ بس انسان اس تقدس کو پامال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن بہرحال اُس نے ان لوگوں کو ختم کرنے میں راج ماتھر کی بڑی مدد کی تھی۔ وہ اس بات سے آج تک خوش رہتا تھا۔

بہت دیر تک وہ نیشاء یا عائشہ کے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ وہ بھی کسی تاثر میں ڈوب گئی تھی

اور کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہی تھی۔ پھر لکشمن کو اُس کے الفاظ یاد آئے جو اُس نے بڑے عجیب سے انداز میں کہے تھے۔ وہ عائشہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے بے چین ہو گیا اور اُس نے کہا۔

''اب آپ اگر اس قدر جذباتی ہو گئی ہیں مس عائشہ.....''

''نہیں سوری، تم مجھے نیشاء ہی کہو لکشمن! ورنہ میرے لئے نقصان دہ بات ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ اس طرح میں اس سے محفوظ ہو گئی۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات بتائیے۔ آپ اُس کے ساتھ کیوں ہیں، اور اس طرح؟''

''ہاں لکشمن! میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ تمہارا دماغ پڑھتے ہیں اور شاید تم سے واقفیت بھی حاصل کرتے جاتے ہیں۔ ویسے وہ اب تم سے بالکل مطمئن نظر آتے ہیں۔''

''وہ سے آپ کی کیا مراد ہے مس نیشاء؟''

''جنرل کی بات کر رہی ہوں۔ جنرل جے پال۔''

''ہاں ٹھیک۔''

''اصل میں وہ ایک دیش بھگت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُس کے اندر اپنے وطن کے لئے تڑپ ہے۔ لیکن وہ جو عمل کرنا چاہتا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ اور ظاہر ہے میں مسلمان ہوں، میں کبھی یہ بات نہیں چاہوں گی کہ پاکستانی فوجوں کو اس طرح سے نقصان پہنچے۔ لڑنے والے میدان میں نکل کر لڑتے ہیں، ایک دوسرے کے سامنے سینے تانتے ہیں۔ فتح یا شکست کا فیصلہ اُن کی دلیری سے ہوتا ہے۔ میں یہی کہتی ہوں کہ پاکستانی جیالے جب ہندوستانی فوجوں کے مقابلے پر آتے ہیں اور ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو ان لوگوں کے حوصلے تو اسی جگہ پست ہو جاتے ہیں۔ اب اگر کسی کو نشے کی چیز دے کر سلا دیا جائے اور پھر ان پر حملہ کیا جائے تو پھر یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔''

''عائشہ! آپ یہ بتائیے کہ آپ یہاں کس لئے آئی ہیں؟''

''لکشمن! تم ہندو ہو۔ میں جانتی ہوں کہ جو کچھ میں کہوں گی تم اسے پسند نہیں کرو گے۔ لیکن میں تمہیں بھی اس چنگل سے بچانا چاہتی ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جنرل تم سے مخلص ہے تو حماقت ہے تمہاری۔ وہ صرف تمہاری ذہنی قوتوں کا جائزہ لینا چاہتا ہے اور اس کے

بعد اس کا خیال ہے کہ تمہارے دماغ کو تبدیل کرا دے اور تم سے وہ قوتیں چھین لے۔ وہ تمہاری جگہ اپنے کسی خاص آدمی کو تمہارے دماغ سے روشن اور تیار کرنا چاہتا ہے۔ وہ شیطان ہے۔ ایک مکمل شیطان۔ کیا سمجھے؟''

ایک بار پھر لکشمن کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے تھے۔ دیر تک اُس کے دماغ میں بادلوں کی سی گڑگڑاہٹ طاری رہی۔ درحقیقت وہ خوف کا شکار ہو گیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ جنرل جو کچھ کر رہا ہے وہ بڑا خطرناک عمل ہے۔'' اُس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن وہ میرے ساتھ جو اچھا سلوک کر رہا ہے؟''

''تم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارا دماغ تیار کر رہا ہے اور جب تمہارا دماغ وہ اپنے آدمی کے جسم میں منتقل کرے گا تو وہ شخص جو تمہارا دماغ پا جائے گا بالکل تمہارے جیسا تندرست و توانا، طاقتور اور شاطر ہو گا۔''

''ارے دیّا رے دیّا...... اور میرا کیا ہو گا بھیا؟''

''جب تمہارے دماغ کے خول سے تمہارا یہ دماغ نکل جائے گا تو اس کے بعد ظاہر ہے تم صرف ایک لاش رہ جاؤ گے۔ اس لاش کو گلا دیا جائے گا تیزاب میں۔ اس کا انتظام جنرل نے کر رکھا ہے۔''

لکشمن کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ نیشاء یا عائشہ پھر بولی۔ ''اگر تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق نہ ہوتا، اگر یہ بات میرے علم میں نہ آتی کہ جنرل اس طرح تمہیں ختم کر دے گا تو تم یقین کرو میں کبھی تمہیں اس بارے میں نہ بتاتی۔ بہت دن سے میں اس شدید کشمکش کا شکار تھی۔ آج مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے اپنی زبان کھول دی۔ اور یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم ہندو ہو اور ہو سکتا ہے میرے خلاف ہی جنرل کا ساتھ دو۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنا کہ جنرل یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ تم ہندو ہو، تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرنا چاہتا۔ وہ صرف تمہارے دماغ کے حصول کا شوقین ہے اور ایسا وہ کرے گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں بھی کوئی بزدل انسان نہیں ہوں۔ اور یہ بات نیشاء! تم نے مجھے بتا کر میرے اوپر جو احسان کیا ہے میں اس کے لئے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔''

نیشاء نے گردن جھکا لی تھی۔ لکشمن نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ ''نیشاء! یہ سوال مسلسل میرے دماغ میں کلبلاتا رہے گا کہ تم یہاں کیوں موجود ہو؟''

نیشاء نے آنکھیں اٹھائیں اور بولی۔ ''میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ تمہیں یہ

سب کچھ بتا کر میں نے جو خطرہ مول لیا ہے وہ باآسانی میری زندگی لے سکتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ موت تو بہرحال ایک بار آنی ہی ہوتی ہے۔ اگر کسی کی زندگی بچانے کے سلسلے میں آجائے تو ٹھیک ہے۔ میں سمجھوں گی کہ میرے خدا کو یہی منظور تھا۔ اپنے بارے میں تمہیں صرف اتنا بتا دوں کہ میرا باپ بھی فوجی تھا۔ ہندوستانی فوج میں وہ میجر کے عہدے پر تھا۔ ہم لوگ ایک پُرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ میں ایک ہاسٹل میں رہتی تھی اور تعلیم حاصل کرتی تھی کہ جنرل جے پال کو 1971ء کی جنگ میں شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ حالانکہ کچھ سازشوں نے پاکستان کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ لیکن جنرل جے پال کو ایک محاذ پر بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نجانے کیوں یہ بات جنرل کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ اس نقصان کے پیچھے میجر ابراہیم کا ہاتھ ہے۔ میجر ابراہیم میرے باپ کا نام تھا۔ جنگ ختم ہوئی اور کچھ غمناک حادثے رونما ہوئے۔ لیکن واپسی میں جنرل جے پال نے انتہائی خفیہ طور پر میجر ابراہیم کو اغواء کرا لیا اور اُسے اپنی ذاتی قید میں رکھا۔ اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے اُس نے میجر ابراہیم سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ میجر نے کہا کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ پورے اعتماد سے یہ بات کہتا ہے کہ اُس نے اپنے منصب سے غداری نہیں کی۔ لیکن جنرل جے پال نے اُس کی بات نہیں مانی اور میرے باپ کو اپنی خفیہ قید میں رکھ کر ہی اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد میری ماں اور دو چھوٹے بھائیوں کو بھی خاموشی سے قتل کرا دیا گیا اور ان ساری اموات کو اُس نے باقاعدہ پاکستانی ایجنٹوں کی کارروائی قرار دے کر اپنے حکام کے سامنے پیش کیا۔ لیکن مجھے ساری حقیقتیں معلوم ہو گئیں۔ میں صرف اس لئے بچ گئی تھی کہ میں ہاسٹل میں تھی اور جنرل کو میرے بارے میں مکمل تفصیل نہیں معلوم تھیں۔ سمجھ رہے ہو نا تم لکشمن؟ اس کے بعد میں نے قسم کھائی کہ میں جنرل سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لوں گی۔ اور بمشکل تمام نجانے کیسے کیسے راستے اختیار کر کے میں یہاں تک پہنچی ہوں۔ مجھے یہ احساس تھا کہ جنرل انتہائی پراسرار قوتوں کا مالک ہے اور اس کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ بہرحال میرے مولا نے میری مدد کی ہے۔ ابھی تک میں جنرل کے خلاف کسی کاوش میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن میں کچھ کر کے ہی رہوں گی۔"

لکشمن کے پورے جسم میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ یہ تو بڑی عجیب سی کہانی تھی جو اُس کے علم میں آئی تھی۔ دنیا اس قدر مشکل ہے، اس کا تجربہ اُسے کبھی نہیں ہوا تھا۔ لڑکی

تھوڑی دیر تک خاموش رہی، پھر بولی۔

"کیا ہی عجیب بات ہے۔ میں نے کس طرح اپنے آپ کو تم پر منکشف کر دیا ہے۔ ایک کام کرو لکشمن۔"

"ہاں بولو۔"

"مناسب سمجھو تو مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔ گردن دبا دو میری۔ یہ میں جانتی ہوں کہ زندگی میں ہزاروں خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پورا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جنرل ہر طرح سے اس قدر طاقتور آدمی ہے کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔ اور بعض اوقات میں نروس ہو جاتی ہوں۔ کیا سمجھے؟"

"مگر میں تمہیں کیوں قتل کروں؟"

"اس لئے کہ اگر تم نے ان باتوں کا انکشاف جنرل کے سامنے کر دیا تو ویسے ہی مجھے مار دیا جائے گا۔ میرا دل چاہا تھا کہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں تو میں نے تمہیں بتا دیا۔"

"اور یہ بھی تو بتا دیا ہے تم نے مجھے عائشہ، کہ جنرل مجھے بھی قتل کر دینا چاہتا ہے۔ اس طرح تو تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ دین دھرم کا جہاں تک تعلق ہے تو میں تمہیں سچ سچ بتا دوں کہ میں کبھی اس معاملے میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہوا۔ میں نے جو عمل کیے ہیں ان میں یہ بھی ہیں کہ میں نے مندروں کے پجاریوں کو ان کی برائیوں پر کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے۔ حالانکہ مندروں میں ان کے لاکھوں عقیدت مند ہوتے ہیں۔ میں بھی چاہتا تو ان کے کسی چمتکار کا انتظار کرتا۔ پر میں نے یہ نہیں کیا۔ اب ان ساری باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تم ذرا اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو کہ میں کسی بھی طرح تمہارے بارے میں کسی سے کوئی انکشاف کر سکتا ہوں۔ کیا سمجھیں؟"

وہ گہری گہری سانسیں لے کر لکشمن کو دیکھنے لگی اور لکشمن بڑے عجیب سے انداز میں اُسے دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "دیکھو، بہت سے ایسے کام کیے ہیں میں نے جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن تمہارے سامنے بھی میں تم سے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اگر میں خود جنرل کے ہاتھوں زندہ بچ سکا تو تمہاری بھی مدد کروں گا۔"

بہرحال بہت دیر تک لکشمن اور نیشاء ساتھ رہے تھے۔ اور اس کے بعد نیشاء اُسے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی اور لکشمن اس مسلمان لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا جو اُس کے دل کی گہرائیوں کو چھونے کا سبب بن گئی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد لکشمن معمول کے مطابق ٹہلنے کے لئے باہر نکلا لیکن کچھ لمحوں بعد ہی اُس کو احساس ہوا کہ اُس کے سر میں کچھ چکر سے آ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک تو وہ اس کیفیت سے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر جب نہ سنبھل سکا تو بستر پر لیٹ گیا۔

یہ ایک عجیب وغریب عمل تھا۔ لکشمن گہری نیند سو گیا تھا اور اس کے بعد جب وہ جاگا تو صورتحال اُس کے لئے بڑی عجیب وغریب ہوگئی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر چمڑے کے تسموں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ ایک کھلی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے سامنے ایک عجیب سی مشین رکھی ہوئی تھی اور اس مشین سے مدھم مدھم شعاعیں نکل کر اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ لکشمن کو شدید اذیت کا احساس ہوا۔ وہ بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

دفعتہً ہی اُس نے اپنے برابر دیکھا تو یہ دیکھ کر اُس کی سانس رُک گئی کہ نیشاء یا عائشہ بھی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور اُس کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔ دفعتہً ہی اُس نے لکشمن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"لکشمن! یہ بہت خطرناک مشین ہے۔ وہ لوگ تم پر جو عمل کرنے والے ہیں وہ بہت خطرناک عمل ہوگا۔ تم اپنا ماضی بھول جاؤ گے۔ تم مجھے بھی نہیں پہچانو گے۔ تمہاری اپنی شخصیت بالکل گم ہو جائے گی اور اس کے بعد تم صرف جنرل کے احکامات کی تعمیل کرو گے۔ تم اُس کے غلام بن جاؤ گے۔ خود کو بچانے کی کوشش کرو لکشمن!"

لیکن لکشمن جس طرح بے بس تھا اس کی وجہ سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ بچنے کی کوئی ترکیب ہو سکتی ہے۔ ادھر نیشاء مسلسل کوششوں میں مصروف تھی اور اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر دفعتہً ہی اُس نے اپنے آپ کو نیچے گرا دیا۔ قریب ہی کوئی کھڑا ہوا تھا۔ غالباً یہ گارڈ تھے۔ نیشاء نے اُچھل کر ایک گارڈ کے سینے پر لات ماری اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دُور جا گرا۔ مگر اس وقت دوسرے گارڈ نے اُس کے سر پر اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی گن سے حملہ کیا اور نیشاء کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ دوسرے گارڈ نے بھی ایک ضرب اُس پر لگائی اور نیشاء کے سر سے خون بہنے لگا۔ لکشمن غصے سے تلملا رہا تھا۔ اُس کی غرائی ہوئی آواز نکلی۔

"کتے کے بچو! کیا کر رہے ہو...... کیا کر رہے ہو تم؟"

لیکن اسی وقت لکشمن کے دماغ کو ایک ناقابل برداشت جھٹکا پہنچا اور اُس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ آنکھیں پھیل گئیں اور وہ اس طرح ساکت ہو گیا جیسے بدن کی جان نکل

گئی ہو۔ اُس کا سر پیچھے ایک ربڑ کے ٹپ سے جا لگا اور اُس کی گردن جیسے اس ربڑ کے ٹپ سے چپک گئی تھی۔ اُس کے دماغ کو آہستہ آہستہ جھٹکے لگ رہے تھے۔ اور پہلے جھٹکے کے بعد اُسے جنرل کی آواز سنائی دی۔

"تو پراسرار شخصیت کے مالک! بڑی عجیب بات ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی کے ذہن میں جھانکا ہو اور مجھے اُس کے دماغ کی گہرائیوں میں اُترنے میں کوئی دقت پیش آئی ہو۔ لیکن تیرے پاس نجانے کون سی قوت ہے کہ میں تیرے دماغ کی گہرائیوں سے وہ چیز نہیں پڑھ سکا جو میری خواہش تھی۔ مگر خیر، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اب تو میرے غلام کی حیثیت اختیار کر جائے گا اور پھر میں دیکھوں گا کہ تو ذہنی طور پر کتنا طاقتور ہے۔ ہاں یہ لڑکی سچ کہہ رہی تھی۔ مجھے تیرا دماغ درکار تھا۔ لیکن وہ دماغ نہیں جس کی حقیقتوں کو میں نہ سمجھ سکوں۔ اب میں دہرے دہرے کام کروں گا۔ تو میرے غلام کی حیثیت سے میری ہر بات پر عمل کرے گا اور میں تجھ سے وہ کام لوں گا جو میرے لئے بہت ضروری ہیں۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی لکشمن کے دماغ کو دوسرا جھٹکا لگا۔ اُس نے چیخ مارنے کی کوشش کی مگر اُسے اپنی چیخ نہیں سنائی دی تھی کیونکہ اُس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔ پھر تیسرا جھٹکا لگتے ہوئے اُسے یوں لگا جیسے رُوح جسم سے پرواز کر گئی ہو، دماغ دُھواں بن کر اُڑ گیا ہو...... اب شعور اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ یہ وقفہ ایک پل کا تھا یا ایک صدی کا یا ایک عارضی موت کے بعد دوسرا جنم تھا...... یہ ایک پل، ایک صدی اُس کے اوپر سے گزر گئی اور دوسرے جنم کی روشنی اُس کے سامنے آنے لگی۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ اُس کا دوسرا جنم تھا۔ جس عالم سے وہ گزرا تھا اس کا تو اُس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ رام پور کے ایک چھوٹے سے محلے کا ایک چھوٹا سا معصوم سا نوجوان جس نے زندگی میں بس روشنی ہی روشنی دیکھی تھی اور جو زندگی کو ایک کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلتا رہتا تھا اب ایک نئے جنم میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ کسی جگہ آرام سے لیٹا ہوا ہے۔ آنکھیں بند تھیں اس لئے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ کانوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ پھر وہ سنسناہٹ آوازوں میں تبدیل ہونے لگی۔ نجانے یہ آوازیں کیسی تھیں...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ دنیا کو سادہ سادہ سی نظروں سے دیکھ رہا ہو اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو کہ دنیا کیا چیز ہے۔ حالانکہ وہ دوسری سوچیں سوچ سکتا تھا لیکن ابھی

اپنے اس نئے جنم کو وہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ بہرحال یہ ساری باتیں بہت دیر تک تو بالکل بے معنی سی تھیں۔ لیکن اس کے بعد آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور جب اُس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا تو اُسے وہ کمرہ نظر آیا جس کی دیواریں ہلکے نیلے رنگ کی تھیں۔ کھڑکیوں پر پھول دار پردے لہرا رہے تھے، چھت سے لٹکا ہوا فانوس ٹھنڈی روشنی بکھیر رہا تھا۔ تب اُس نے اُن دونوں لڑکیوں کو دیکھا جو نرسوں کے لبادے میں تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ اور اُس ڈاکٹر کو بھی دیکھا جو جھک کر اُسے چیک کر رہا تھا۔ کمرے میں یہی چند افراد نہیں تھے بلکہ دو افراد اور تھے جو سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لکشمن کو یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ وہ دیکھتا رہا تھا لیکن ہر چیز کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ اس وقت اُس کی کیا حالت تھی یہ وہ صحیح انداز میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ایک احساس دل میں ضرور تھا، وہ تھا ایک بے چینی کا احساس۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی شیشے کے خول میں بند ہو، ہلنا چاہتا ہو، بولنا چاہتا ہو لیکن بول نہ پا رہا ہو۔ اور جب اُس نے بڑی مشکل سے اپنے منہ سے آواز نکالی تو وہ خود اُس کے لئے نامانوس تھی۔ اُس نے سر گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ سب آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک سفید لباس والی لڑکی لکشمن کے لئے دُودھ کا گلاس لے آئی۔ اُسے سہارا دے کر دُودھ پلایا گیا اور پھر ڈاکٹر نے لکشمن سے کہا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو اس وقت؟"

لکشمن خاموشی سے اُس کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر ڈاکٹر نے اُس سے اور سوال کیا اور اس کے بعد نرس آ گئی اور اُسے ہلکے ہلکے مساج کرنے لگی۔ لکشمن خالی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ نرس اور وہ تمام لوگ بہت دیر تک لکشمن کے پاس رہے اور اس کے بعد وہاں سے چلے گئے۔ لکشمن کو اپنا سارا وجود ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت اُس کے دل و دماغ پر سوار تھی۔ وہ سوچتا کچھ اور تھا اور دماغ میں کچھ اور ہوتا تھا۔

بہرحال تقریباً تین یا چار دن تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہا اور پھر رفتہ رفتہ اُس کی یہ کیفیت بحال ہونے لگی۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ ماضی اُس کے ذہن سے نکل گیا تھا اور اُسے یاد نہیں تھا کہ اُس کا نام کیا ہے؟ اُس کے ماتا پتا کون تھے؟ وہ کہاں رہتا ہے؟ بس وہ لوگ جو اُس کے اِردگرد بکھرے ہوئے تھے وہی اُسے یاد تھے۔ اُس کے ذہن میں ایک بار بھی نشاء یا عائشہ کا تصور نہیں آیا تھا۔ سب کچھ بھول چکا تھا وہ۔ پھر وہ لڑکی جو خاص طور

سے اُس کی تیمارداری کے لئے مخصوص تھی اُس کے ذہن میں آئی۔ یہی لڑکی اُسے کھلاتی پلاتی تھی، لباس تبدیل کراتی تھی، اُسے سیر و سیاحت کے لئے لے جاتی تھی۔ وہ ہر طرح سے اُس کا خیال رکھتی تھی۔ اور اس دن بھی اُسے کار میں بٹھا کر سمندر لے گئی۔ غالباً وہ لوگ دہلی میں نہیں تھے بلکہ کسی ایسے شہر میں تھے جہاں سمندر بھی موجود تھا۔

سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے وہ دُور تک چلے گئے اور نجانے کیوں لکشمن کے ذہن میں ایک عجیب سا تصور بیدار ہوا۔ اُس نے پلٹ کر لڑکی کی طرف دیکھا، وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھی اور اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ لکشمن کا دل بے اختیار اُس کی جانب کھنچنے لگا تھا۔ دفعتہً ہی اُس کے منہ سے نکلا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"گیتا۔" وہ فوراً ہی بولی۔

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"اچھا...... آج تمہیں اس بات کا احساس ہوا؟"

"ہاں، تمہارا یہ لباس اور تم چلتی ہوئی بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"جہاں تم رہتے ہو وہاں تو بہت سی لڑکیاں آتی ہیں۔"

"ہاں آتی ہیں۔"

"کیا میں اُن سے اچھی ہوں؟"

"ہاں، تم سب سے اچھی ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ سمندر کی لہریں اُس کے قدموں کو چھو رہی تھیں۔ بہرحال وہ تھوڑی دیر تک اُس سے اسی طرح باتیں کرتی رہی، پھر بولی۔

"تم جس طرح چاہو مجھے حاصل کر سکتے ہو۔"

"حاصل......؟"

"ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"تمہارا یہ بھولپن تم یہ سمجھ لو کہ ہم سب کو پاگل کئے ہوئے ہے۔"

"ہم سب کو؟"

"ہاں۔"

"دوسرے کون؟"

"وہ لڑکیاں جو تمہیں دیکھتی ہیں۔"

"اچھا۔"

"اور خود جنرل تمہیں بے حد پسند کرتا ہے۔"

"جنرل کون ہے؟"

"ہمارا چیف، ہمارا ان داتا، ہمارا حاکم۔ ہمارا عیش و آرام سب اسی کے دم سے ہے۔ ہم سب اُس کے غلام ہیں۔ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم جنرل کے لیے بہت سے کارنامے سرانجام دو گے۔ جنرل تم پر بہت اعتماد کرتا ہے۔"

لکشمن اُس کی باتیں حیرانی سے سن رہا تھا۔ اُس کے ماتھے کی لکیریں اُبھر آئی تھیں۔ اُسے خود یاد نہیں تھا کہ جنرل کون ہے؟ وہ خود کون ہے؟ بس یہ ماحول اور یہ ساری چیزیں اُسے اجنبی لگ رہی تھیں۔ لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ تم نے دہلی سے یہاں کا سفر کیسے کیا ہے؟"

"دہلی سے یہاں تک کا سفر؟"

"ہاں۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ کون سی جگہ ہے؟"

"نہیں۔"

"یہ بمبئی ہے۔"

"بمبئی کیا ہوتا ہے؟" لکشمن نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں...... میں نہیں جانتا۔"

"رام پور کو جانتے ہو؟"

"نہیں...... بالکل نہیں۔"

"اور لکشمن کو؟"

"لکشمن کو بھی نہیں جانتا۔"

"خیر، تم اپنے ذہن پر زور نہ ڈالو۔ رفتہ رفتہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"مگر رام پور کا لکشمن کون ہے؟"

"میں نے کہا نا اپنے بارے میں کچھ معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس دنیا کو سمجھو، اپنے آس پاس کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھو۔ پھر خود کو بھی پہچان لو گے۔"

"میں خود کو جاننا چاہتا ہوں۔ آخر میں کیا ہوں؟"

"میں نے تمہیں کہا ہے نا کہ تم اپنے ذہن پر زور نہ ڈالو۔"

"مجھے عجیب سا کیوں لگتا ہے؟"

"تم ایک حادثے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو۔"

"کیسا حادثہ؟"

"دشمن تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور تم تیز رفتاری سے کار چلا رہے تھے۔ تمہارا ہاتھ اسٹیئرنگ سے بہک گیا تھا اور تمہاری کار درخت سے ٹکرا گئی تھی۔ تم بری طرح زخمی ہو کر بے ہوش ہو چکے تھے اور ایسے وقت میں تمہارے دشمن، تمہارے سر پر آ پہنچے تھے۔ لیکن تم جنرل کے آدمی تھے۔ جنرل نے تمہاری مدد کی اور ان لوگوں کو قتل کر دیا اور پھر تمہیں اُٹھا کر یہاں لے آیا گیا۔"

"مگر جنرل کہاں ہے؟ میں اپنے محسن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ یہاں نہیں ہے۔ بس تم عیش و آرام سے زندگی گزارو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وہ آئے گا تو تم سے ملے گا۔"

"پتہ نہیں میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ میری کوئی پچھلی زندگی ضرور ہو گی۔ تم رام پور کا نام لیتی ہو تو میرے دل کو دھچکا سا لگتا ہے۔ تم لکشمن کا نام لیتی ہو تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا اس سے کوئی گہرا رابطہ ہو۔ میں اپنے آپ سے اجنبی بن گیا ہوں۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے مجھے۔ میں اتنا تنہا کیوں ہوں......؟" لکشمن نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"تنہا نہیں ہو تم۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

بہرحال گیتا اُس کے ساتھ رہی۔ رام پورا کا یہ لکشمن مصیبتوں میں پھنس گیا تھا، لیکن اس یقین کے ساتھ کہ آخر کار ان مصیبتوں کا کوئی نہ کوئی حل کہیں نہ کہیں سے ضرور نکلے گا۔

پھر ایک شام ساحل کے ساتھ ساتھ لہروں کے درمیان ریت کے ایک ٹیلے پر وہ دونوں

لیٹے ہوئے تھے۔ دُور دُور تک ویرانی اور سناٹا تھا۔ ٹھنڈی ریت پر لیٹے ہوئے وہ لہروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور لکشمن بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ گیتا! کیا تم میری پچھلی زندگی میں میرے ساتھ تھیں؟"

"ہاں کئی بار۔ یہ بات بھی تمہیں ایک دن یاد آ جائے گی۔"

"اور میرا نام کیا تھا؟"

"لکشمن۔"

"میں کہاں کا رہنے والا تھا؟"

"رام پور کا۔"

لکشمن خاموش ہو گیا۔ اُسے یہ لگا جیسے گیتا اُس کے بارے میں جو کچھ کہہ رہی ہے وہ بالکل سچ ہے۔ بہرحال وہ گھر واپس آ گئے اور وہ غسل کرنے چلا گیا۔ جب وہ غسل خانے سے واقت آیا تو گیتا جا چکی تھی۔ وہ بہت دیر تک ایک کرسی پر بیٹھا اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے آدھے دماغ میں اُس کا ماضی پوشیدہ ہو اور باقی آدھا دماغ سادہ ہو۔ نجانے کیا ہوا تھا؟

بہرحال کچھ دن اسی طرح گزرے۔ اور اس کے بعد اُسے ایک اسٹیمر پر بٹھا کر ایک نئی عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ اس عمارت میں داخل ہونے کے بعد اُس نے اس کے کوریڈور دیکھے اور اُسے یوں لگا جیسے پہلے بھی اس عمارت کو دیکھ چکا ہے۔ بہرحال اُسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا اور وہ لوگ نجانے اُسے کیا سکھانا چاہتے تھے۔ یہاں دو مسلح گارڈ اُسے اپنے درمیان لے کر چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ اور پھر ایک دن وہ اُسے لے کر ایک اور اجنبی جگہ پہنچے جو لکشمن کے لئے بڑی عجیب و غریب جگہ تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اندر ایک بڑا سا ہال نظر آیا۔ جب وہ اس ہال میں داخل ہوا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ یہ انتہائی عظیم الشان ہال تھا اور اس ہال میں چند نوجوان نشانہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ ان سے ذرا دُور ٹارگٹ کے طور پر کچھ انسانی پُتلے کھڑے ہوئے تھے اور ہر نشانہ باز اُن پر نشانہ لگا رہا تھا۔

"ہیلو لکشمن!" اُن میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اُس سے کہا اور لکشمن عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"میرا نام لکشمن ہے؟"

"ہاں۔"

"آپ کے خیال میں کیا میں یہاں پہلے بھی آ چکا ہوں؟"

"ہاں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نشانہ بازی کے فن کو بھی بھول گئے ہوں گے۔ ہم آزمانا چاہتے ہیں کہ کھوئی ہوئی یادداشت کے ساتھ آپ نے کیا کیا چیزیں گم کی ہیں۔"

لکشمن شانے ہلا کر رہ گیا۔ بہرحال سامنے ایک چھوٹی سی میز پر مختلف ساخت کے بہت سے ریوالور اور کارتوس رکھے ہوئے تھے۔ لکشمن کے سامنے کوئی تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر ایک انسانی پُتلا کھڑا ہوا تھا جس پر سرخ نشانات بنے ہوئے تھے۔ اُس آدمی نے کہا۔

"اب آپ یہ ریوالور اُٹھایئے اور ان نشانات کو دیکھئے اور ان پر گولی چلایئے۔ اگر آپ کا نشانہ چوک گیا تو گولی جسم کے دوسرے حصے پر بھی لگ سکتی ہے۔ آپ ان نشانوں پر فائر کیجئے۔"

لکشمن نے ریوالور اُٹھایا اور اُسے لوڈ کرنے لگا۔ اس کے بعد اُس نے اُس پُتلے کے نشان پر فائر کیا اور اُس کے دونوں فائر غلط گئے۔

"تمہارا نشانہ ٹھیک نہیں رہا ہے۔ تمہیں باقاعدہ مشق کرنا پڑے گی۔ اور اب تم روزانہ ایک مخصوص وقت پر یہاں آؤ گے۔"

لکشمن کو یہ سب کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان میں سے کوئی اس سے کہے کہ لکشمن کپڑے اُتار کر لنگوٹ باندھ کر آ جاؤ۔ ذرا دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ لیکن یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔ ابھی اُسے انہی کی ہدایت کے مطابق کام کرنا تھا۔ بہرحال اس کے بعد اُس کی ڈیوٹی لگا دی گئی اور وہ روزانہ آ کر نشانہ بازی کی مشق کرنے لگا۔ گیتا ہر لمحے دستیاب نہیں تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا دل چاہتا تھا یا یہ کہا جائے کہ چاہنے لگا تھا کہ گیتا زیادہ سے زیادہ وقت اُس کے ساتھ رہے۔ ابھی اُس نے گیتا سے اپنی اس چاہت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بہرحال اُس کا دل یہی چاہتا تھا۔ غرض یہ کہ وہ یہاں آتا اور ریوالور سے نشانہ لگاتا۔ کوئی بھی کام کیا جائے لیکن ذہین آدمی کے لئے یہ مشکل کام نہیں ہوتا کہ وہ اس پر قادر نہ ہو جائے۔ اور پھر لکشمن تو بے حد ذہین تھا۔ اُس نے اپنی عمر کا آج تک کا حصہ اپنی ذہانت کے ساتھ ہی گزارا تھا اور بڑی خوش اسلوبی سے اپنے سارے کام سرانجام دیا کرتا تھا۔ اب وہ بالکل صحیح نشانہ لگاتا تھا۔

پھر ایک دن صبح جب وہ معمول کے مطابق نشانہ بازی کی مشق کے لئے تیاریاں کر رہا

تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ آج وہ اس مشق پر نہیں جائے گا۔ بات کچھ ایسی نہیں تھی جس پر غور کیا جاتا یا اس پر خاص توجہ دی جاتی۔ لیکن شام کو پانچ بجے کچھ لوگ اُسے لینے آ گئے اور اس کے بعد اُسے جس جگہ پہنچایا گیا وہاں پہنچ کر اُسے بہت خوشی ہوئی۔ ایک بڑا سا ہال تھا جہاں لکڑی کا ایک اسٹیج بنایا گیا تھا۔ اُس پر فوم کی پلاسٹری کی گئی تھی اور اُس پر لنگوٹ باندھے ہوئے لوگ کشتیاں لڑ رہے تھے۔ لکشمن کو ایک دم یہ ماحول اپنا اپنا سا محسوس ہوا۔ ایک بھاری بھرکم شخص نے اُس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''آیئے مسٹر لکشمن! یہ میرا اسکیشن ہے۔ کشتی لڑنے والوں کو دیکھئے۔ کیا جسمانی تصادم سے آپ کو کوئی دلچسپی ہے؟''

لکشمن نے اُس طرف دیکھا۔ رِنگ کے اندر پہاڑ جیسے قد و قامت کے دو جوان بڑے بھیانک انداز میں لڑ رہے تھے۔ لیکن اسے کشتی نہیں کہا جا سکتا تھا، بس ایک دوسرے سے دشمنی کہا جا سکتا تھا۔ فن کشتی کے اصول ہوتے ہیں، لیکن یہ کشتی نہیں تھی۔ لاتیں، گھونسے ہر طرح کے داؤ پیچ چاہے دیسی ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن لکشمن بڑی توجہ سے لڑتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا اور اُس کا دماغ جیسے مدھم مدھم آواز میں سرگوشیاں کر رہا تھا جیسے میرا جانا پہچانا ہے۔ جب ایک لڑنے والا دوسرے کے داؤ میں آ جاتا تو لکشمن کا ذہن فوراً یہ بات اُگل دیتا کہ مغلوب ہو جانے والے نوجوان کو کون سا داؤ استعمال کر کے اپنے مقابل کی گرفت سے کس طرح نکلنا چاہیے؟ لکشمن کے پاس بیٹھا ہوا ادھیڑ عمر کا آدمی شاید ان سب کا استاد تھا کیونکہ وہ لڑنے والوں کو ٹوک بھی دیا کرتا تھا اور وہ سر جھکا کر اُس کی بات مانتے تھے اور اس سے سرتابی نہیں کرتے تھے۔ ایک دو بار اُس نے لکشمن کے چہرے کو بھی دیکھا لیکن اس وقت لکشمن کو بڑی دلچسپی کا احساس ہوا جب اُس شخص نے کہا۔

''کیا تم بھی اس جسمانی قوت آزمائی میں حصہ لو گے لکشمن؟''

''ہاں کیوں نہیں۔'' لکشمن کے منہ سے بے اختیار نکل گیا اور وہ شخص مسکرا دیا اور بولا۔

''آؤ پھر میں تمہیں تمہاری پسند کا لباس دوں۔''

وہاں بہت سے ایسے لباس تھے جو مختلف اسٹائل کے تھے اور انہیں پہن کر کشتی لڑی جا سکتی تھی۔ لکشمن نے سرخ رنگ کا ایک لنگوٹ اُٹھا لیا اور اپنا لباس اُتار کر وہ لنگوٹ مخصوص انداز میں کس لیا اور اس کے بعد وہ رِنگ پر پہنچا دیا گیا۔ بھاری بھرکم آدمی نے کہا۔

''آپ لوگوں کا نیا دشمن اور میرے رِنگ کا ایک اور پہلوان۔ کون ہے جو اس سے

مقابلہ کرے گا؟''

جواب میں کتنے ہی کڑیل قد آور اور پہاڑ جیسے جسم والوں نے اپنے ہاتھ اُٹھا لئے۔ لیکن صرف ایک جوان تھا جو خاموش بیٹھا رہا تھا۔

''کیوں ہری ناتھ، کیا بات ہے؟ تم نے خاموشی کیوں اختیار کر لی؟''

ہری ناتھ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ لکشمن کو دیکھا اور بولا۔ ''نہیں بابا جیت! میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا جس پر بعد میں مجھے خود ہی شرمندگی ہو۔ یہ بے چارہ کون ہے، یہ تو آپ ہی جان سکتے ہیں۔ لیکن ہری ناتھ کے سامنے اسے لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی ہڈی پسلی تڑوا دی جائے۔''

''میں نے ہزار بار کہا ہے کہ بڑا بول مت بولا کرو۔ کبھی نہ کبھی ایسا نقصان دیتا ہے کہ دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے۔''

ہری ناتھ نے پھر طنزیہ انداز میں منہ سکوڑ لیا تھا۔

بہرحال جس آدمی کو بابا جیت کہہ کر پکارا گیا تھا اُس نے خود ایک پہلوان کا انتخاب کیا اور وہ لکشمن کے مقابلے پر آ گیا۔ آنے والا کافی قد آور تھا اور بھاری بھرکم۔ لکشمن سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دفعتہً ہی اُس کی داہنی اُنگلی میں کھجلی ہونے لگی۔ یہاں کچھ ہوتا تھا...... نجانے کیا ہوتا تھا؟ وہ بار بار انگوٹھے سے اُنگلی کو مسلنے لگا۔ لیکن مقابل پینترے بدل رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا اور لکشمن نے بائیں ہاتھ کا پنجہ ملا لیا۔ اب اس طرح اُس کا داہنا ہاتھ اُس کے بائیں ہاتھ کے پنجے سے مل گیا تھا۔ لکشمن چاہتا تھا کہ اُس کی اُنگلیاں مروڑ دی جائیں۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ عمل کرتا اچانک سامنے والا ایک دم اُچھلا اور لکشمن کے سنبھلنے سے پہلے اُس کی دونوں ٹانگیں لکشمن کی کمر سے آ کر لپٹ گئیں۔ لکشمن زمین پر چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ وہ لکشمن پر سوار ہو گیا۔ بالکل نئی اور اجنبی بات تھی، لکشمن بدستور انگوٹھے سے اُنگلی مسل رہا تھا۔ اس داؤ سے نکلنے کا ایک ہی گُر تھا۔ مگر اُسے وہ گُر یاد نہیں آ رہا تھا۔ سامنے والے نے اپنی دونوں ٹانگوں سے اتنا خطرناک داؤ استعمال کیا تھا کہ لکشمن کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں دو اژدھوں کی طرح لکشمن کی کمر سے لپٹ گئی تھیں اور لمحہ بہ لمحہ ان کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔ بابا جیت جلدی سے اُٹھ کر اُن کے پاس پہنچ گیا اور جلدی سے کہنے لگا۔

''لکشمن! یہ بہت خطرناک داؤ ہے۔ جس طرح اس نے تمہیں اپنی ٹانگوں سے جکڑ لیا

ہے اس طرح تم کبھی نہیں نکل سکو گے۔ بہتر ہے کہ یہاں تم اس سے ہار مان لو۔''

لکشمن کا ذہن ایک دم پلٹ گیا۔ اندر ہی اندر اُس نے سوچا کہ ہار مان لوں...... اس طرح ہان مارلوں۔ دفعتہً ہی لکشمن کو کچھ خیال آیا۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر بابا جیت سے کہا۔

''جب میں اس کے داؤ سے مغلوب ہو جاؤں گا تو ہار مان لوں گا۔ آپ ابھی تھوڑا انتظار کرو۔''

بہر حال بابا جیت اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ لکشمن کو یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی ٹانگیں لکشمن کی کمر توڑ دیں گی۔ دفعتہً ہی لکشمن نے ایک پلٹی بدلی اور اُس کا مدمقابل دہشت سے چیخ پڑا۔ نجانے یہ کوئی داؤ تھا یا پھر صرف اتفاق کہ اُس کے ٹخنوں کی دونوں ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ وہ ٹانگیں چھوڑ کر زمین پر تڑپنے لگا۔ بات شاید بابا جیت کی سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ وہ بھاگ کر پھر اُس کے پاس پہنچا اور جھک کر اس سے اس کے بارے میں معلوم کرنا پڑا۔ لکشمن کا مدمقابل گوشت کا پہاڑ تھا اور اُس کا جسم فولاد کا بنا ہوا تھا۔ سب حیران رہ گئے۔ ایک لمحے کے لئے لکشمن کو خود بھی حیرانی ہوئی تھی۔ وہ اپنی اُنگلی سے کوئی کام نہیں لے سکا تھا۔ لیکن اُس نے اس پتھر کو توڑ کر پھینک دیا تھا۔

بہر حال لکشمن نے اپنی کمر کو اُٹھ کر ملا اور اُسے سہلاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بابا جیت نے کہا۔

''چلو، تم نے بہت بڑا کام کر دکھایا ہے۔ پتہ نہیں اس کی ٹانگیں ٹھیک بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔ ایک کام کے بندے کو نقصان پہنچ جائے گا۔''

''ساری باتیں اپنی جگہ ہیں جناب۔ لیکن مجھے اپنا بچاؤ تو کرنا ہی تھا۔''

''ہاں، خیر میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔''

پھر اس کے بعد باقاعدہ لکشمن کو ورزش کرائی جانے لگی۔ اُس کی اپنی رہائش گاہ میں اس کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ کوئی ایک ہفتے کے بعد لکشمن کو ایک بار پھر اسی ہال میں پہنچایا گیا۔ ہری ناتھ اس دن بھی وہاں موجود تھا۔ بابا جیت نے لکشمن کو سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''آج کون اس سے مقابلہ کرے گا؟''

ہری ناتھ فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ ''میں...... میں تو اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔''

''ہری ناتھ! تم پاگل ہو۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ تمہارا اور اس کا جھگڑا نہیں ہو گا۔ تمہارے ذہن میں اس کے لئے انتقام پل رہا ہے اور یہ بات اصولوں کے خلاف ہے۔ تم

کیا سمجھتے ہو اگر تم نے اسے نقصان پہنچا دیا تو کوئی اچھی بات ہو گی؟ یہ مہا گرو کا حکم ہے کہ تم دونوں کو مدمقابل نہ لایا جائے۔''

مہا گرو کے نام پر وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور ایک طرف جا بیٹھا۔ یہ مہا گرو کون تھا؟ لکشمن کو اس بارے میں پتہ نہیں تھا۔ لیکن بہر حال لکشمن بھی خاموش ہی کھڑا تھا۔ آج لکشمن کا مقابلہ کسی سے نہیں کرایا گیا۔ لیکن تیسری بار جب اُسے پیش کیا گیا تو صورتحال ذرا مختلف تھی۔ اس وقت بابا جیت نے لکشمن سے کہا۔

''آج تمہارا مقابلہ تنہائی میں ایک ایسے شخص سے ہو گا جسے ایک آزمائشی عمل سے گزارا جا رہا ہے۔''

لکشمن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ وہ ہال کے دوسرے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے کے ساتھ ہی بڑی سی شیشے کی دیوار تھی اور اس کے دوسری طرف کی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن اچانک ہی وہ دیوار روشن ہو گئی۔ روشنی ہونے پر لکشمن نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی چھت سے لٹکنے والی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک نوجوان لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ بابا جیت نے دروازہ کھولا اور شیشے کی دیوار کے دوسری طرف چلا گیا۔ پھر وہ لڑکی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لکشمن کے سامنے ہال میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا۔ لڑکی عجیب سی نگاہوں سے لکشمن کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید لکشمن سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ ایک بار اُس کے ہونٹ کھلے اور اُس نے شیشے کے پار بوڑھے کو بندھے ہوئے دیکھا اور اُس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے جیسے وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی ہو۔ لکشمن تعجب بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

''کیا بات ہے...... مجھ سے کوئی کام ہے؟''

لڑکی کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ وہ بڑے کرب سے بولی۔

''نن...... نہیں...... مم...... مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو بس۔'' اُس نے پلٹ کر دیوار کی طرف دیکھا، اسی وقت آواز اُبھری۔

''لکشمن! میں جنرل بول رہا ہوں۔ جنرل جے پال۔ یہ لڑکی جو تمہارے سامنے آ کر کھڑی ہوئی ہے یہ تمہاری بدترین دشمن ہے۔ اس کے چہرے پر غور مت کرنا۔ یہ دشمن ملک کی جاسوس ہے اور تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ سمجھے؟ اس کی باتوں میں بالکل مت آنا، نہ اُس کے چہرے پر جانا۔ جانتے ہو یہ کون ہے؟''

"نہیں...... میں نہیں جانتا۔"

"رافیہ علی...... اور یہ پڑوسی ملک کی جاسوس ہے۔ اتنی خطرناک لڑکی ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

لکشمن سوچنے لگا کہ یہ لڑکی کتنی ہی خطرناک ہے لیکن اسے اس کے سامنے کیوں بھیجا گیا ہے۔ لکشمن نے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب! میں جاننا چاہتا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"اس لڑکی کو قتل کر دو۔ سمجھے؟ اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔"

لکشمن کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ جو ذمہ داری اُسے اس وقت سونپی جا رہی تھی وہ اس کے بس سے باہر تھی۔ اُس نے لڑکی کی طرف نگاہیں اُٹھا کر دیکھا، اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ جنرل جے پال نجانے کہاں تھا اور کس طرح ساری چیزیں دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"لکشمن! یہ مکاری کے آنسو ہیں۔ تم نہیں جانتے یہ لڑکی کتنی خطرناک ہے۔ ایک بار اس کے مدمقابل آ گئے تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ تمہیں اس کا مقابلہ کرنا ہے۔"

لکشمن نے حیران نگاہوں سے لڑکی کو دیکھا تو اُس نے سسکتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

"رافیہ دیکھو...... میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، تمہیں اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر اپنے باپ کی زندگی بچانا چاہتی ہو تو تمہیں اس شخص کو قتل کرنا ہوگا۔ ورنہ دوسری صورت میں، میں سب سے پہلے تمہارے باپ کو ہلاک کر دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی بابا جیت چمڑے کا ہنٹر لے کر بوڑھے کے پاس پہنچ گیا۔ شڑاک کی ایک آواز اُبھری اور بوڑھے کی دردناک چیخ سنائی دی۔ بابا جیت بوڑھے کو مار رہا تھا۔ لڑکی نے نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور بے اختیار روتی ہوئی شیشے کی دیوار کے پاس پہنچ گئی۔

"نہیں، خدا کے لئے نہیں...... ایسا مت کرو۔ ایسا مت کرو۔ اس بوڑھے کا کیا قصور ہے؟ مت کرو ایسا۔ تمہیں خدا کا واسطہ۔"

"ٹھیک ہے، رُک جاتے ہیں ہم رافیہ علی! لیکن شرط وہی ہے، دیکھو اپنے مدمقابل کو دیکھو۔ اس سے مقابلہ کرو۔ ورنہ دوسری صورت میں...... اور لکشمن! تمہیں بتا دیا جاتا ہے،

تمہیں جو کچھ سکھایا گیا ہے یا جو کچھ تمہیں آتا ہے وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے صرف کرو۔ میں جنرل جے پال تم سے براہِ راست مخاطب ہوں۔ اگر تم اس لڑکی کے ہاتھوں سے بچ گئے تو ہم تمہارے لئے آگے کے منصوبے بنائیں گے، ورنہ......"

لڑکی نے پلٹ کر لکشمن کو دیکھا۔ اچانک ہی اُس کے چہرے پر خونخوار تاثرات پھیل گئے اور اب اُس کے چہرے کی رنگت تبدیل ہونے لگی تھی۔ اُس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور اگر میں اسے ہلاک کر دوں مہاگرو! تو کیا تم میرے باپ کو چھوڑ دو گے؟"

"مجھ سے سودے بازی کرنا بے مقصد ہے۔ اپنا کام کرو۔"

لکشمن حیرت سے اُس لڑکی کے بدلتے ہوئے رُخ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے رُخ تبدیل کر لیا تھا۔ اور پھر اُس کی اُنگلیوں کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ اُسے یوں لگا جیسے ایک شیرنی اپنے پنجے نکال رہی ہو اور لکشمن کو ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ لڑکی واقعی بہت خطرناک ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دوہری شخصیت رکھتی ہو۔ اسی وقت جنرل کی آواز سنائی دی۔

"لکشمن، اس کی اصلیت کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ تمہیں لمحوں میں ختم کر سکتی ہے۔ تمہیں بچنا ہوگا، سمجھے؟ تمہیں بچنا ہوگا۔"

لڑکی آہستہ آہستہ لکشمن کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ یوں لگ رہا تھا جیسے اب لکشمن کو ختم کرنا چاہتی ہو۔ وہ لکشمن کے مدمقابل آ کھڑی ہوئی۔ پھر اُس کے منہ سے آواز نکلی۔

"میں مکمل ہوش میں ہوں...... اپنے باپ کو پٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ میری شخصیت کیا ہے، یہ شاید تمہارے علم میں نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں۔ میں تم پر دشمن بن کر حملہ نہیں کر سکتی، لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ لڑو مجھ سے۔ آہ، کاش تم مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو۔"

لیکن لکشمن کے کان جیسے کوئی آواز نہیں سن رہے تھے۔ اُس نے پلٹ کر ایک لات لڑکی کے پیٹ پر ماری اور اُس کے حلق سے آواز نکل گئی۔ وہ کئی قلابازیاں کھا گئی تھی۔ حالانکہ پیٹ پر پڑنے والی لات نے اُسے زمین سے اُچھال دیا تھا لیکن اُس نے فوراً ہی فضا میں اپنے آپ کو سنبھالا تھا اور قلابازیوں کی شکل میں گرنے سے بچ گئی تھی۔ لکشمن تیزی سے اُس کی جانب دوڑ رہا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ اسے زمین چٹا دے۔ لیکن جیسے ہی وہ لڑکی کے قریب پہنچا، لڑکی نے اچانک ہی سوئپ لگائی اور لکشمن کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لپیٹ کر اُسے اتنی زور کی پٹخنی ماری کہ لکشمن کے کندھے اور کمر زمین سے ٹکرائی۔ سر تھوڑا سا اونچا رہ گیا تھا ورنہ سر زمین سے جا ٹکراتا۔ لڑکی نے اُلٹی چھلانگ لگائی اور کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

''میں نے تمہیں صرف کندھوں کے بل زمین پر پھینکا۔ میں چاہتی تو تمہیں سر کے بل نیچے زمین پر پھینک سکتی تھی اور تمہارا سر خربوزے کی طرح پھٹ جاتا۔ خود کو سنبھالو اور مجھے بھی بچاؤ۔''

اُس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک جے پال کی آواز اُبھری۔ ''مارو اس حرام زادے کو۔ تاکہ یہ محبت میں ڈوبی ہوئی لڑکی ڈھنگ سے جنگ کرے۔''

اس کا حکم سنتے ہی بابا جیت پھر کوڑا لے کر لڑکی کے باپ کی جانب دوڑا تو اچانک ہی لکشمن کے منہ سے ایک غراہٹ سی نکلی۔

''نہیں بابا جیت! جنرل، منع کرو بابا جیت کو۔ بوڑھے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔''

''کیا؟'' جے پال کی حیران آواز اُبھری تھی۔

''ہاں۔ لڑائی میرے اور اس کے درمیان ہو رہی ہے۔ بوڑھے کو مارنے سے کیا فائدہ؟''

''آہ...... تم نہیں جانتے۔ یہ بوڑھا پاکستانی جاسوس ہے سمجھے؟ بہت بڑے عہدے کا مالک۔ پاکستانی ایجنسی کا نائب چیف۔''

لکشمن کی سمجھ میں ایک لمحے تک کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ پھر بھی اُس نے کہا۔

''جنرل! کم از کم کچھ وقت کے لئے مجھے اس لڑکی سے بات کرنے دو۔ اگر تم اس سے کچھ چاہتے ہو تو یہ ذمہ داری میرے اوپر چھوڑ دو۔''

جنرل کچھ لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''بابا جیت! لڑکی کو لے جاؤ اور اسے بند کر دو۔''

بابا جیت نے فوراً ہی دروازہ کھول کر قدم باہر نکال دیئے تھے اور اس کے بعد وہ لڑکی کو گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ لکشمن حیران پریشان خاموش کھڑا ہوا تھا۔ پھر اُس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ لوگ کون ہیں، کیا سمجھے؟ دیکھتا ہوں میں......''

ابھی جنرل کے اتنے ہی الفاظ اُبھرے تھے کہ دُور کہیں ایک زبردست دھماکہ ہوا...... دھماکہ اتنا خوفناک تھا کہ عمارت کے در و دیوار ہل گئے۔ اس کے ساتھ ہی تمام روشنیاں بجھ گئیں۔ دوسرا دھماکہ ہوا...... اور اس کے بعد مسلسل دھماکے ہونے لگے۔ پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ لکشمن نے زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ ٹکا دیئے۔ کیونکہ باقاعدہ زمین ہل رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اُسے اپنے قریب ایک زوردار چیخ سنائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی کسی انسانی جسم کے گرنے کی آواز اُبھری۔ کوئی اُس کے پیروں کے قریب آ کر گرا تھا۔

تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک دوسری چیخ بھی اُبھری۔ اس چیخ میں بڑی کراہت تھی اور اگر لکشمن کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ چیخ بابا جیت کی تھی۔ لکشمن ایک ایک قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ کسی دیوار کے پاس پہنچ جائے۔ اب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے دیوار ٹٹول رہا تھا۔ دفعتہً ہی اُس کا ہاتھ کسی نسوانی جسم سے ٹکرایا اور وہ اُچھل پڑا۔ اسی وقت اُسے رافیہ کی آواز سنائی دی۔

''لکشمن! لو، یہ ریوالور اپنے ہاتھ میں تھامو۔ خبردار، مجھ سے دُور رہنے کی کوشش مت کرنا۔ میں نے تمہیں یہاں سے نکالنا ہے۔ خبردار، خبردار۔''

اور پھر اُس نے لکشمن کا بازو پکڑ لیا۔ لکشمن نے ریوالور دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ فیصلہ اُسے ایک لمحے کے اندر اندر کرنا تھا کہ اُسے رافیہ کے ساتھ آگے قدم بڑھانے چاہئیں یا وہ وہیں رُک کر رافیہ سے بچنے کی کوشش کرے؟ لیکن فیصلہ بڑا مشکل کام تھا۔ رافیہ نے اُسے گھسیٹا تو وہ اُس کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ رافیہ نے کہا۔

''ایک بات پر تم یقین کرو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔''

''لیکن...... یہ ہوا کیا ہے؟''

''آؤ جلدی کرو...... میں تمہارے لئے حفاظت کا بندوبست کرتی ہوں۔ کچھ مت پوچھنا اس بارے میں۔ تم یہ سمجھ لو کہ تم ایک بہت خوفناک جنجال میں پھنس گئے ہو۔ اس جنجال سے نکلنا چاہتے ہو تو میرا ساتھ دو۔ ورنہ......''

دفعتہً ہی دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز سنائی دی اور وہ بولی۔ ''جلدی کرو...... آ جاؤ۔'' وہ لکشمن کو گھسیٹتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔ یہ بات لکشمن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس وقت وہ اپنے اس بوڑھے باپ کو بچانے کی بجائے لکشمن کی مدد کیوں کر رہی ہے۔ پھر تاریکی میں اُس کی آواز اُبھری۔

''لکشمن! اس دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ میں اب اپنے باپ کو لے کر آ رہی ہوں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ یہ تاریکی ہمارے لئے بڑی کارآمد ہے۔ ابھی تم مجھ سے کوئی سوال مت کرنا۔ میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتی ہوں وہ یہ کہ یہاں سے نکلنا تمہارے حق میں بھی اتنا ہی سودمند ہوگا جتنا میرے حق میں۔''

لکشمن نے یہاں بھی خاموشی اختیار کی تھی۔ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو ہنگامہ ہو رہا تھا وہ بے شک تھوڑا بہت قابل فہم تھا۔ لیکن آگے کچھ نہیں۔ پھر اچانک کہیں

سے ایک اور چیخ کی آواز سنائی دی اور کچھ لمحوں کی بعد لڑکی کی آواز آئی۔

''آؤ......'' پھر اُس نے لکشمن کا بازو پکڑا۔ دوسری جانب شاید اُس نے اپنے بوڑھے باپ کا بازو بھی پکڑا ہوا تھا۔ بہرحال وہ آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھا رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اُس نے کہا۔ ''اوہو، شاید کوئی آ رہا ہے۔''

اور اندازہ بالکل درست نکلا۔ کسی ٹارچ کی روشنی نظر آئی تھی اور اس کے بعد کچھ لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور اسی وقت کئی چیخیں بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ کی آواز۔ جو لوگ اندر آئے تھے وہ رافیہ کی گولیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن باہر بھی کچھ لوگ موجود تھے جو اس اندھا دُھند فائرنگ کی زد میں آ گئے تھے۔ باہر سے اُن کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ کچھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی اُبھریں اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ پھر رافیہ کچھ لمحے کے لئے غائب ہو گئی۔ لکشمن خاموش کھڑا ہوا تھا۔ ابھی تک اُس کے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد رافیہ کی آواز پھر سنائی دی۔

''یہاں جگہ جگہ بہت سے لوگ موجود ہیں۔ ہمارے یہ معمولی سے ریوالور ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ یہ لو، یہ ہینڈ بم ہیں۔ تم ان کے استعمال کا طریقہ سیکھ لو۔ اُنگلی سے اس پن کو دیکھو۔ بس اسے دانتوں سے کھینچنا ہو گا اور کم از کم بائیس گز کے فاصلے پر اُچھال دینا ہو گا۔ میں راستہ بتانے کے لئے اقدامات کرتی ہوں۔''

وہ پھر غائب ہو گئی۔ لکشمن تعجب بھرے انداز میں سوچ رہا تھا کہ لڑکی ہے یا قیامت؟ کس قدر خطرناک شخصیت ہے اس کی۔ اچانک ہی لکشمن کو سامنے والی سمت سے کچھ افراد دوڑتے ہوئے نظر آئے۔ وہ گولیاں چلا رہے تھے اور غالباً اُن کے ہاتھوں میں مسلسل گولیاں برسانے والی گنیں تھیں۔ اگر وہ اس طرف آ جاتے تو لکشمن کے ساتھ یہ بوڑھا شخص بھی موت کا شکار ہو سکتا تھا۔ چنانچہ لکشمن نے ایک ہینڈ بم کا پن کھینچا اور اسے راہداری میں اُچھال دیا۔ دوسرے لمحے قیامت کا دھماکہ ہوا اور در و دیوار لرز گئے۔ بوڑھا لکشمن کے بازو سے چپک گیا تھا۔ چیخ و پکار کی آواز سے پوری عمارت گونجنے لگی۔ دُور کہیں شعلے بھی بھڑک رہے تھے اور اس سے عمارت کا اندرونی حصہ روشن ہو رہا تھا۔ اسی وقت رافیہ پھر اندر آ گئی اور اُس نے کہا۔

''آیئے پپا! ہمت کیجئے۔''

''آہ...... میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ میرے اعصاب بھی میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ اور

ویسے بھی میرے دونوں پاؤں ڈنڈے مار مار کر اس قابل نہیں چھوڑے گئے ہیں کہ میں ان سے چل سکوں۔''

لکشمن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اچانک ہی جھک کر بوڑھے کو اپنے کاندھے پر اُٹھا لیا اور پھر رافیہ سے بولا۔ ''چلو...... مجھے راستہ بتاؤ۔''

رافیہ دونوں ہاتھوں میں ریوالور لئے ڈھال بن کر آگے بڑھنے لگی۔ بائیں طرف کے کوریڈور میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ دائیں طرف کے کوریڈور میں داخل ہوئی۔ اور پھر اچانک ہی اُس کے ریوالور شعلے اُگلنے لگے۔ کیونکہ دوسری طرف کچھ لوگ نظر آئے تھے۔ رافیہ نے اتنی تیز رفتاری سے فائرنگ کی کہ سامنے کی صفائی لمحوں میں ہو گئی۔ چنانچہ کوریڈور کا راستہ صاف ہوا تو یہ لوگ تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔ ایک بار پھر رافیہ کے اشارے پر لکشمن نے دستی بم کا پن نکالا اور دوسرے لمحے دروازے کی جانب اچھال دیا۔ زبردست دھماکے کے ساتھ دروازے کے چیتھڑے اُڑ گئے اور ایک بار پھر لکشمن کو بوڑھے کو کاندھے پر بٹھانا پڑتا۔ رافیہ اب لگاتار فائرنگ کر رہی تھی اور دونوں راستہ بناتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ اندر چیخ و پکار کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ اور اس کے بعد باہر جانے کا راستہ نظر آ گیا اور تینوں افراد برق رفتاری سے باہر کی طرف دوڑنے لگے۔ سامنے ہی ایک کار کھڑی نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ کار کے دروازے کے قریب پہنچ کر دروازے کو آزمایا گیا۔ لیکن دروازہ لاک تھا۔ رافیہ نے شیشہ توڑ کر پیچھے کا دروازہ کھولا اور بولی۔

''جلدی پیچھے بیٹھ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔''

اس وقت لکشمن یہ سوچنے کے قابل نہیں تھا کہ دروازہ تو شیشہ توڑنے سے کھل گیا لیکن کار کیسے اسٹارٹ ہوئی؟ البتہ ایک لمحے کے اندر اندر ایک شدید جھٹکے کے ساتھ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی......!
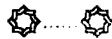
سرخ پتھروں سے بنی ہوئی عظیم الشان عمارت بے حد پراسرار نظر آ رہی تھی۔ بڑے سے ہال میں ایک چوکی پر جنرل جے پال جوگیا آسن مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ گردن بالکل سیدھی تھی۔ حلیہ تو تھا ہی بے حد خوفناک۔ اُسے جنرل کہتے ہوئے ہنسی بھی آتی تھی اور اپنی حماقت پر غصہ بھی۔ لمبے چوڑے بدن پر لمبی چوڑی داڑھی، شانوں سے نیچے تک بکھرے ہوئے بال۔ وہ ایک خوفناک سادھو معلوم ہوتا تھا۔ اس کا تعلق ہندوستان کے تخریب کار ادارے سے ہوگا، کوئی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس وقت اُس کا چہرہ لال انگارہ بنا ہوا تھا۔ لگتا تھا کسی نے سرخ رنگ مل دیا ہو۔ آنکھیں بند تھیں۔ دیر تک وہ اسی طرح آسن مارے بیٹھا رہا۔ پھر دروازہ کھلا اور پانچ آدمی اندر داخل ہو گئے۔ ان سب کے جسموں پر مقامی لباس تھے لیکن ان کے چہروں اور حلیوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ فوجی ہیں۔

جنرل جے پال اسی طرح ہاتھ باندھے تپسیا کرتا رہا۔ اس کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں۔ لال انگارہ جیسی آنکھیں۔ بڑے بڑے دیدے باہر کو نکلے جا رہے تھے۔ اُس نے ان پانچوں کو دیکھا، پھر نگاہیں اُٹھا کر پچھلے دروازے کو۔ اچانک ہی دروازے میں سرسراہٹ ہوئی اور ایک فولادی پلیٹ دروازے کے اوپری حصے سے نیچے اُترنے لگی۔ پانچوں کی گردنیں غیر اختیاری طور پر گھوم گئی تھیں اور انہوں نے دروازے کو اس طرح بند ہوتے دیکھ کر خوف سے دیدے نچائے۔ اُن کے چہروں پر موت کا خوف پھیل گیا تھا۔ تبھی جنرل کی آواز سنائی دی۔

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور دروازوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ بلکہ دروازوں کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ کیا سمجھے؟ اس لئے میں نے دروازہ بند کر لیا ہے۔ تم لوگ اپنے اپنے رُخ تبدیل کر لو۔"

کوئی عمل ہی کیا تھا جنرل نے۔ اُن کے پیروں کے نیچے کی زمین کھسکنے لگی اور انہیں

توازن سنبھالنے کے لئے انہیں اپنے جسم کو بیلنس کرنا پڑا۔ ان کی جگہیں تبدیل ہو گئی تھیں۔ زمین پر ٹائل لگے ہوئے تھے، باقی کچھ نہیں تھا۔ غور سے دیکھنے پر بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان پر کوئی جوڑ ہوگا۔ جنرل جے پال کی آواز سنائی دی۔

"ستیانند!"

"مہا گرو۔" اُن میں سے ایک آدمی نے گردن خم کر کے کہا۔

"ستیانند! ابھی تک نہیں پتہ چل سکا کہ وہ شیطان زادی لکشمن کو کہاں لے گئی؟"

"نن...... نہیں مہاراج۔"

"کیسی عجیب بات ہے۔ گروچن، تمہارا کیا خیال ہے؟ دو پاکستانی جاسوس ہمارے قبضے میں تھے اور ہم کوشش کر کے معلومات حاصل کر رہے تھے۔ دونوں نکل گئے ہمارے چودہ آدمیوں کو قتل کر کے۔ چودہ آدمی ہیں، جانتے ہو نا چودہ کا ہندسہ کتنا بڑا ہوتا ہے۔ چودہ آدمی مار دیئے اُس سسری نے اور اپنے باپ کو لے کر صاف نکل گئی۔ اب یہ بتاؤ کہاں تلاش کرو گے اُسے؟"

"مہاراج! پوری دہلی کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ ایئر پورٹ، باہر جانے والی سڑکیں، ریلوے اسٹیشن ہر جگہ ہمارے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔"

"یار! وہ تمہارے گھر سے نکلی ہے۔ اور سچ کہوں اتنا بڑا نقصان کر کے نکلی ہے میرا کہ الفاظ میں تو بیان کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ارے کتے کی موت مار گئی وہ ہمیں۔ خود نکل گئی، اپنے باپ کو لے گئی۔ مجھے اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ تم کیا سمجھتے ہو، میرے اوپر کوئی نہیں ہے؟ نہ بابا نہ، سر تو کسی کا بھی خالی نہیں ہے۔ اور کچھ نہیں تو سر پر پگڑی ہے، بال ہیں۔ دیکھو نا کتنے لمبے لمبے بال ہوتے ہیں سر پر۔ ارے ہر ایک کے سر پر کوئی نہ کوئی موجود ہوتا ہے۔ جواب دینا ہوگا مجھے۔ چلو، میں بھی جواب دے لوں گا۔ مگر لکشمن، جانتے ہو وہ کیا چیز تھا؟ وہ سپر برین تھا۔ میں نے ساری زندگی مختلف علم سیکھنے میں صرف کی۔ بھگوان ناش کرے میرے پتا کا جنہوں نے مجھے فوج میں بھیج دیا۔ میں تو سنسار کے ارے کالے علم سیکھنا چاہتا تھا۔ میری آرزو تھی کہ میں اس سنسار کا سب سے بڑا کالا جادوگر بنوں۔ پتا جی نے فوج میں بھیج دیا۔ ارے کئے ہیں، میں نے یہ دونوں کام برداشت کئے ہیں۔ تم لوگ تو سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ لڑکا بھگوان کی سوگند اُس نے میری پوری زندگی کی محنت خاک میں ملا دی۔ ارے دیا رے دیا۔ دماغ میں گھس جاتا ہے وہ صرف لکیریں دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ

کیا قصہ ہے۔ واہ رے واہ، دیکھا نہ سنا۔ اگر یہ علم مجھے مل جاتا تو بھگوان کی سوگند کیا سے کیا
بن جاتا۔ میں تو ہندوستانی فوجوں کے لئے وہ قوتیں تلاش کر رہا تھا جن کے ذریعے وہ دشمن
کو مسحور کر دیں بلکہ یہ کوشش کریں کہ دشمن اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ ڈالے۔ باپ
رے باپ۔ ہر ایک سے لڑ سکتے تھے ہم، بڑے تجربات کرنا چاہتا تھا میں۔ یہ دیکھنا چاہتا تو
کہ وہ لڑکا کیسی قوتوں کا مالک ہے۔ میں اُس کے دماغ کو کھول لیتا، اُس سے سب کچھ
چھین لیتا میں۔ معلوم کرتا کہ کون سی قوت ہے اُس کے پاس۔ اُسے ہر قیمت پر میرے
پاس رہنا چاہیئے تھا۔ تم نہیں جانتے رے پاگلو! تم نہیں جانتے کہ میں اس سے عظیم تر مقاصد
حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے دماغ میں پراسرار قوت پوشیدہ ہے۔ میں اسے جاننا چاہتا تھا
اور اس کے بعد...... اس کے بعد وہ سارے امتحانات تھے اس کے۔ لیکن چوپٹ کر دیا
رے تم نے سب۔''

''گرو مہاراج! ہم اُسے تلاش کر کے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ ہم رافیہ اور اس
کے باپ علی کو بھی ضرور پکڑ لیں گے۔ ان کے جو ٹھکانے ہو سکتے ہیں ان ٹھکانوں کو ہم اس
طرح بند کر دیں گے کہ وہ کسی قیمت پر ان سے نہ نکل سکیں۔ گرو مہاراج، بھروسہ کرو ہم پر۔''

''ہاں ہاں، بات پتہ ہے کیا ہے؟ میری کچھ خرابیاں ہیں۔ بچپن سے ہی ایسا ہوں۔ اور
وجہ وہی حرامی کے پلّے جنھوں نے مجھے ایک بار مہا گرو بننے کی بجائے فوجی بنا دیا۔ خیر بچپن
کی باتیں تو میں کیا سناؤں بس یہ سمجھ لو کہ قیمتی سے قیمتی چیز اگر میرے معیار پر پوری نہیں
اُترتی تھی تو میں اسے چھوڑتا ہی نہیں تھا۔ دیکھو نا، جہاں ناکامی ہو، انسان وہاں بار بار چکر
لگانے کی بجائے اس جگہ کو ہی ملیامیٹ کر دے تا کہ اس کے اندر کی کیفیت تو ختم ہو جائے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مہا گرو؟'' اُن میں سے ایک شخص کی تیکھی آواز اُبھری اور
جنرل جے پال کی گردن اُس طرف گھوم گئی۔

''آہا...... رام کرشن! بڑا نام ہے بھئی تیرا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں بریگیڈیئر رام کرشن کہ
میں نئے لوگوں کو منظر عام پر لاؤں گا۔ تم پانچوں گھسے پٹے مہرے ہو۔ ارے تمہیں فری ہینڈ
دیا تھا میں نے۔ کہا تھا میں نے کہ رافیہ اور اُس کے باپ کو قبضے میں رکھنا، اس کے ذریعے
ہم پاکستانی جاسوسوں کا پورا گروہ پکڑ لیں گے۔ کامیابی کے نزدیک آنے والے تھے ہم۔
لڑکی یاد ہے کیسی آفت کی پرکالا تھی۔ چودہ مار گئی چودہ۔ ارے دیا رے دیا۔ اب ہو جائیں
گے اُنیس اور وہ بھی اسی حوالے سے۔''

''چودہ میں اُنیس شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم پانچوں کو شامل کر لیا؟''

''ہاں رے بھائی ہاں رام کرشن، پانچ تم۔ اس کے بعد نیا گروپ لائیں گے۔ نئے
دماغ اور نیا کام۔''

''لیکن جنرل! ہم فوجی ہیں۔ دشمن کی گولیاں کھا کر تو ہم ملیامیٹ ہو سکتے ہیں لیکن اپنی
کسی غلطی پر آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ ہمیں مار دیں۔ کیا سمجھے آپ؟ خبردار ایسا
کوئی عمل نہ کیجئے آپ جو ہماری فوج کے شایانِ شان نہ ہو۔''

''واہ رے تیری شان رام کرشن، واہ رے تیری شان۔ ارے حرامی، چودہ بندے مروا
دیئے تو نے اور اب بھی تیری کوئی شان ہے؟ ارے تیری شان کی ایسی تیسی۔'' یہ کہہ کر
جنرل جے پال نے اپنے پاس سے کچھ اٹھایا اور اسے رام کرشن پر اُچھال دیا۔ اس طرح
آواز آئی جیسے کوئی چھوٹا سا غبارہ پھٹ گیا ہو۔ رام کرشن کے جسم پر پیلے رنگ کا ایک سیال
بہنے لگا۔ لیکن کیا چیز تھی وہ جہاں سے گزرا سوراخ کرتا چلا گیا۔ رام کرشن کے دونوں ہاتھ
پھیلے ہوئے تھے اور اس کے بعد وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ اُس کے بدن سے جگہ جگہ
دھواں اُٹھ رہا تھا اور کمر تک گل گئی تھی۔ پھر یہ گلی سڑی ہڈیاں چڑ مڑانے لگیں۔ دُھواں
چھٹتا چلا گیا۔ چاروں اُچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ رام کرشن کے حلق سے کوئی آواز نہیں
نکلی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا پورا بدن اس طرح سلگ کر راکھ بن گیا جیسے ماچس کی کوئی
تیلی جس کا مسالہ درست نہ ہو اور وہ سیلی ہوئی اور بھیگی ہوئی جل رہی ہو، شعلہ دیئے بغیر
راکھ بن جاتی ہے۔ چاروں شدتِ خوف سے چکرا رہے تھے۔ اُن کے ہوش اُڑ گئے تھے۔
جنرل جے پال نے اُن کی طرف دیکھا اور بولا۔

''سمجھے، فوجی ہو تم۔ میں تمہارا کورٹ مارشل کر سکتا ہوں، تمہیں موت کی سزا نہیں دے
سکتا۔ لیکن بھائی، تمہاری موت کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا کون۔ اب دیکھو نا راکھ
بن گیا۔ اے یہ دیکھو۔''

اُس نے کچھ نہ کیا تھا۔ رام کرشن کی لاش جس جگہ پڑی ہوئی تھی وہاں ایک خلا پیدا ہوا
اور اس کے بعد ایک لمحے کے اندر اندر اُس کا سارا وجود غائب ہو گیا۔ خلا کے نیچے کیا تھا یہ
کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن جے پال نے کہا۔

''نیچے پانی کا جوہڑ بہتا ہے۔ بہت بڑا جوہڑ جو اس عمارت کے نیچے سے گزرتا ہے۔
جوہڑ پہلے تھا عمارت بعد میں بنائی گئی۔ پتہ نہیں کیسے کیسے کیڑے مکوڑے رہتے ہیں اس

میں۔ اصل میں ہمیں اس عمارت کی ضرورت تھی اپنے دشمنوں کے لئے۔ اور دشمن وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑے۔''

''جنرل! کیا آپ ایک موقع ہمیں اور دیں گے؟ آپ یقین کریں ہم ان تینوں کو بہت جلد آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔''

''صرف چوبیس گھنٹے کے اندر اندر جنرل!'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''نہیں بابا نہیں۔ بس یہی تو ایک خرابی ہے۔ بلکہ خرابی نہیں اچھائی ہے۔ اب تم دیکھو، سوچو تمہارے سامنے ایک بریگیڈیئر مار چکا ہوں میں۔ چاروں باہر جاؤ گے۔ فرشتے تو نہیں ہو جو مجھے معاف کر دو گے۔ سب سے پہلے ہائی کمان کو میری شکایت کرو گے۔ پاگل سمجھا ہے مجھے؟''

''تو ہمیں نہیں مار سکتا کتے! ہم تجھے اس سے پہلے ختم کر دیں گے۔'' ستیانند نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے جنرل کی طرف دوڑ پڑا۔ لیکن یہ عمارت یا پھر یہ ہال انتہائی سائنسی بنیادوں پر بنایا گیا تھا یا پھر یہ جنرل جے پال کی پراسرار قوتیں تھیں جو اس نے اب تک حاصل کی تھیں۔ وہ دوڑ رہے تھے لیکن اپنی جگہ سے ایک فٹ آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ اپنی دانست میں ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ اور پھر اچانک ہی اُن کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ گہرائیوں میں گرنے لگے۔ جنرل کا خوفناک قہقہہ اُن کی سماعت سے ٹکرایا تھا اور اس کے بعد وہ انتہائی بدبودار اور سڑے ہوئے پانی کے جوہڑ میں جا پڑے تھے۔ دم تو ویسے ہی گھٹ گئے تھے چونکہ پانی میں گیس ملی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد انتہائی غلیظ اور خوفناک آدم خور مینڈکوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں شاید کچھوے بھی شامل تھے اتنے بڑے بڑے اور تیز دانتوں والے کہ انہوں نے اپنے دانتوں سے ان کی ہڈیاں بھی کاٹ لی تھیں۔ چاروں کے چاروں جوہڑ میں اس طرح روپوش ہو گئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ اس طرح جنرل جے پال نے اتنی ساری زندگیاں بڑی آسانی سے لے لیں۔ اور ظاہر ہے یہ کوئی قانونی عمل نہیں تھا۔ اُسے یہ اختیار حاصل نہیں تھا جو اُس نے کر ڈالا تھا۔

لیکن بہرحال لکشمن اُس کی گرفت سے بہت دُور نکل گیا تھا۔ لڑکی جس کا نام رافیہ تھا کار ڈرائیو کرتی ہوئی بہت دُور نکل آئی تھی۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے گھر کے دروازے پر رکی اور اُس نے کسی پراسرار عمل سے دروازہ کھولا۔ بوسیدہ سا گھر تھا جس میں ضروریات زندگی

کی چیزیں موجود تھیں۔ ایک چھوٹا سا صحن اور ایک کمرہ، بس یہ اس گھر کی کل کائنات تھے۔ بوڑھا شخص گھسٹتا ہوا اندر آیا اور دالان میں پڑے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا۔ لڑکی کہنے لگی۔

''پاپا! میں یہ کار کسی ایسے علاقے میں چھوڑنے جا رہی ہوں جہاں سے کوئی اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ بازار سے کھانے پینے کی چیزیں لے آؤں گی۔ اور تھوڑا سا گھر میں کام کاج کا سامان، کچھ دوائیں وغیرہ۔ ہمیں کچھ عرصہ بالکل روپوش رہنا پڑے گا۔''

''ہاں بیٹا جاؤ۔ مگر احتیاط سے۔'' علی نے کہا اور لڑکی نے ایک نگاہ لکشمن کو دیکھا، پھر باہر نکل گئی۔ لکشمن کھویا کھویا سا بوڑھے کے سامنے تخت پر بیٹھ گیا۔ بوڑھا آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ پھر اُس نے چونک کر کہا۔ ''بیٹا! دروازہ بند کر دو۔''

لکشمن تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ بوڑھا کہنے لگا۔ ''تم کچھ کھوئے کھوئے سے ہو۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

''میں نہیں جانتا بزرگ!'' لکشمن نے شدید بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''بس یوں لگتا ہے جیسے میری یادداشت کھو گئی ہو۔ میں اپنے ذہن میں شدید بے چینی محسوس کرتا ہوں جیسے میرے دماغ پر کوئی خول چڑھا دیا گیا ہو۔''

''اگر تم مجھے ذرا تھوڑے سے اپنے تفصیلی واقعات سناؤ تو شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔''

''بس کچھ عجیب سی کیفیت ہے میری۔'' پھر لکشمن نے مختصر طور پر اپنے بارے میں جے پال کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ زیادہ ماضی میں وہ اس لئے نہیں جا سکا تھا کہ ماضی خود اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے کہا۔

''میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں گا جس سے ممکن ہے تمہاری یادداشت واپس آ سکے۔''

''تو وہ عمل آپ مجھے ابھی کیوں نہیں بتاتے محترم بزرگ؟''

''نہیں بیٹا، تھوڑا سا صبر کرنا پڑے گا تمہیں۔''

لکشمن گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رافیہ واپس آ گئی۔ بڑے بڑے شاپر اٹھائے ہوئے تھی۔ ہنس کر بولی۔

''میرے پاس پیسے تھوڑی تھے۔''

''تو پھر؟'' لکشمن نے پوچھا۔ رافیہ ہنس پڑی۔

''کیوں، ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''میں نے ایک نیلام گھر میں وہ کار بیچ دی۔''

''کیا؟'' بوڑھا اُچھل پڑا۔ رافیہ بری طرح ہنسنے لگی۔

''ہاں، بڑے سستے داموں۔ لیکن بذریعہ نیلام نہیں بلکہ جب میں نے کار ایک جگہ چھوڑی تو سامنے ہی مجھے کاروں کا نیلام گھر نظر آیا۔ کاروں کی بولیاں لگ رہی تھیں، لوگ خریدتے پھر رہے تھے۔ میں نے ایک ایسے گاہک کو تاڑا جو کئی کاریں دیکھ چکا تھا اور لگتا تھا جیسے وہ کار خریدنے کے موڈ میں ہو۔ تب میں نے اُس سے کہا۔

''جناب! کیا آپ ایک قیمتی کار کوڑیوں کے مول لینا چاہتے ہیں؟ یقیناً وہ چوری کی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خرابی ہے۔ بلکہ آپ یوں سمجھئے کہ میں اپنی انتہائی ضرورت کے تحت اسے نقد داموں فروخت کرنے کے لئے یہاں آئی تھی۔ آپ اسے دیکھ لیجئے۔''

اُس شخص نے جب کار کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اور پاپا! اس کے بعد اُس نے اُس کار کی نقد ادائیگی کر دی۔ بڑا آدمی تھا بے چارہ۔ خدا اُسے مصیبتوں سے بچائے۔''

بوڑھے نے تھکی تھکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اور خدا تجھے بھی مصیبتوں سے بچائے۔ کیا نام بتایا تھا تم نے بیٹا اپنا؟''

''لکشمن۔'' لکشمن نے جواب دیا۔

''لکشمن! یہ بڑی بہترین صلاحیتوں کی مالک ہے۔ بڑی اچھی پوزیشن رکھتی ہے۔ لیکن عمر کی شرارت اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اپنی شوخیوں سے باز نہیں آتی۔ پتہ نہیں کس بے چارے کو پھنسا آئی۔''

''بابا! اگر میں اُس سے سو روپے بھی مانگتی تو وہ مجھے قرض نہ دیتا۔ بلکہ پتہ ہے کیسی کیسی باتیں کرتا۔ اب کیا، کیا جائے پیسوں کی ضرورت تو مجھے تھی نا۔''

''بس بس...... شکل تو پہچان لی ہوگی اُس نے تیری۔''

''بابا! میری شکل پہچان کر اُسے کیا ملے گا؟ اچھا خیر ٹھیک ہے۔ لکشمن تم گوشت تو نہیں کھاتے ہوگے۔''

''کبھی کھلایا ہی نہیں کسی نے۔''

''آج کھلاؤں؟''

''مرضی ہے۔ مگر کیوں؟''

''بازار سے جو میں چیزیں خرید کر لائی ہوں ان میں گوشت کا سالن بھی ہے۔ لیکن چکن ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ مرغی سے معذرت کر کے کھا لوں گا۔'' لکشمن نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

''اب تو یہ بھی بولنے لگے پاپا! کیا کہیں گے آپ اس بارے میں؟''

''کچھ نہیں کہوں گا بٹیا! ہم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ ہنسی کتنی دیر کے لئے ہے۔'' بوڑھے نے گہری سانس لے کر کہا۔

بہرحال اس کے بعد کھانا کھایا گیا۔ لکشمن رافیہ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔

رافیہ نے کہا۔ ''اس دوران آپ کی لکشمن سے اپنے بارے میں کوئی گفتگو ہوئی؟''

''نہیں بٹیا! ہم ذاتیات پر گفتگو نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے ایک دوسرے سے اتنی ہی شناسائی کافی ہے۔ البتہ لکشمن کے بارے میں یہ بات میرے علم میں ہے کہ وہ ذہنی طور پر اُلجھا دیا گیا ہے اور اسے اپنی یادداشت کا ایک بڑا حصہ یاد نہیں ہے۔''

''آپ اس دوران جنرل جے پال کی قید میں یہ بات تو سمجھ چکے ہوں گے کہ وہ اچھا خاصا سفلی علوم کا ماہر ہے اور اس کوشش میں مصروف ہے کہ کوئی ایسا طریقہ کار نکال لے جس سے دشمن کی فوجوں کو ٹرانس میں لیا جائے اور اس کے بعد ان کا قتل عام کر دیا جائے۔ بڑا ہولناک منصوبہ ہے اس کا اور وہ اس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔''

''بے وقوف ہے سسرا۔ یہ نہیں جانتا کہ اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ ہم پر جادو کارگر ثابت نہیں ہو سکے گا۔ ایک مسلمان خلوصِ دل سے نماز پڑھ لے گا تو سارا سحر مٹی میں مل جائے گا۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔'' بوڑھے نے کہا اور رافیہ چونک کر لکشمن کو دیکھنے لگی۔ لکشمن کے چہرے سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اُس نے ان الفاظ کا کوئی تاثر لیا ہے۔ رافیہ نے بوڑھے کو دیکھا اور بوڑھا ایک دم سے سنبھل سا گیا، پھر اُس نے کہا۔

''بہرحال بات ہو رہی تھی لکشمن کے بارے میں۔''

''ہاں پاپا! اُس نے یقیناً لکشمن کو کسی اہم کام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ لیکن یہ اس کی گرفت سے نکل آئے۔''

''بہرحال لکشمن بھی خطرے میں ہے۔ بے چارے کو اپنے ساتھ ہی رکھو اگر یہ رہنا پسند کرے۔ کیوں لکشمن، تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں نہیں جانتا۔ جب تک میری ذہنی صلاحیتیں مجھے واپس نہ مل جائیں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

''ہاں، میں تمہاری ذہنی صلاحیتوں کی واپسی کے لئے ایک عمل کر سکتا ہوں جو تھوڑا سا تکلیف دہ ہوگا لیکن تمہارے لئے کارآمد ہوگا۔ بس یوں سمجھ لو کسی مشاق آدمی سے میں نے یہ سب کچھ سنا تھا۔''

''عمل کیا تھا پاپا؟'' رافیہ نے پوچھا۔

''بٹیا! ایک شمع روشن کر کے اپنا ہاتھ اتنی بلندی پر لے جاؤ کہ کہ شمع کی آگ اسے ہلکا ہلکا نقصان پہنچانے لگے اور اس کے بعد اپنے ماضی کے بارے میں سوچو۔ اور اگر یاد نہ آئے تو اپنے ہاتھ کو تھوڑی سی گرمی اور دو یہاں تک کہ جب تمہارے ہاتھ میں شدید جلن ہونے لگے تو اپنے آپ کو اس خیال سے آزاد کر دو۔ دو تین دن کی کوششوں سے ماضی کی بہت ساری باتیں یاد آ جائیں گی۔ دیکھو یہ خاص طور سے میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ ان کے ساتھ یہ عمل یعنی ان کی یادداشت کو چھیننے کا عمل جنرل جے پال نے کیا ہے۔ کوئی قدرتی چوٹ، کوئی دماغی تکلیف یا کوئی خوفناک دورہ اس کا محرک نہیں ہے اس لئے اس تھوڑی سی کوشش سے یہ طلسم ٹوٹ جائے گا۔ بولو یہ کرنا پسند کرو گے لکشمن؟''

''کیوں نہیں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد یہ کام شروع کر دینا۔ ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ ابھی کئی دن تک ہم اس گھر میں محصور رہیں گے۔ کیونکہ باہر کی دنیا ہمارے لئے بہت خطرناک ہوگی۔ کھانے پینے کا تمام سامان یہاں موجود ہے اور میرا مشورہ بھی ہے کہ تمہیں کچھ وقت اسی طرح گزارنا چاہئے۔''

لکشمن اُن کے ساتھ رہنے لگا۔ درحقیقت ایک انوکھا سرور مل رہا تھا اُسے۔ گھریلو زندگی تو خیر بہت زیادہ گزاری تھی اُس نے لیکن وہ اس کی یادداشت کے خانوں میں سوئی تھی۔ اب اُسے صرف جنرل جے پال یاد تھا۔ جو واقعات گزرے تھے کبھی کبھی ان کے بارے میں سوچ کر شدید بے چینی کا احساس ہونے لگتا تھا۔ بعض اوقات خطرہ بھی محسوس ہوتا تھا۔ اگر گھر کے باہر تیز آوازیں اُبھرتیں تو یوں لگتا جیسے کچھ لوگ انہیں تلاش کرتے ہوئے آ گئے ہوں۔ پھر اُسی رات اُس نے پہلی بار شمع کا عمل کیا۔ یہ موم بتی پہلے ہی رافیہ خرید لائی تھی کیونکہ گھر میں روشنی کا معقول انتظام نہیں تھا۔ لیکن بہرحال بجلی تھی اور تھوڑا

بہت سہارا دے دیا کرتی تھی۔ پہلی رات تنہائی میں بیٹھ کر لکشمن نے اپنا ہاتھ شمع کی بلندی پر رکھا اور ہلکی ہلکی آنچ محسوس کرتا رہا۔ وہ اپنے ماضی کو کرید رہا تھا۔ شدید محنت کی اُس نے۔ یہاں تک کہ ہاتھ کی کھال جلنے لگی۔ تب اُس نے اپنی محویت کو توڑا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اُسے یہ احساس نہیں تھا کہ رافیہ اُس سے تھوڑے فاصلے پر ہی بیٹھی ہوئی ہے۔

اُس نے مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور بولی۔ ''تم نے تو اپنا ہاتھ ہی جلا لیا۔ آؤ میں اس پر مرہم لگا دوں۔ میرے پاس جلنے والا مرہم موجود ہے۔ میرا مطلب ہے اگر جسم کا کوئی حصہ جل جائے تو وہ مرہم اس پر لگایا جا سکتا ہے۔''

''نہیں...... مجھے میرا ماضی یاد نہیں آیا۔ اس تکلیف کو قائم رہنے دو۔ کیونکہ ابھی تو مجھے دوبارہ بھی یہ عمل کرنا ہے۔''

رافیہ خاموش ہو گئی۔ بوڑھا سو چکا تھا۔ لکشمن نے رافیہ کو دیکھا اور بولا۔ ''ویسے تم نے میری بہت مدد کی ہے رافیہ۔ میں اسے یاد رکھوں گا۔''

رافیہ عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھ کے رہ گئی پھر بولی۔ ''تمہارا پورا نام کیا ہے؟''

''لکشمن۔''

''اور تمہارے ڈیڈی کا کیا نام ہے؟''

لکشمن عجیب سی نگاہوں سے رافیہ کو دیکھنے لگا تو رافیہ کو خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''معافی چاہتی ہوں۔ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔''

''نہیں، اس میں معافی مانگنے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ روا روی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ کاش میں تمہیں اپنے باپ کا نام بتا سکتا۔''

دوسرا اور تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ رافیہ اُس کی بہترین دوست بن چکی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان تین دنوں میں اُسے کچھ یاد نہیں آیا تھا اور وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ چوتھے اور پانچویں دن بھی یہ عمل کیا اور اس کے بعد وہ کسی قدر بددل ہونے لگا۔ اُس نے اپنے ہاتھ پر مرہم نہیں لگایا تھا۔ بوڑھے علی کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آتے تھے۔ اُس نے کہا۔

''میں پورے وثوق سے یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ یہ عمل تمہاری یادداشت کو واپس ہی کر دے گا۔ اب ایسا کرو تھوڑے دن رُک جاؤ۔ ہاتھ کا یہ زخم بہتر ہو جائے تو دوبارہ یہ کوشش

کرنا۔"

"میں ہاتھ کے اس زخم کو بہتر نہیں ہونے دوں گا معزز بزرگ۔ کم از کم یہ مجھے یاد دلاتا رہے گا کہ میں اپنی یادداشت کو تلاش کر رہا ہوں۔"

اس رات بھی لکشمن نے وہی کیا اور اُس کے ہاتھ سے باقاعدہ گوشت جلنے کی سرانڈ اُٹھنے لگی۔ لیکن اُس کا ذہن اس طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

اچانک ہی اُس کے ذہن میں ایک روشنی کا جھماکا ہوا اور اُسے یوں لگا جیسے زوردار بادل گرج رہے ہوں...... پھر ایک دم سے اُس کے دماغ کے خانے روشن ہوتے چلے گئے۔ بالکل یہ لگ رہا تھا جیسے تاریکی سے اُجالے میں آگیا ہو یا کسی نے بٹن دبا دبا کر بلب روشن کرنا شروع کر دیئے ہوں......!

✡......✡
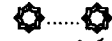
رات گزر گئی۔ دوسری صبح آ گئی۔ لیکن لکشمن عجیب وغریب کیفیتوں سے گزر رہا تھا۔ وہ کسی کو اپنا رازدار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اُسے اُس کی قوتیں واپس مل گئی تھیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیسے ہوا لیکن بہرحال اُس کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ آج رافیہ بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ جاگی تو وقت کا اندازہ لگا کر دوڑتی ہوئی لکشمن کے پاس آ گئی اور پھر معذرت آمیز انداز میں بولی۔

"رات کو نجانے کیا ہوا۔ ایسی گہری نیند سوئی کہ دنیا ہی کو بھول گئی۔ کھانے میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں کھائی تھی جو غشی طاری کر دیتی۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔ ابھی ناشتہ بنا کر لاتی ہوں تمہارے لئے۔"

لکشمن مسکرا دیا۔ پھر اُس نے کہا۔ "تم تو اس طرح مجھ سے معذرت کر رہی ہو جیسے میں اس گھر کا مالک ہوں اور تم ملازم۔ یہ تو تمہاری مہربانی ہے کہ تم اور محترم بزرگ یعنی تمہارے والد مجھ جوان آدمی کو پال رہے ہیں۔ حالانکہ یہ فرض تو میرا بنتا ہے کہ میں تم لوگوں کی کوئی خدمت کروں۔"

"ارے نہیں، کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"سچ کہہ رہا ہوں۔"

"بالکل سچ نہیں کہہ رہے۔" رافیہ نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی تو لکشمن کو احساس ہوا جیسے ان آنکھوں میں محبت تیر رہی ہو۔ ایک عجیب سا احساس اُس کے دل میں پیدا ہو گیا

تھا۔ ویسے بھی اُس نے جب سے رافیہ کو دیکھا تھا اُسے اپنے دل میں ایک خالی خالی پن کا احساس ہوتا تھا۔ ایک عجیب سی ہوک اُس کے دل میں اُٹھنے لگی تھی۔ حالانکہ گیتا نے بھی اُس کے ساتھ محبت بھرا سلوک کیا تھا۔ رافیہ نے فوراً خود کو سنبھالا اور بولی۔

"میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ منہ ہاتھ دھو لو۔"

اسی وقت اُس کی نگاہ لکشمن کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ دو قدم آگے بڑھی اور اُس نے پیار بھرے انداز میں لکشمن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اسے دیکھا تو اس کے منہ سے سسکی سی نکل گئی۔

"یہ تو بہت جل گیا ہے۔"

"ہاں۔"

"تکلیف نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"کیا کروں؟"

"کوئی مجبوری ہے؟"

"اپنے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" لکشمن نے جواب دیا اور رافیہ عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ایک بات کہوں لکشمن!"

"کہو۔"

"کیا رکھا ہے ماضی میں؟"

"ماضی میں ہی تو سب کچھ ہوتا ہے رافیہ!"

"مطلب؟"

"اپنے آپ کو جاننے کی خواہش۔ کون ہے جو اپنے آپ سے واقف ہونا نہیں چاہتا۔"

"کبھی کبھی اپنے آپ کو بھول جاتے میں بھی زندگی چھپی ہوتی ہے۔" رافیہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"مطلب؟"

"پھر کبھی سمجھاؤں گی۔ تمہیں بھوکا نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ مسکرا کر بولی اور لہرا کر وہاں سے

آگے بڑھ گئی۔ پھر چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رُکی اور بولی۔

''لیکن آج سے تم یہ سب نہیں کرو گے سمجھے؟ پہلی بار تمہیں حکم دے رہی ہوں اور تمہیں میرا یہ حکم ماننا پڑے گا۔''

''مان لیا۔'' لکشمن مسکرا کر بولا اور وہ بھی مسکراتی ہوئی اس طرف چلی گئی جہاں کھانے پینے کی اشیاء انبار کر دی گئی تھیں۔ لکشمن دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔ اب اس عمل کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا وہ ہو گیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی تنہا گوشے میں جا کر بیٹھ جائے اور اپنے ماضی کے ایک ایک ورق کو اُلٹ کر ایک بار پھر اپنے آپ سے بھرپور واقفیت حاصل کرے۔ بہر حال شاید اُس نے یہ سمجھداری سے کام لیا تھا کہ رافیہ یا بزرگ علی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا کہ اُس کی یادداشت واپس آ گئی ہے۔ بیوقوف نہیں تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اب ان دونوں کی شخصیتیں انتہائی پُراسرار ہیں۔ لیکن اب ان کے ذہن کے دروازے کھول لینا اُس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اُس نے اپنے طور پر کچھ فیصلے کئے تھے۔ رافیہ کے ساتھ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا لکشمن کے اندر ایک عجیب سی تبدیلی رونما ہونے لگی تھی۔ یہ بات تو اُسے کسی حد تک معلوم تھی کہ رافیہ مسلمان ہے اور اس کا تعلق پاکستان سے ہے لیکن اس سے آگے کی کہانی اس کے علم میں نہیں تھی اور بہر حال وہ مناسب وقت میں اس کہانی سے روشناس ہونا چاہتا تھا۔

آخر کار ایک ایسا وقت آ گیا جب اُسے رافیہ کے دماغ کو پڑھنے کا موقع ملا۔ لیکن اس وقت اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے رافیہ کے دماغ میں ایک ہی کہانی منجمد پائی۔ یہ اُس کی زندگی کا بڑا انوکھا تجربہ تھا۔ بابا گیانیشور اُسے اپنے اثاثے دے گیا تھا۔ لیکن اثاثوں میں بس بابا گیانیشور کی دین ہی شامل تھی۔ چالاک لکشمن اپنا کام بے شک چلا لیا کرتا تھا لیکن خود ایسا کوئی عمل نہیں کر پاتا تھا جو اس علم میں اضافے کا باعث ہوتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ انتہائی بھیانک حالات میں گھر گیا تھا۔ اگر رافیہ اُس کی مدد نہ کرتی تو جنرل جے پال نجانے اُسے کیسے کیسے ہنگاموں میں پھنسا دیتا۔ بہر حال اس رات جب اُس نے رافیہ کے ذہن کو ٹٹولا تو بالکل اجنبی کرداروں کی ایک اجنبی کہانی اُس کے ذہن میں آئی۔ اُس نے رافیہ سے سوال کیا۔

''کیا تم پاکستانی جاسوس ہو؟''

''نہیں۔ ہمارا تعلق سرے سے پاکستان سے ہے ہی نہیں۔''

اس جواب پر لکشمن بری طرح چونک پڑا تھا۔

''تو پھر؟''

''ہم لوگ نسلاً ایرانی ہیں۔ عجیب و غریب حالات کا شکار کچھ اس طرح ہوئے کہ ہمیں ایران سے پاکستان منتقل ہونا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ میں مکمل طور سے ایک پاکستانی لڑکی معلوم ہوتی ہوں۔ میری زبان، میرا لہجہ سب پاکستانی ہے۔ ہم تو عجیب و غریب مصیبتوں کا شکار ہوئے ہیں اور اس کی وجہ میرا بھائی نادر علی ہے۔ نادر علی بچپن ہی سے بری صحبتوں کا شکار ہو گیا تھا۔ ایران میں اُس نے نجانے کیسے کیسے خوفناک چکر چلا رکھے تھے۔ اس کی فائل بہت بڑی تھی۔ اس پر تین آدمیوں کے قتل کے علاوہ اور بھی بہت سے سنگین الزامات تھے۔ وہ برائیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور میں اور میرے والد علی ابراہیمی اس کی وجہ سے دربدر ہوتے پھر رہے تھے۔

نادر علی کے مجرم بن جانے کی بھی ایک الگ کہانی تھی۔ بہر حال جو اصل کہانی تھی اس کا آغاز ایک تنگ و تاریک جیل کی کوٹھڑی سے ہوتا تھا جس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس سے فرار کی کوشش ہمیشہ موت ہوتی ہے اور بہت سے قیدی اس کوشش میں مارے گئے ہیں۔ نادر علی کو جب یہ وارننگ دی گئی تو وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا اور یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اُس کے ذہن میں کیا ہے۔ بہر حال دو قتل اُس نے تین سال پہلے کئے تھے۔ اس جرم میں اُسے عدالت سے عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی اور اُسے جیل بھیج دیا گیا تھا۔ وہاں چھ مہینے کے بعد ہی فرار کی کوشش میں اُس نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ دو روز تک وہ شہر میں چھپا رہا لیکن تیسرے روز رات کے وقت وہ ایک ٹرک کے ذریعے شہر سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ پھر ایک بار پھر مقدمہ چلا اور اُسے لمبی سزا سنا کر پھر جیل بھیج دیا گیا۔ مگر یوں قید ہو کر بیٹھے رہنا اُس کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ ایک بار پھر وہ جیل سے بھاگ نکلا۔ اس بار فرار ہوتے ہوئے اُس نے ایک محافظ کی ٹانگ توڑ دی تھی اور کافی عرصے تک وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگا۔ ایک عجیب سے انداز کی روپوشی اختیار کی تھی اُس نے۔ یہاں تک کہ اُس کے تلاش کی فائل بند کر دی گئی۔ لیکن ایک بار پھر وہ ایک سنگین جرم میں ایک چھوٹے سے قصبے سے پکڑا گیا اور اس کے تمام پرانے گناہ سامنے آ گئے اور اُسے بے حد خطرناک قیدی قرار دیتے ہوئے سنٹرل جیل بھیج دیا گیا جہاں اُسے مجموعی طور پر کوئی باسٹھ سال کی سزا سنائی گئی۔ اگر وہ مر کر دوبارہ جنم بھی لے لیتا تو اس جنم کی زندگی کے آخری لمحوں

تک بھی اُسے جیل سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ بہرحال میرا بھائی اس کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا جس کی لمبائی دس فٹ اور چوڑائی آٹھ فٹ کے قریب تھی۔ لیکن چھت خاصی اُونچی تھی۔"

لکشمن کو حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کے ذہن میں وہ تمام نقشے کیسے محفوظ ہیں جن کا تعلق اس سے نہیں، اس کے بھائی سے ہے۔ بہرحال وہ رافیہ کی کہانی سننے لگا۔ اس کو رافیہ کے پورے وجود سے محبت تھی اور ایک انوکھی اور دلچسپ کہانی منظر عام پر آئی تھی۔ لکشمن رافیہ کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا اور اس کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتا تھا۔ رافیہ نے کہا۔

''جس کوٹھڑی میں میرا بھائی قید تھا اس کی دیوار پر تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا ایک فٹ چوڑا روشن دان بنا ہوا تھا۔ روشن دان تک پہنچنا اگرچہ ممکن نہیں تھا لیکن سکیورٹی کے نقطہ نظر سے اس میں بھی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ مضبوط آہنی سلاخوں والے دروازے کے سامنے نیم تاریک سی راہداری تھی جس میں ہر وقت مدھم روشنی کا بلب جلتا رہتا تھا۔ کوٹھڑی کے اندر مخصوص ناگواری سی بو پھیلی ہوئی تھی جس کا احساس باہر سے آنے والے کو ہی ہوتا تھا۔

کوٹھڑی میں موجود مضطرب اور بے چین نادر علی نے دھاری دار کپڑے کا قیدیوں والا مخصوص لباس پہن رکھا تھا جو کثرتِ استعمال سے بدرنگ ہو چکا تھا۔ اُس کے بال اُلجھے ہوئے اور شیو بڑھا ہوا تھا۔ قد لمبا، جسم مضبوط اور عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی۔ کشادہ پیشانی اور آنکھوں کی چمک ظاہر کرتی تھی کہ وہ ذہین، چالاک اور تعلیم یافتہ ہے۔

اچانک راہداری میں قدموں کی گونج سنائی دینے لگی۔ قیدی ٹہلتے ٹہلتے رُک گیا اور دروازے کے ساتھ کھڑے ہو کر متوقع نظروں سے آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ اُس نے قدموں کی آواز سے اندازہ لگا لیا کہ آنے والے ایک سے زیادہ تھے۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ چند لمحوں میں جیل کا سپرنٹنڈنٹ دو مسلح محافظوں کے ساتھ راہداری میں نمودار ہوا اور اُس کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ اُس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چابیوں کے گچھے میں سے ایک چابی منتخب کی، اسے تالے کے سوراخ میں لگا کر گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔ قیدی بھنویں سکیڑ کر آنے والوں کو گھور رہا تھا۔

''مسٹر نادر علی!'' سپرنٹنڈنٹ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے متانت سے کہا۔ ''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی گئی؟''

نادر علی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سپرنٹنڈنٹ نے پہلی بار اُس کا نام لے کر مخاطب کیا تھا اور نام ہی نہیں بلکہ مسٹر بھی کہا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے اُسے قیدی نمبر تین

سترہ ہی کہا جاتا تھا اور وہ اس نمبر سے خاصا مانوس بھی ہو گیا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے جو سوال کیا وہ بھی خاصا معنی خیز تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ!'' نادر علی نے حیرت سے کہا۔ ''تم نے جو عجیب سا سوال کیا ہے یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے...... جیسے کسی شخص کو دو چار روز بھوکا رکھ کر پوچھا جائے کہ تمہیں بھوک تو نہیں لگ رہی ہے۔''

''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ جہاں تک اس کوٹھڑی اور جیل کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی خلاف قانون سختی تو نہیں کی گئی؟'' سپرنٹنڈنٹ نے اُس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

نادر علی نے کندھے اچکا دیئے اور پھر بولا۔ ''میرے خیال میں تو میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ سب خلاف قانون ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس تنگ اور غلیظ کوٹھڑی میں کوئی شخص خوش رہ سکتا ہے؟''

''اس معاملے میں میرے اختیارات محدود ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ ''تمہارے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ تم ایک خطرناک مجرم ہو اس لئے تمہیں کوٹھڑی میں بند رکھا جائے۔ تم خود سوچو، تم پر کم سے کم تین افراد کے قتل اور متعدد بار جیل توڑنے کا الزام ہے۔ اور آخری بار جب تم ایران جانے والی شاہراہ پر پکڑے گئے تھے تو تمہارے قبضے سے نصف ٹن سونا اور کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات برآمد ہوئے تھے۔ جیل کی تاریخ میں اتنی بھاری مقدار میں سونا اور ہیرے جواہرات اسمگل کرنے کا کیس کبھی ریکارڈ نہیں کیا گیا۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ تم نے سونا اور ہیرے جواہرات کہاں سے حاصل کئے تھے؟''

''عزت افزائی کا شکریہ۔'' نادر علی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے سپرنٹنڈنٹ! تمہیں میرے بارے میں بہت کم بتایا گیا ہے۔ میرا پورا نام نادر علی ہے اور میں ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔''

سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر کوئی تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی۔ اگر وہ نادر علی کے اس انکشاف سے مرعوب ہوا تھا تو اُس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے تاثرات کو چھپا لیا تھا۔

''اس فصیل کے اندر قدم رکھنے والا ہر شخص محض قیدی رہ جاتا ہے۔ بہرحال تم محافظوں کے ساتھ چلے جاؤ اور نہا دھو کر دوسرا لباس پہن لو۔ کچھ لوگ تم سے ملنے کے لئے آ رہے

ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

قیدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تاہم وہ خاموشی سے محافظوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ سپرنٹنڈنٹ کچھ دیر تک اپنی جگہ کھڑا نادر علی کی باتوں پر غور کرتا رہا، پھر واپس مڑا اور اپنے دفتر پہنچ گیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اُس کے دفتر کا دروازہ کھلا اور ایک محافظ دو وجیہہ اور بارُعب آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اُٹھ کر آنے والوں کا استقبال کیا۔

''میں آغا فضل ہوں۔'' اُس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''اس جیل کا سپرنٹنڈنٹ۔ تشریف رکھیے۔ میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔''

دونوں ملاقاتیوں نے سپرنٹنڈنٹ سے ہاتھ ملایا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک دراز قامت، قوی الجثہ اور تند چہرے کا مالک تھا۔ اس کی اوپر کو اٹھی ہوئی بھوری مونچھیں اور چوڑا چکلا سینہ اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ وہ ایک نڈر، بے باک اور خطرات میں کود پڑنے والا انسان ہے۔ اُس نے شاہ نواز کے نام سے اپنا تعارف کرایا۔ جبکہ دوسرے نے اپنا نام جمیل طالش بتایا تھا۔ وہ قدرے مختلف شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے زیادہ تر دفتروں میں کام کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کے چہرے پر شاہ نواز کی سی تندی نہیں تھی۔ اُس کی پیشانی کشادہ، بال رُوئی کی طرح سفید اور مونچھیں چھوٹی تھیں۔ وہ انتہائی پراسرار شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔

تعارف ہو جانے کے بعد جمیل طالش نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ٹائپ شدہ کاغذ نکال کر سپرنٹنڈنٹ آغا فضل کی طرف بڑھایا۔ اس کاغذ کی پیشانی پر اُبھرے ہوئے سبز حروف میں حکومت کے چیف سیکرٹری کے دفتر کا نام چھپا ہوا تھا اور ایک طرف حکومت کا مخصوص مونوگرام بھی موجود تھا۔ ٹائپ شدہ کاغذ کے اختتام پر چیف سیکرٹری کی مُہر اور دستخط بھی موجود تھے۔

سپرنٹنڈنٹ نے خط پڑھنے کے بعد میز کی مقفل دراز میں سے نیلے رنگ کی ایک فائل نکالی۔ اس فائل میں بھی اسی قسم کا ایک ٹائپ شدہ خط تھا۔ اس پر بھی چیف سیکرٹری کے دستخط اور مُہر ثبت تھی۔ یہ خط جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو آج سہ پہر ارجنٹ ڈاک سے ملا تھا اور حکومت کے ایک پروجیکٹ کا حوالہ دیتے ہوئے اُسے ہدایات کی گئی تھی کہ شاہ نواز اور جمیل طالش سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے۔ خط میں ان دونوں کو مرکزی حکومت کے اعلٰی عہدیدار بتایا گیا تھا۔

دونوں خطوط کا موازنہ کرنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ آغا فضل نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ جمیل طالش کا دیا ہوا خط بھی اُس نے فائل میں لگا دیا اور فائل میز کی دراز میں رکھ کر اُسے مقفل کرنے کے بعد ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔

''آغا صاحب!'' شاہنواز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کو مخاطب کیا۔ ''ساڑھے سات بج چکے ہیں۔ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ رات کے وقت ہائی وے پر سفر کرنا مخدوش ہو جاتا ہے۔ اب مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے ملاقات کے لئے یہی جگہ مناسب رہے گی۔ نادر علی کو یہیں لے آؤ۔''

''بہت بہتر جناب۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور اُٹھ کر دفتر سے نکل گیا۔

''یہ نادر علی......'' سپرنٹنڈنٹ کے جانے کے بعد جمیل طالش نے شاہنواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بہت خطرناک اور تیز طرار مجرم ہے اور نہایت ذہین بھی۔ ایران میں یہ شخص مجرموں کے ایک منظم گروہ کا سربراہ ہے۔ کچھ عرصہ اس کے گروہ نے شاہ کے خلاف انقلاب کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی انقلابی پارٹی کے لئے بھی کام کیا ہے۔ اس انقلاب کے بعد ایران کا دولت مند طبقہ برسر اقتدار آنے والے مذہبی رہنماؤں سے خوفزدہ تھا۔ یہ لوگ اپنی جان کے خوف سے ملک سے فرار ہو رہے تھے۔ پاسدارانِ انقلاب ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے۔ برسر اقتدار آنے والے مذہبی رہنماؤں کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے دولت ناجائز ذرائع سے جمع کی تھی۔ اس دولت پر عوام کا حق تھا جسے چند لوگوں نے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ شاہ کے فرار کے بعد مذہبی رہنما اور انقلاب کے بانی امام خمینی نے ایران کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا تھا کہ انقلاب کی مخالفت کرنے والے ایسے لوگوں کو نہیں بخشا جائے گا جنہوں نے غریب عوام کا خون چوس چوس کر اپنے گھروں میں دولت کے انبار لگا رکھے تھے۔ اور اب ایسے لوگ چوری چوری فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو نہ صرف دولت ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی بلکہ انہیں بھی گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ یہ لوگ انقلابی رہنماؤں کے احتساب سے بچنے اور ملک سے فرار ہونے کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے۔

منتشر پاسداران انقلاب کو منظم کر کے ان کی تنظیم کو کمیٹی کا نام دے دیا گیا تھا۔ کمیٹی کا

ہر ممبر ایسے لوگوں کی تلاش میں تھا۔ وہ ہر اُس شخص کو گرفتار کر لیتے جس پر دولت مند ہونے کا شبہ ہوتا۔ دولت مندوں کے دلوں پر پاسداران کا خوف طاری ہو چکا تھا۔ ان پاسداران کی باقاعدہ کوئی یونیفارم نہیں تھی، ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ کہیں اس کا تعلق کمیٹی سے نہ ہو۔

نادر علی نے اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اُس کے آدمی ایسے دولت مندوں کو تلاش کرتے جو ایران سے فرار ہونا چاہتے تھے۔ وہ ان سے بھاری معاوضے کے عوض یہ طے کر لیتے کہ اگر وہ اپنی دولت بھی ساتھ لے جانا چاہیں تو انہیں بحفاظت ایران کی سرحدوں سے نکال کر کسی یورپی ملک یا کسی بھی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔ یہ خوفزدہ لوگ فوراً ہی آمادہ ہو جاتے اور اپنی دولت سمیٹ کر فرار کے منصوبے بنانے لگتے۔ لیکن نادر علی یا اس کے آدمی ایسے لوگوں کو سرحد پار کرانے کی بجائے ان کی دولت سمیت انہیں پاسداران کے حوالے کر دیتے تو انہیں احساس ہوتا کہ وہ زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئے ہیں۔

اس دوران نادر علی نے ایک ایسا منصوبہ بنایا جسے سن کر بے اختیار اس شخص کی جرأت اور ذہانت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس نے تہران میں واقع پاسداران کے ایک گودام سے نصف ٹن سونا اور کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات چوری کئے اور یہ مال راتوں رات سینکڑوں میل دُور پہنچا دیا۔ یہ ہیرے جواہرات اور نصف ٹن سونا تین دن تک شہر سے باہر ایک کھنڈر میں پڑا رہا۔ اس دوران ملک بھر کی پولیس اور پاسداران نادر علی کو تلاش کرتے رہے لیکن وہ اس طرح غائب ہو چکا تھا جیسے ایران میں کبھی اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ اس کے ایک ہفتے کے بعد نادر علی یہ خزانہ لے کر بڑے اطمینان سے رفسنجان، کرمان، زاہدان ہوتا ہوا امیر جاوہ سے چند میل دُور پہاڑیوں سے سرحد عبور کر کے پاکستان میں داخل ہو گیا۔''

''کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات اور نصف ٹن سونا؟'' شاہنواز نے حیرت سے کہا۔ ''پاسدارانِ انقلاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بپھرے ہوئے شیر ہیں۔ اور شیر کے منہ سے نوالہ چھیننا معمولی بات نہیں۔ اتنے بڑے کام کے لئے یقیناً شیر کا جگر چاہئے۔''

''نادر علی اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اس خزانے کو لے کر نہ صرف ایران

کی سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ ہمارے کسٹمز کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ یہ خزانہ لے کر نوشکی پہنچ گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ ایک دو روز نوشکی میں رُکنے کے بعد وہاں سے چلا جائے گا۔ لیکن اُس کے ایک ساتھی نے اینٹی اسمگلنگ ہیڈ کوارٹر کو اطلاع کر دی۔ اس مخبری پر ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت نوشکی کے اس مکان پر جہاں نادر علی قیام پذیر تھا، چھاپہ مار کر اُسے اس خزانے سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

جب وہ جیل سے رہا ہوا تو وہ ایک مختلف شخصیت کا مالک تھا۔ وہ جیل سے بہت کچھ سیکھ کر نکلا تھا۔ اُس نے اپنا ایک گروہ بنا لیا اور وہ ایک خطرناک مجرم بن گیا۔ کئی سال تک پولیس سے اُس کی آنکھ مچولی ہوتی رہی۔

اور پھر جب ایران میں شاہ کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو ہوا کا رُخ دیکھتے ہوئے نادر علی بھی انقلابیوں میں شامل ہو گیا۔ وہ ایک ذہین نوجوان تھا۔ اُس میں صورتحال کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت موجود تھی۔

شاہ کے فرار کے بعد ملک میں عجیب سی افراتفری کی سی کیفیت تھی۔ پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا۔ ذرا سے شبہے میں لوگوں کو گولیوں سے اُڑا دیا جاتا۔ بیسیوں افراد کو روزانہ شاہ کا حامی ہونے کے شبہے میں موت کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا۔ نادر علی نے اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ پہلے انقلابیوں کے لئے کام کرتا تھا، پھر پاسدارانِ انقلاب کے گودام سے وہ خزانہ اُڑا لایا۔

اس سلسلے میں پاکستان میں آمد و رفت کے دوران اس نے جعلی کاغذات کے ذریعے یہاں کی شہریت حاصل کر لی تھی۔ اس نے بعض مقامی جرائم پیشہ افراد کی مدد سے پاکستان میں بھی وارداتیں شروع کر دیں۔ ڈکیتی کی ایک واردات کے دوران دو آدمی اس کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن پکڑا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا اور اسے عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ جیل سے بھاگ نکلا۔ فرار کی کوشش میں اس نے جیل کے ایک محافظ کو بھی مار ڈالا تھا۔ وہ دو روز تک شہر میں چھپا رہا۔ لیکن تیسرے روز رات کے وقت بھیس بدل کر ایک مال بردار ٹرک کے ذریعے شہر سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ اُس پر ایک بار پھر مقدمہ چلا اور اس مرتبہ بھی اسے لمبی سزا سنا کر جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن جیل کی چار دیواری میں محصور رہنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر جیل سے بھاگ نکلا۔ اس مرتبہ فرار ہوتے ہوئے اس نے ایک محافظ کی

ٹانگ بھی توڑ دی تھی۔ اس کے جیل سے فرار ہونے کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ لیکن پولیس اس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکی۔ وہ تین سال تک لاپتہ رہا اور بالآخر چند ہفتے پہلے نوشکی سے نصف ٹن سونے اور کروڑوں روپے مالیت کے زر و جواہرات سمیت پکڑا گیا اور اسے نہایت خطرناک قیدی قرار دیتے ہوئے سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔''

اسی لمحے دفتر کا دروازہ کھلا اور سپرنٹنڈنٹ، نادر علی کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ نادر علی نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

شاہنواز اور جمیل طالش گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ جیل کے شب و روز نادر علی پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک تنومند نوجوان تھا۔ تازہ بنا ہوا شیو، سلیقے سے بنے ہوئے بال اور صاف ستھرے لباس میں وہ خاصی متاثر کن شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ اُسے اُن کے سامنے پیش کرنے کے لئے پوری طرح تیار کر کے لایا تھا۔

''آفیسر!'' بالآخر شاہنواز نے سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بارُعب لہجے میں کہا۔ ''کیا ہم چند منٹ تنہائی میں اس نوجوان سے بات کر سکتے ہیں؟''

''یس سر۔'' سپرنٹنڈنٹ نے جواب دیا۔ اُسے چیف سیکرٹری کی طرف سے ملنے والے خط میں ان دونوں سے مکمل تعاون کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے وہ اس ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جاتے ہوئے بولا۔

''سر! آپ فارغ ہو جائیں تو کال بیل کا بٹن دبا دیجئے گا۔''

''نوجوان!'' جمیل طالش نے نادر علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمہیں آخری مرتبہ سونے اور جواہرات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اینٹی اسمگلنگ اسکواڈ نے تمہارے قبضے سے نصف ٹن سونا اور کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات برآمد کئے تھے، اس کے علاوہ بھی تمہارے اوپر چند نہایت سنگین الزامات ہیں اور تمہیں مجموعی طور پر اڑسٹھ سال کی سزا سنائی گئی ہے۔ میرے خیال میں یہ خاصی طویل مدت ہے۔ اگر تم دوسرا جنم بھی لے لو تو اس جیل کی فصیل سے باہر نہیں نکل سکو گے۔''

''سنا تو یہی ہے کہ آج تک کوئی قیدی اس جیل سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جیل کی اُونچی اور سنگلاخ دیواریں کب تک میرا راستہ روک سکتی ہیں۔'' نادر علی نے قدرے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہم تمہارے پاس ایک تجویز...... ایک پیشکش لے کر آئے ہیں۔'' جمیل طالش نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ نے ابھی تک تعارف نہیں کرایا۔'' نادر علی نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

''میرا نام جمیل طالش ہے اور میں اس وقت حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ......'' نادر علی نے حیرانی سے کہا۔ ''ایک معمولی قیدی اتنا اہم کب سے ہو گیا کہ حکومت اس میں دلچسپی لینے لگی؟''

جمیل طالش اس طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرنے کی حامی بھر لو تو نہ صرف تمہارے خلاف عائد شدہ الزامات واپس لے لئے جائیں گے بلکہ ایک خطیر رقم بھی دی جائے گی۔''

''مثلاً کتنی رقم؟'' نادر علی نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''کم از کم دس لاکھ روپے۔''

''اور تعاون کی نوعیت کیا ہو گی؟''

''اگر تم تعاون پر آمادہ ہو تو تفصیلی گفتگو کل ہو گی۔'' جمیل طالش نے کہا۔

''آزادی اور دولت ایسی چیز ہے جسے کوئی شخص ٹھکرانے کی حماقت نہیں کر سکتا۔'' نادر علی نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے باوجود میں پوری تفصیل سننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ کیونکہ بعض چیزیں آزادی سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔''

جمیل طالش کھڑا ہو گیا اور نادر علی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''او کے ینگ مین! اب کل ملاقات ہو گی۔ کل جمعہ ہے۔ لیکن تمہیں لینے کے لئے گاڑی پہنچ جائے گی۔''

اُس نے میز پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ صرف ایک منٹ بعد سپرنٹنڈنٹ آغا فضل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور جمیل طالش اُسے نادر علی کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

✿......✿

فضا شدید سردی کی لپیٹ میں تھی۔ دو دن پہلے برف باری ہوئی تھی۔ زمین پر اگرچہ برف پگھل چکی تھی لیکن بعض مکانوں کی چھتوں پر ابھی تک برف کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ شہر کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ موسم کے تیور بتا رہے تھے کہ ایک آدھ روز میں مزید برف باری ہو گی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے سردی کی شدت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ اس قیامت خیز سردی کے باوجود لوگوں کے معمولاتِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

سیاہ رنگ کی ایک ٹویوٹا کار رینگتی ہوئی سی چل رہی تھی۔ سڑک بھیگی ہوئی ہونے کی وجہ سے تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف چنار کے اونچے درختوں کی قطاریں ایستادہ تھیں۔ اوپر سے درختوں کی چوٹیاں اس طرح ملی ہوئی تھیں کہ دھوپ سڑک تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

گاڑی ایک کشادہ گلی میں مُڑ گئی۔ اس گلی کے دونوں طرف وسیع و عریض بنگلے تھے۔ سیاہ ٹویوٹا ایک بنگلے کے سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ کار کا دروازہ کھلا اور تین افراد نیچے اُتر آئے۔ ان میں دو سادہ لباس پولیس والے تھے جن کے داہنے ہاتھ اپنے اپنے کوٹوں کی جیب میں تھے۔ ان دونوں پولیس والوں کا تعلق سنٹرل جیل سے تھا۔ کار سے اترنے والا تیسرا آدمی نادر علی تھا۔ اُس نے لمبا اوورکوٹ اور سر پر اُونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ دونوں پولیس والوں کے درمیان چلتا ہوا بنگلے کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ گارڈ کیبن میں کھڑا ہوا ایک آدمی سامنے آ گیا۔ اُس نے بھی سیاہ رنگ کا اوورکوٹ اور اُونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اُس نے پولیس والوں سے کوئی بات کی اور پھر ان اندر جانے والوں کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ گیٹ کے اندر پختہ راستے کے دونوں طرف وسیع لان تھے۔ پودے پتوں سے محروم تھے۔ گھاس پر کہیں کہیں برف جمی ہوئی تھی۔ عمارت کے برآمدے میں بھی ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے نادر علی کے ساتھ آنے والے سادہ لباس پولیس والوں سے کچھ بات کی اور پھر اُن کے اندر

جانے کے لئے دروازہ کھول دیا۔

دوسری منزل پر ایک کشادہ کمرے میں شاہنواز اور جمیل طالش، نادر علی کے منتظر تھے۔ ان کے سامنے کافی کے کپ رکھے ہوئے تھے جن سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ میز پر ایک فائل بھی رکھی ہوئی تھی۔ آتش دان کے سامنے اینٹوں کے ایک چھوٹے سے چبوترے پر الیکٹرک ہیٹر رکھا ہوا تھا جس سے کمرے کی فضا میں ایک خوشگوار سی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ نادر علی کے ساتھ آنے والے سادہ لباس پولیس والوں میں سے ایک نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر جمیل طالش کی طرف بڑھا دیا۔ جمیل طالش نے کاغذ پڑھا، یہ قیدی کی سپرداری کی رسید تھی۔ جمیل طالش نے دستخط کر کے کاغذ پولیس والے کو لوٹا دیا اور وہ دونوں واپس چلے گئے۔

''ہیلو ینگ مین!'' شاہنواز، نادر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر نہایت خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ ''آؤ بیٹھو۔''

نادر کرسی پر بیٹھ گیا، پھر بولا۔ ''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اپنے مکمل نام سے پکارا جانا پسند کروں گا۔ میرا نام نادر علی ہے۔''

''اوکے مسٹر نادر علی! تمہاری یہاں آمد کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ہماری پیشکش قبول کر لی ہے۔'' جمیل طالش مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں، اصولی طور پر۔'' نادر نے کہا۔ ''لیکن آخری فیصلہ پوری بات سننے کے بعد ہی کروں گا۔''

''بہت خوب۔'' شاہنواز نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم تم پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''یقیناً جناب۔'' نادر نے کہا۔ ''اگرچہ میری عمومی شہرت اچھی نہیں ہے لیکن میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی اور نہ کبھی اصولوں کے خلاف سمجھوتا کیا ہے۔ اگر میں نے آپ کا کام کرنے کی ہامی بھر لی تو زندگی کے آخری سانس تک اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر میں نے انکار کر دیا تو پوری دنیا کی دولت بھی مجھے ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ میں تیسرے درجے کا دھوکے باز انسان نہیں ہوں، شیر کی طرح شکار کر کے کھاتا ہوں۔''

اس دوران جمیل طالش نے الیکٹرک ہیٹر پر رکھی ہوئی شیشے کی خوبصورت الیکٹرک کیتلی

سے ایک کپ میں کافی انڈیلی اور کپ نادر کے سامنے رکھ کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے تک نادر علی کو کافی کی چسکیاں لیتے دیکھتا رہا تھا، پھر بولا۔

''مسٹر نادر! میں مختصر بات کروں گا۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ایران میں انقلاب سے پہلے شاہ سے پاکستان کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس وقت شاہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور خود دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔ ہم شاہ کی مدد کرنا چاہتے ہیں، لیکن کھل کر سامنے نہیں آ سکتے۔ یہاں شاہ کی حمایت میں کوئی بات کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ لیکن ہم اس موقع پر شاہ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا موجودہ حکومت شاہ کی واپسی کے لئے کسی جوابی انقلاب میں اُس کی مدد کرنا چاہتی ہے؟'' نادر علی نے پوچھا۔

''نہیں۔'' جمیل طالش نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ''ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ کسی ایسی کارروائی میں حصہ لے سکیں۔ ویسے بھی شاہ کی واپسی کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ ایران کے مذہبی رہنما حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کر چکے ہیں۔''

''تو پھر؟'' نادر علی نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ ''آپ شاہ کی مدد کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟''

''تم جانتے ہو سوئٹزرلینڈ اور امریکہ کے بینکوں میں شاہ کی بے حساب دولت جمع تھی لیکن ایران کی انقلابی حکومت نے ان اثاثوں پر حکومت ایران کی ملکیت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ متعلقہ ممالک کی عدالتوں نے وہ اثاثے منجمد کر دیئے ہیں اور اب ان میں سے ایک پائی بھی شاہ کو ملنے کی توقع نہیں ہے۔ لیکن ملک چھوڑنے سے پہلے شاہ نے اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ چھپا دیا تھا۔''

''خوب۔ تو آپ شاہ کا وہ خزانہ چوری کروانا چاہتے ہیں۔'' نادر علی نے کہا۔

''بالکل ٹھیک سمجھے۔'' جمیل طالش نے کہا۔ ''شاہ کا یہ خفیہ خزانہ تہران میں موجود ہے۔''

''انتہائی خطرناک کام ہے۔'' نادر علی نے کہا۔

''اسی لئے ہم نے اس کام کے لئے تم جیسے خطرناک آدمی کا انتخاب کیا ہے جو پاسدارانِ انقلاب کے گودام سے کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات اور نصف ٹن سونا چوری کر سکتا ہے۔ یقیناً شاہ کا یہ خزانہ چرانا بھی تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' جمیل طالش نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

نادر علی چند لمحوں تک سر جھکائے سوچتا رہا، پھر بولا۔ ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ تہران میں یہ خزانہ کس جگہ چھپایا گیا ہے؟''

''خزانہ کا پتہ تو صرف اور صرف مریم جہاں ہی بتا سکتی ہے۔ البتہ ہم تمہیں مریم جہاں کا پتہ بتا دیں گے۔ تمہیں پہلے اُس سے ملنا ہوگا۔'' جمیل طالش نے کہا۔

''آپ نے اس کام کا کتنا معاوضہ بتایا ہے؟'' نادر علی نے کہتے ہوئے باری باری دونوں کے چہروں کی طرف دیکھا۔

''تمہاری آزادی اور دس لاکھ روپے۔ ہو سکتا ہے بعد میں تمہیں مزید انعام بھی دیا جائے۔'' جمیل طالش نے جواب دیا۔

''کیا مجھے تہران میں آپ کے آدمیوں کا بھی تعاون حاصل ہوگا؟'' نادر علی نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''بالکل نہیں۔'' جمیل طالش نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''تہران میں ہمارے اہلکاروں کو پہلے ہی شبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی ہے۔ اور یہ بات میں شروع میں ہی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ مشن تمہیں اپنے طور پر مکمل کرنا ہوگا۔ پکڑے جانے کی صورت میں ہماری حکومت کا نام بھی تمہاری زبان پر نہیں آئے گا۔ ہم تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دیں گے۔ ایک اور بات ذہن میں رکھنا کہ یہ راز صرف تمہارے سینے تک محدود رہنا چاہئے۔ مریم جہاں کا نام بھی کبھی تمہاری زبان پر نہیں آئے گا۔ تمہارے اپنے آدمی تہران میں موجود ہیں۔ تم چاہو تو ان سے کام لے سکتے ہو۔''

''ہاں میرے آدمی بھی ایران میں موجود ہیں۔'' نادر علی نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''لیکن وہ لوگ جب کام کریں گے تو انہیں کچھ دینا بھی پڑے گا۔ اس لئے دس لاکھ روپے اس کام کے لئے کافی نہیں ہیں۔''

جمیل طالش نے شاہنواز کی طرف دیکھا۔ قدرے توقف کے بعد شاہنواز نے نادر علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگرچہ معاوضہ بہت معقول ہے۔ لیکن ہم تمہیں مایوس نہیں کریں گے۔ اس لئے ہم پندرہ لاکھ روپے کر دیتے ہیں۔ لیکن اس سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں ہوگا۔''

''مجھے نصف رقم پیشگی چاہئے۔'' نادر علی نے کہا۔ ''پچاس ہزار ڈالر اور ڈھائی لاکھ مالیت کی ایرانی کرنسی۔''

"ٹھیک ہے، تمہیں یہ کرنسی مل جائے گی۔" جمیل طالش نے کہا۔ "پچاس ہزار ڈالر اور ڈھائی لاکھ روپے مالیت کی ایرانی کرنسی۔ اگر تم ناکام ہو گئے تو اس رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔"

"آپ رقم کی واپسی کا مطالبہ کر بھی نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ناکامی کا مطلب میری موت ہوگا۔" نادر علی نے کہا۔

"تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" شاہنواز نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں اس قسم کے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ ویسے بھی میں وقت اور حالات دیکھ کر کام کرتا ہوں۔" نادر علی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شاہنواز نے کندھے اچکا دیئے۔ "لیکن ہم تمہیں اپنا منصوبہ بتا دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔"

اور پھر وہ تقریباً ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔

نادر علی جب بنگلے سے باہر نکلا تو بالکل مختلف حلیے میں تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس تھا۔ نادر علی دن بھر سڑکوں اور گلیوں میں آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔ وہ یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ کہیں اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا؟ اُسے کوئی شخص اپنے تعاقب میں نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ اسے جل دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جب رات کی تاریکی نے دامن پھیلایا تو وہ سٹلائٹ کے علاقے میں گھوم رہا تھا۔ یہاں وہ پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکا تھا۔ وہ اس علاقے میں رہنے والی ایک طوائف کے مکان کی تلاش میں تھا۔ آخری مرتبہ گرفتار ہونے سے پہلے اُس کے ایک دوست نے اس طوائف کے حسن کی بڑی تعریف کی تھی اور اُس کے مکان کا پتہ بتاتے ہوئے اُسے وہاں جانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن وہ ادھر کا رُخ نہیں کر سکا تھا۔

نادر علی کو اس طوائف کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دُشواری نہیں ہوئی۔ وہ یہاں عیاشی کرنے نہیں آیا تھا۔ مسئلہ صرف رات گزارنے کا تھا۔ گو وہ اپنے کسی عزیز کے ہاں یا ہوٹل میں بھی قیام کر سکتا تھا لیکن اُس نے شروع سے ہی احتیاط سے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دستک کے جواب میں دروازہ اسی طوائف نے کھولا تھا۔ اُس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس برس رہی ہوگی۔ کمر تک جھولتے ہوئے سیاہ بال، سیاہ بادامی آنکھیں اور چہرے کے تیکھے نقوش۔ وہ بے حد حسین تھی۔

"جی؟" لڑکی نے اُس کے اندر آنے کے بعد پوچھا۔ "کتنا وقت گزارو گے؟"

"صرف ایک رات کا سوال ہے۔" نادر علی اُس کے مختصر سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ کمرے میں صرف ایک ہی بستر تھا۔ ایک طرف باتھ روم اور دوسری طرف چھوٹا سا کچن تھا جس میں پتھر کے کوئلے کا اسٹوو جل رہا تھا جس کی وجہ سے کمرے میں کچھ حرارت سی محسوس ہو رہی تھی۔ فرش پر ایک پرانا سا قالین بچھا ہوا تھا جس کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور دھاگے کئی جگہ سے اُدھڑے ہوئے تھے۔

"تمہارے پاس دوسرا بستر نہیں ہے؟" نادر علی نے پوچھا۔

"دوسرا بستر؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "یہاں کبھی کسی نے دوسرے بستر کی بات نہیں کی۔"

"سنو ڈیئر! میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں۔ اپنے کام میں کسی کی شراکت برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہمیشہ الگ بستر پر سونا چاہتا ہوں۔ کیونکہ کئی راتوں سے پکے فرش پر کروٹیں بدلتے ہوئے ہڈیاں بھی دُکھنے لگی ہیں۔" نادر علی نے کہا۔

لڑکی نے برا سا منہ بنایا۔ چند لمحے ناگواری نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی، پھر بولی۔ "تو پھر یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بہتر ہے کسی ہوٹل میں چلے جاؤ۔ دس بیس روپے خرچ کرکے وہاں تمہیں رات بھر کے لئے بستر مل جائے گا۔"

"ایک رات کا کیا نذرانہ لیتی ہو؟" نادر علی نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"اگر آدمی اونچا ہو تو پانچ سو روپے بھی دے جاتا ہے۔ اور اگر کوئی کنگال ہو تو دو تین سو روپے میں قناعت کر لیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"شکل سے تو نہیں لگتے۔ لیکن شاید......"

نادر علی نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر لڑکی کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کسی گاہک سے پانچ سو روپے والی بات محض گپ تھی۔ کسی نے آج تک اُسے سو روپے سے زیادہ نہیں دیئے تھے۔ نادر علی نے سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر لڑکی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"یہ رات کے کھانے اور صبح کے ناشتے کے لئے ہے۔" اُس نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کھانا لذیذ اور عمدہ ہونا چاہئے۔"

"بہتر جناب۔" لڑکی مرعوب سی ہوگئی۔

"تمہیں خراٹے لینے کی عادت تو نہیں؟"

"نہیں۔" لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ویری گڈ۔" نادر علی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کھانے کے فوراً بعد میں سو جانا چاہتا ہوں۔ تم اس قالین پر سوؤ گی، اوکے؟"

"لیکن...... لیکن یہ پانچ سو روپے کس بات کے ہیں؟" لڑکی نے حیرت سے ایک بار پھر اُسے دیکھا۔

"اوہ...... کیسی کند ذہن لڑکی ہو۔" نادر علی نے اُسے گھورا۔ "میں نے یہ پیسے اپنی نیند خراب کرنے کے لئے نہیں دیئے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔ سکون کی نیند۔"

"سمجھ گئی۔" لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بستر صحیح کرنے کے بعد کچن میں چلی گئی۔

نادر علی بستر پر لیٹ کر آئندہ کے پروگرام طے کرنے لگا۔ واپس ایران میں داخل ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کمیٹی کے ہرکارے شکاری کتوں کی طرح ہر جگہ اُس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

اگلے دن علی الصبح وہ بیدار ہو گیا۔ شیو اور غسل کرنے کے بعد اُس نے وہ لباس پہن لیا جو گزشتہ روز خریدا تھا۔ اس کے بعد اُس نے قالین پر سوئی ہوئی لڑکی کو جگایا اور ناشتہ تیار کرنے کے لئے کہا۔ وہ رات کو دیر تک جاگنے اور صبح دیر تک سونے کی عادی تھی۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھی اور بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ ناشتے کا سامان وہ رات ہی کو بیکری سے لے آئی تھی۔ انڈہ فرائی کرنے کے بعد اُس نے ڈبل روٹی کے پیس بھی ہلکے سے تل دیئے تھے۔ پھر جیلی، مکھن، پنیر اور انڈا ڈبل روٹی کے سلائس چھوٹی میز پر رکھ دیئے۔

"مسٹر!" اُس نے نادر علی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "جب جانے لگو تو دروازہ بند کر جانا۔"

نادر علی نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ دوبارہ بستر میں گھس گئی تھی۔ نادر علی نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ فضا دُھند آلود تھی۔ سڑکیں اور گلیاں تقریباً ویران پڑی تھیں۔ لیکن کہیں کہیں گرم کپڑوں میں لپٹے ہوئے لوگ آ جا رہے تھے جو دُھند کے باعث چلتے پھرتے بھوت معلوم ہو رہے تھے۔

دس بجے تک وہ گزشتہ روز کی طرح گلیوں اور سڑکوں پر گھومتا رہا۔ لیکن اُسے اپنے عقب میں کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ دُکانیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایسی دُکان

میں گھس گیا جہاں ڈراموں میں استعمال ہونے والے ملبوسات اور دیگر اشیاء فروخت ہوتی تھیں۔ وہاں سے اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق چند چیزیں خریدیں اور اگلی دُکان میں گھس گیا۔ اسی طرح اُس نے کچھ اور دُکانوں سے سامان خریدا اور اس کے بعد ایک تنگ گلی میں واقع ایک دُکان میں گھس گیا۔

وہ دُکان ایک کباڑ خانہ ہی لگتی تھی کیونکہ اس میں سب پرانا سامان بکھرا ہوا تھا۔ لیکن نادر علی جانتا تھا کہ دُکان کا مالک کچھ اور کام بھی کرتا ہے۔ ایک کونے میں رکھے ہوئے پرانے سے ٹیپ ریکارڈر پر قوالی کا کیسٹ چل رہا تھا۔ دُکان کا مالک قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا بڑی توجہ سے قوالی سن رہا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک مجہول سا آدمی تھا۔ کم از کم تین دن کا بڑھا ہوا شیو، سر پر اُونی ٹوپی جس سے کان بھی ڈھکے ہوئے تھے، میلا سا اوور کوٹ اور پیروں میں براؤن جوتے جنہیں غالباً عرصہ سے پالش نصیب نہیں ہوئی تھی۔

"ہیلو مسٹر!" نادر علی نے اُس کے سامنے پہنچ کر کہا۔ "مجھے تمہارے ایک دوست نے بھیجا ہے۔"

"کس دوست نے؟" اُس نے بھنویں سکیڑ کر نادر علی کو گھورا۔

"نذیر نے۔" نادر علی نے جواب دیا۔ یہ ایک پاس ورڈ تھا۔ "اُس نے کہا کہ چاندنی واپس آ گئی ہے۔"

"کیوں نہ اندر بیٹھ کر بات کی جائے۔" اُس نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جہاں مرضی لے چلو۔" نادر علی مسکرا دیا۔

اُس نے دُکان کے بیرونی شیشے والا دروازہ لاک کر دیا اور نادر علی کی رہنمائی کرتا ہوا ایک اندرونی کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ نسبتاً کشادہ کمرہ تھا۔ ایک کونے میں میز پڑی ہوئی تھی جس پر رنگ برنگ کیمیکلز سے بھری ہوئی بوتلیں نظر آ رہی تھیں۔ دوسری طرف لکڑی کے اسٹینڈ پر دو کیمرے ایستادہ تھے۔

"اب بولو۔" اُس نے نادر علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے ایرانی شناختی کاغذات کے چند سیٹ درکار ہیں۔ اس میں جو تصویریں لگائی جائیں گی ان کے لئے میں مختلف لباس اور بھیس استعمال کروں گا۔ اس کے لئے میں تمام ضروری لباس وغیرہ ساتھ لایا ہوں۔ دستاویزات میں تم نام کا خانہ چھوڑ دو گے جسے میں بعد میں پُر کر لوں گا۔ یہ کاغذات مجھے آج ہی چاہئیں۔"

"آج تو بہت مشکل ہے۔ مجھے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔" دُکاندار نے کہا۔

"تمہارے دوسرے کام انتظار کر سکتے ہیں۔ لیکن میں انتظار نہیں کر سکتا۔"

"گویا تم یہ کام ارجنٹ بنیاد پر کروانا چاہتے ہو۔"

"بالکل ٹھیک سمجھے۔ معاوضہ بھی ارجنٹ کے حساب سے ہی دوں گا۔ مثلاً پانچ ہزار روپے فی سیٹ۔" نادر علی نے کہا۔

"بہت خوب۔" وہ مسکرایا۔ "سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا۔"

وہ خاصا طویل اور تھکا دینے والا کام تھا جو رات گئے تک جاری رہا۔ سب سے پہلے نادر علی نے مختلف بھیسوں میں تصاویر اُتروائیں۔ جب یہ تصاویر تیار ہو گئیں تو نادر علی نے ان کے نگیٹو جلا دیئے۔ اس کے بعد جو سیٹ تیار ہو جاتا اس پر نادر علی اپنے ہاتھ سے نام لکھ دیتا۔ مقصد یہ تھا کہ دُکان کا مالک وہ نام نہ دیکھ سکے۔

کام مکمل ہونے کے بعد اُس نے ہر سیٹ کو متعلقہ لباس کے ساتھ مختلف تھیلوں میں بند کر کے انہیں ایک بڑے پیکٹ میں باندھ دیا۔ پیکٹ کے اندر ایک سر بہ مہر لفافہ بھی رکھ دیا جو اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے تیار کیا تھا۔ آخر میں اُس نے معاوضہ ادا کیا اور پیکٹ اُٹھا کر دُکان سے باہر آ گیا۔

کچھ دُور جا کر وہ ایک اور گلی میں مُڑ گیا۔ یہ شہر کا سب سے بڑا کمرشل علاقہ تھا۔ بڑی بڑی دُکانوں کے علاوہ شہر کے چند عمدہ ریسٹورنٹس بھی اسی سڑک پر تھے۔ شام کے وقت اس سڑک پر اچھی خاصی رونق ہوا کرتی تھی لیکن آج سردی کے باعث یہ سڑک بھی سنسان نظر آ رہی تھی۔ البتہ ریسٹورنٹس میں رونق تھی۔ وہ کیفے میں داخل ہو گیا۔

دروازے میں داخل ہونے کے بعد نادر علی چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر کونے کی ایک میز پر جا بیٹھا۔ اُس کے بیٹھتے ہی ویٹر پہنچ گیا۔ نادر علی نے اُسے کھانے کا آرڈر دے دیا۔ کھانے کے بعد وہ اپنا پیکٹ میز پر ہی چھوڑ کر کاؤنٹر پر آ گیا اور ٹیلی فون اپنی طرف کھسکا کے ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو یوسف!" رابطہ ملنے کے بعد اُس نے کہا۔ "سناؤ، زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

"زندگی کی گاڑی کو دھکا لگانے کا شغل جاری ہے۔" دوسری طرف سے یوسف کی آواز سنائی دی۔ "مگر تم یہاں کیسے؟ میں نے تو سنا تھا کہ......"

"ونڈر فل۔" نادر علی نے اُسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "گویا تم نے مجھے پہچان لیا

ہے۔ میں اس وقت نور کیفے میں بیٹھا ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ سارے کام چھوڑ کر یہاں آ جاؤ۔ ......نہیں نہیں......فون پر کچھ نہیں بتا سکتا۔ بالمشافہ بات ہو گی۔ حسب سابق مجھ سے مل کر تمہیں خوشی ہو گی۔"

اس کے ساتھ ہی اُس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔

تقریباً پون گھنٹے کے بعد پچاس برس کا ایک صحت مند آدمی اُس کی میز پر موجود تھا۔ وہ یوسف تھا۔ یوسف ریلوے کا ایک سینئر انجن ڈرائیور تھا۔ اُس کی تنخواہ محدود تھی لیکن وہ بڑی ٹھاٹھ دار زندگی گزار رہا تھا کیونکہ وہ پس پردہ اسمگلنگ میں ملوث تھا۔ نادر علی جیسے لوگوں کے کام آ کر وہ لاکھوں کما رہا تھا۔ اُس نے ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ایک کالونی میں ایک بڑا خوبصورت مکان بنا رکھا تھا جہاں فون بھی تھا۔ اُس کی رہائش اسی مکان میں تھی۔ سرکاری مکان اُس نے کرائے پر اٹھا رکھا تھا۔

رسمی گفتگو کے بعد نادر علی اصل موضوع پر آ گیا۔

"آج کل کس روٹ پر ڈیوٹی دے رہے ہو؟"

"وہی پرانا روٹ۔" یوسف نے جواب دیا۔

"یہ بیگ زاہدان پہنچانا ہے۔ اور یہ بہت اہم ہے۔" نادر علی نے دوسری کرسی پر رکھے ہوئے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"پہنچ جائے گا۔" یوسف نے کہا۔ "تمہیں وہاں کے معاملات اور وقت کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے راستے میں ریل کی پٹری ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے یہ ٹرین آج روانہ ہو گی۔ ورنہ گزشتہ دو روز پہلے وہ جا چکی ہوتی۔ اس ٹرین میں میری ڈیوٹی تو نہیں ہے لیکن میں تمہارا بیگ اپنے ایک قابل اعتماد دوست کے ہاتھ بھجوا سکتا ہوں......اگر جلدی نہ ہو......"

"جلدی تو ہے......" نادر نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن میں اس بیگ کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم خود پہنچاؤ۔ میں کسی دوسرے پر اعتبار نہیں کر سکتا۔"

"ایسی صورت میں......" یوسف سوچتے ہوئے بولا۔ "مجھے ڈیوٹی تبدیل کرانی پڑے گی۔ ویسے اس میں کوئی خطرناک چیز تو نہیں؟" اُس نے کرسی پر رکھے ہوئے بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صرف کپڑے اور کاغذات ہیں۔ اس میں نہ تو منشیات ہیں، نہ ہی کوئی دھماکہ خیز مادہ اور نہ ہی کسی قسم کی خفیہ دستاویزات ہیں۔"

"او کے۔ میں آج رات ہی کنٹرولر سے مل کر ڈیوٹی تبدیل کروالوں گا۔ زاہدان میں یہ بیگ کہاں پہنچانا ہے؟" یوسف نے کہا۔

نادر علی نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ "اس پر نام، پتہ اور فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ یہ لفافہ اس شخص کو دے دینا اور کہنا کہ وہ فوراً اس میں لکھی ہوئی ہدایات پر عمل شروع کر دے۔ اس بیگ میں پانچ پیکٹ ہیں جو ایران میں مختلف جگہوں پر پہنچانے ہیں۔ ان جگہوں کے پتے اس خط میں موجود ہیں۔ اسے تاکید کر دینا کہ تمام پیکٹ ایک ہفتے کے اندر اندر اپنی منزل پر پہنچ جانے چاہئیں۔" اُس نے جیب سے دوسرا لفافہ نکالا اور یوسف کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا نذرانہ۔"

"خاصا وزنی لفافہ ہے۔" یوسف لفافے کو ہاتھ میں تولتے ہوئے بولا۔

"ہلکا کام میں نے کبھی نہیں کیا۔" نادر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یوسف نے لفافہ جیب میں ٹھونس لیا اور مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ "شکریہ نادر۔" اُس نے کہا۔ "پیر کے روز یہ بیگ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔"

اس کے جانے کے بعد نادر علی چند لمحے دروازے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ساتھ والے میز پر پڑا ہوا اخبار اُٹھا لیا۔ یہ آج ہی کا شام کو شائع ہونے والا اخبار تھا لیکن بری طرح مسلا ہوا تھا جیسے بہت سے ہاتھوں سے گزرا ہوا ہو۔ نادر علی نے اخبار کو جھٹکا دے کر سیدھا کرتے ہوئے اپنے سامنے پھیلایا۔ ہیڈ لائن پڑھتے ہی اُس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

"نصف ٹن سونا اور کروڑوں کے جواہرات چرانے والا خطرناک مجرم نادر علی ڈرامائی انداز میں جیل سے فرار ہو گیا۔"

یہ اخبار کی ہیڈ لائن تھی۔ اس کے ساتھ ہی نادر علی کی تصویر بھی تھی جسے دیکھ کر اُس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ اُس نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ریسٹورنٹ میں اس وقت کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے لیکن کوئی بھی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نادر علی اس وقت اپنی اصل شکل میں نہیں تھا۔ دُکان سے نکلنے سے پہلے اُس نے اپنے چہرے پر پلاسٹک میک اپ کر لیا تھا جس سے اُس کا چہرہ بالکل تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے خبر پڑھنے لگا۔

"خطرناک مجرم نادر علی جسے چند ہفتے قبل گرفتار کیا گیا تھا اور گرفتاری سے قبل اُس کے قبضے سے نصف ٹن سونا اور کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات برآمد ہوئے تھے، جمعہ کی صبح کو اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے نہایت ڈرامائی انداز میں جیل سے فرار ہو گیا۔ نادر علی کے فرار کا یہ منصوبہ نہایت مہارت سے بنایا گیا تھا۔ تفصیلات کے مطابق جمعرات کی سہ پہر جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو ارجنٹ میل کے ذریعے چیف سیکرٹری کی طرف سے ایک خط موصول ہوا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ مرکزی حکومت ایک نہایت اہم کیس کے سلسلے میں نادر علی سے کچھ اہم معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی حکومت کے دو نمائندے اس سے ملاقات کے لئے جیل آ رہے ہیں۔ چیف سیکرٹری کے خط میں جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو ہدایت کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کے نمائندوں سے بھرپور تعاون کیا جائے اور اگر وہ تحقیقات کے سلسلے میں نادر علی کو جیل سے باہر بھی لے جانا چاہیں تو اُسے ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی جائے۔

جیل میں سپرنٹنڈنٹ کے بیان کے مطابق جمعرات ہی کی شام کو مرکزی حکومت کے وہ دونوں مبینہ نمائندے جیل پہنچ گئے۔ انہوں نے چیف سیکرٹری کا ایک دستی خط بھی اُسے دیا۔ اس خط میں بھی ہدایت کی گئی تھی کہ ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا جائے۔ مرکزی حکومت کے دونوں نمائندے آدھے گھنٹے تک نادر علی سے تنہائی میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ نادر علی کو کل ایک اہم مقام پر بھیج دے جہاں وہ موجود ہوں گے اور نادر علی سے وہاں اطمینان سے ایک اہم سرکاری معاملے میں تفتیش کی جا سکے۔

دوسرے دن جمعہ کو تمام دفاتر بند ہونے کی وجہ سے جیل سپرنٹنڈنٹ چیف سیکرٹری کے دفتر سے اس حکم نامے کی تصدیق نہیں کر سکا۔ لیکن اس دفتر سے چیف سیکرٹری کی مہر اور دستخطوں سے جاری ہونے والے دونوں خطوط سے وہ مطمئن تھا۔ چنانچہ نادر علی کو جمعہ کی صبح کو دو کانسٹیبلوں کی نگرانی میں روانہ کر دیا گیا جنہوں نے اُسے ایک مقام پر چھوڑ دیا۔ مرکزی حکومت کے ایک نمائندے مسٹر جمیل طالش نے قیدی کی سپرداری کی رسید بھی دی تھی۔ اس روز جمعہ کی چھٹی ہونے کی وجہ سے جیل سپرنٹنڈنٹ چیف سیکرٹری کے دفتر کو قیدی کی منتقلی کی اطلاع نہیں دے سکا اور آج صبح جیل کی طرف سے اس خطرناک قیدی کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو چیف سیکرٹری کے دفتر میں کھلبلی سی مچ گئی۔

ہمارے نمائندے کے مطابق چیف سیکرٹری کے دفتر سے قیدی نادر علی کے سلسلے میں اس قسم کا کوئی خط جاری نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بات اب پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اپنے آپ کو مرکزی حکومت کے نمائندے ظاہر کرنے والے نادر علی کے ساتھی تھے اور انہوں نے چیف سیکرٹری کے نام سے جعلی خطوط کے ذریعے بڑی مہارت سے اس کے فرار کا یہ منصوبہ تیار کیا تھا جو کامیاب رہا۔ اس نے اس جگہ چھاپہ مارا تو انکشاف ہوا کہ نادر علی وہاں نہیں۔

جیل کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر آغا فضل اور نادر علی کو جیل سے لے جانے والے دونوں کانسٹیبلوں کو معطل کر کے حراست میں لے لیا گیا ہے اور پولیس بڑی سرگرمی سے نادر علی اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کر رہی ہے۔ نادر علی کے بعض رشتہ داروں کو بھی حراست میں لے لیا گیا ہے لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ پولیس نے پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی ہے۔ پولیس کا خیال ہے کہ نادر علی ابھی تک اسی شہر میں روپوش ہے اور اسے بہت جلد گرفت میں لے لیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مزید انکشافات کی توقع ہے۔

یہ خبر پڑھ کر نادر علی سناٹے میں آ گیا۔ اُس کے فرار کا انکشاف آج ہوا تھا اور وہ آج صبح ہی سے دُکان میں بند دُکان کے مالک کے ساتھ کام میں مصروف تھا۔ پورے دن میں اُسے باہر کے حالات کی خبر تک نہیں رہی تھی۔ جبکہ پولیس پورے شہر میں اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاہ نواز اور جمیل طالش کون تھے؟ انہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اس ڈرامائی انداز میں اسے جیل سے کیوں نکلوایا تھا؟ مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ لوگ تہران میں پوشیدہ معزول شاہ کا خزانہ حاصل کرنا چاہتے تھے جس کی مالیت یقیناً اربوں ڈالر تھی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو حکومت پاکستان کا نمائندہ ظاہر کر کے اُسے جیل سے فرار کرانے والے یہ دونوں کون تھے؟ یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ اِن دونوں کا حکومت پاکستان سے کوئی تعلق نہیں تھا اور انہوں نے محض اسے جیل سے نکلوانے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اگر ان کا راز فاش ہو جاتا تو اس وقت وہ دونوں بھی جیل کی کسی تنگ سی کوٹھڑی میں بند ہوتے۔ لیکن انہوں نے بڑی مہارت سے منصوبہ تیار کیا تھا۔ چیف سیکرٹری کے نام سے خط ارجنٹ میل سے جمعرات کو اس وقت جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو پہنچایا گیا تھا جب سرکاری دفاتر بند ہو چکے تھے اور سپرنٹنڈنٹ ٹیلی فون یا کسی دیگر ذریعے سے چیف سیکرٹری کے دفتر سے اس خط کے بارے میں تصدیق نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جمعرات کی شام کو وہ دونوں چیف سیکرٹری کا ایک اور خط لے کر خود جیل پہنچ گئے تھے۔

انہوں نے چیف سیکرٹری کے نام سے دونوں جعلی خطوط اس مہارت سے تیار کئے تھے کہ جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی دھوکا کھا گیا تھا۔ اور پھر ان دونوں کی شخصیت بھی اس قدر بھاری بھرکم تھی کہ جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انہوں نے بڑے پُروقار اور دبنگ لہجے میں بات چیت کی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو نادر کو جمعرات کی شام ہی کو اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے لیکن انہوں نے جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو ہدایت کی تھی کہ اسے اگلے روز دو کانسٹیبلوں کی نگرانی میں مطلوبہ جگہ بھیج دیا جائے۔ اگلے روز جمعہ تھا۔ تمام سرکاری دفاتر بند تھے۔ جیل کا سپرنٹنڈنٹ کسی بھی ذریعے سے چیف سیکرٹری کے خطوط یا ان دونوں کے بارے میں تصدیق نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بہرحال وہ چیف سیکرٹری کے خط سے مطمئن تھا اور اُس نے نادر علی کو دو کانسٹیبلوں کی نگرانی میں بھیج دیا اور آج جب اُس نے چیف سیکرٹری کے دفتر کو قیدی کی منتقلی کے بارے میں اطلاع دی ہوگی تو یہ راز کھلا ہوگا کہ ایک بہت بڑا فراڈ ہو چکا ہے۔

لیکن یہ سوال بدستور اپنی جگہ پر موجود تھا کہ وہ دونوں کون تھے؟ کیا واقعی ان کا تعلق ایران کے شاہ سے تھا یا وہ کسی ایسی تنظیم سے وابستہ تھے جنہیں شاہ کے پوشیدہ خزانے کا علم ہو گیا تھا اور وہ خزانہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں ایران سے دولت باہر لے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن وہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ خزانہ صرف اور صرف نادر علی ہی حاصل کر سکتا تھا۔ جو شخص پاسدارانِ انقلاب کے گودام سے نصف ٹن سونا اور کروڑوں روپے مالیت کے جواہرات چرا سکتا تھا اُس کے لئے شاہ کا پوشیدہ خزانہ حاصل کرنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس وقت کہاں ہوں گے۔ لیکن نادر علی کو یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی موقع پر اُس سے رابطہ قائم ضرور کریں گے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اُسے جیل سے رہائی دلائی تھی بلکہ ایک خطیر رقم بھی خرچ کر ڈالی تھی اور ظاہر ہے یہ سب کچھ تفریح کے طور پر نہیں کیا گیا تھا۔ نادر علی نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اس کھیل کو اختتام تک پہنچائے گا۔ یہ کھیل دلچسپ ہونے کے ساتھ خطرناک بھی تھا اور اُسے خطرات سے کھیلنا پسند تھا۔

نادر علی ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس کر کے چونک گیا۔ اس کی نظر سب سے پہلے اُس شخص پر پڑی تھی جو اُس کے قریب کھڑا تھا۔ سیاہ

رنگ کے بوٹ تھے جن کی ٹو چمک رہی تھی۔ جوتوں کے اوپر خاکی پتلون تھی۔ نادر علی کی نظریں پتلون کی کریز کے ساتھ ساتھ اوپر اُٹھتی چلی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اُسے سینے میں اپنا سانس رُکتا محسوس ہوا...... وہ بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ پولیس کا سب انسپکٹر تھا جو اُس کی میز کے گرد کھڑا گہری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے دو کانسٹیبل بھی تھے جنہوں نے رائفلیں سنبھال رکھی تھیں۔

''یس آفیسر؟'' نادر علی نے اپنے لہجے پر کنٹرول رکھتے ہوئے کہا۔

''زحمت کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔ ''کیا آپ اپنا شناختی کارڈ دکھائیں گے؟''

''اوہ...... کیوں نہیں۔'' نادر علی نے کہتے ہوئے کوٹ کی اندرونی جیب سے شناختی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ شناختی کارڈ نادر علی نے بنوایا تھا اور اس پر لگی ہوئی تصویر کے مطابق اپنے چہرے پر پلاسٹک میک اپ کر لیا تھا۔ شناختی کارڈ اصلی اور حکومت کا جاری کردہ تھا۔ نادر علی نے جس سے یہ شناختی کارڈ لیا تھا اُس کے پاس ایسے بہت سے شناختی کارڈ تھے۔ یہ کارڈ یا تو گمشدہ تھے یا ان کے مالکان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کارڈ پر ثمر ناصر کا نام لکھا ہوا تھا۔

سب انسپکٹر نے کارڈ پر لگی تصویر کو دیکھا پھر نادر علی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کارڈ واپس کر دیا۔

''آپ کو شاید اس شخص کی تلاش ہے آفیسر۔'' نادر علی نے اپنے سامنے میز پر رکھے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کا خیال درست ہے۔'' سب انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اخبار کی اطلاع کے مطابق یہ شخص گزشتہ روز جیل سے فرار ہوا تھا۔ کیا آپ کے خیال میں وہ ابھی تک شہر میں آزادانہ طور پر گھوم رہا ہوگا؟'' نادر علی نے کہا۔

''ہم کم از کم اُسے تلاش کرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔'' سب انسپکٹر کہتے ہوئے دوسری میز کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کے انداز اور لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کارروائی محض خانہ پُری کے لئے کی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد پولیس والے چلے گئے۔ کیفے میں بیٹھے ہوئے لوگ اب اس موضوع پر

باتیں کرنے لگے تھے۔ نادر علی بیٹھا لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اُس نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے ایک تیز جھونکے نے اُس کا استقبال کیا۔ اُس نے کوٹ کا کالر گردن تک اُٹھایا، دونوں ہاتھ جیبوں میں ٹھونسے اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

✿......✿
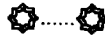
زاہدان سے کرمان تک پانچ سو تیس کلومیٹر کا فاصلہ اُس نے ایک مال بردار ٹرک کے ذریعے طے کیا تھا۔ سرحد عبور کرتے ہوئے نادر علی کو محتاط ہو جانا پڑا تھا۔ کمیٹی کا عملہ سرگرم تھا۔ بڑی سخت چیکنگ ہو رہی تھی۔ بعض مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔ نادر علی کے کاغذات بھی بڑی باریک بینی سے چیک کیے گئے تھے۔ اُس سے متعدد ایسے سوالات کیے گئے تھے کہ اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو گڑبڑا جاتا۔ مگر نادر علی نے بڑے پُرسکون لہجے میں ان سوالات کے جواب دیئے تھے۔

تافتان سے زاہدان پہنچتے ہی اُس نے عثمان سے رابطہ قائم کیا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ عثمان کے مکان پر تالا لگا ہوا تھا۔ اور اب وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھا وقت گزرنے کا انتظار کر رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اُس نے ریسٹورنٹ کے ٹیلی فون سے عثمان کے نمبر پر فون کیا۔ اس مرتبہ رابطہ قائم ہو گیا۔ وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔ نادر علی نے اُسے انتظار کرنے کو کہا اور ریسٹورنٹ سے نکل آیا۔ عثمان کے مکان تک پہنچنے میں صرف پندرہ منٹ لگے۔ وہ بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

''کمیٹی کو تمہارے آنے کی اطلاع مل چکی ہے۔ پورے شہر میں تمہاری تلاش ہو رہی ہے۔ ہر مشتبہ شخص کو روک کر پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔'' عثمان نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

''مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔'' نادر علی نے کہا۔ ''تم نے یہاں سے میری روانگی کا کیا بندوبست کیا ہے؟''

''دوپہر کو ایک مال بردار ٹرک کرمان کے لئے روانہ ہونے والا ہے۔ تم ٹرک ڈرائیور کے ہیلپر کی حیثیت سے ساتھ جاؤ گے۔ تم نے جو پیکٹ بھیجے تھے وہ متعلقہ جگہوں تک پہنچا دیئے گئے تھے۔ تم لباس وغیرہ تبدیل کر لو میں معلوم کر کے آتا ہوں کہ ٹرک کس وقت روانہ ہوگا۔'' عثمان یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اُس کے جاتے ہی نادر علی نے میز پر رکھا ہوا ایک تھیلا کھول لیا جس میں بوسیدہ لباس کے علاوہ اُس کے نئے شناختی کارڈ بھی موجود تھے۔ لباس پر جگہ جگہ گریس اور تیل کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اُس نے لباس تبدیل کر کے کاغذات جیب میں رکھے اور کچن میں گھس گیا۔ فریج کھول کر جائزہ لینے لگا۔ فریج میں انڈے، مکھن اور ضرورت کی دیگر چیزیں موجود تھیں۔ اُس نے دو انڈوں کا آملیٹ بنایا اور ڈبل روٹی کے سلائس گرم کرنے لگا۔

ابھی اُس نے سلائس پلیٹ میں رکھے ہی تھے کہ باہر گاڑیوں کے رُکنے کی آواز سنائی دی ٹائروں کی چرچراہٹ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ گاڑیاں بہت عجلت میں روکی گئی ہیں۔ وہ پلیٹ ہاتھ میں اُٹھائے کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ کھڑکی پر رنگین شیشے لگے ہوئے تھے جن سے آر پار دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اُس نے ایک انچ کے قریب کھڑکی کا پٹ کھول دیا اور باہر جھانکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ سے پلیٹ گر گئی اور تلے ہوئے سلائس فرش پر بکھر گئے۔

نادر علی کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اُسے یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ کمیٹی والوں کو اُس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور اسے شہر میں بڑی سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کمیٹی والے اتنی جلدی اس تک پہنچ جائیں گے۔

وہ ایک کار اور دو چھوٹے ٹرک تھے جو گلی میں آ کر رُکے تھے۔ کمیٹی کے تقریباً ڈیڑھ درجن مسلح آدمی ٹرکوں سے اُتر کر آٹو میٹک ہتھیار سنبھالے پوزیشن لینے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔

کار میں سے تین آدمی اُترے۔ دو تو کمیٹی کے آفیسر معلوم ہوتے تھے، تیسرا ایک مقامی مذہبی رہنما تھا۔ اُس نے سیاہ چوغہ پہن رکھا تھا اور سر پر سیاہ پگڑی تھی۔ چہرے پر گول داڑھی تھی جس میں ہلکی سی سفیدی بھی جھلک رہی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں آٹو میٹک رائفل بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کمیٹی کے افسران کو احکامات جاری کر رہا تھا۔

نادر علی کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ کمیٹی کے مسلح آدمی جس طرح گلی میں پوزیشن لے رہے تھے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس مکان کو گھیرے میں لے رہے ہیں۔ گویا کمیٹی کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ اس مکان میں موجود ہے۔ لیکن...... انہیں یہ اطلاع کیسے ملی؟

اچانک اُس کے ذہن میں عثمان کا نام اُبھرا۔ کمیٹی نے نادر علی کی گرفتاری کے لئے ایک

گرانقدر رقم کے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ یہ رقم اتنی بڑی تھی کہ کسی کی نیت کیا، ایمان تک ڈگمگا سکتا تھا۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عثمان یہاں سے جانے کے بعد سیدھا کمیٹی کے دفتر پہنچا اور انہیں نادر علی کی اس مکان میں موجودگی کی اطلاع دے دی ہو۔

نادر علی نے آہستگی سے کھڑکی بند کر دی اور تیزی سے کچن سے نکل آیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا۔ سامنے والے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ پچھلی طرف سے بھی فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس مکان کے پیچھے بھی ایک مکان تھا جس کی پشت ملی ہوئی تھی۔

اُس نے سوچنے میں صرف ایک لمحہ ضائع کیا اور پھر اندرونی زینہ چڑھ کر اوپر آ گیا۔ مکان کی چھت کے اطراف میں تقریباً تین فٹ اونچی منڈیر تھی۔ چھت پر ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بکھرا ہوا تھا۔ پچھلا مکان دو منزلہ تھا۔ اس مکان کی چھت پر پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اُس کی نظریں اپنے مکان کی چھت کے آخری کونے میں پانی کی ٹینکی پر جم گئیں۔ یہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں پناہ لی جا سکتی تھی۔

گلی میں بھاگ دوڑ کی آوازوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نادر علی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹینکی کے قریب پہنچ گیا۔ آہستگی سے ڈھکن اُٹھا کر اندر جھانکا۔ تہ میں تقریباً ڈیڑھ فٹ پانی تھا، باقی ٹینکی خالی تھی۔ وہ بڑی آہستگی سے ٹینکی میں اُتر گیا اور آہنی ڈھکنا اس طرح رکھ دیا کہ ہوا کی آمد و رفت کے لئے تھوڑی سی جھری باقی رہے۔

اس پانی کی ٹینکی میں پناہ لئے ہوئے ابھی ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ چھت پر شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر یوں لگا جیسے ساتھ والے مکان کی چھت سے کوئی اس چھت پر کودا ہو۔ نادر علی ٹینکی کی پچھلی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اپنا سانس تک روک رکھا تھا۔ پستول اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر اس کا پتہ چلا بھی لیا گیا تو ہاتھ آنے سے پہلے دو چار آدمیوں کو تو موت کی نیند سلا ہی دے گا۔

اچانک فائر کی آواز گونجی اور اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک نسوانی چیخ سنائی دی۔ نادر علی چونک گیا۔ جب وہ اس مکان میں آیا تھا تو یہاں کوئی عورت نہیں تھی، عثمان اکیلا ہی رہتا تھا۔ لیکن چھت پر نسوانی چیخ نے اُسے اُلجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک چھت پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی، پھر خاموشی چھا گئی۔

پانی کی ٹینکی میں نادر کا سانس گھٹ رہا تھا لیکن وہ باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا

تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ پھر گاڑیوں کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔ کمیٹی والے واپس جا رہے تھے۔ لیکن نادر علی نے پانی کی ٹینکی سے باہر آنے کی کوشش نہیں کی۔

دس منٹ اور گزر گئے۔ چھت پر قدموں کی آواز سن کر وہ ایک بار پھر چونک گیا۔ پستول پر اُس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اس وقت اُسے احساس ہوا کہ چھت پر چلنے والے قدموں کی آواز بھاری نہیں تھی۔ کوئی بہت ہلکے قدموں سے چل رہا تھا۔

نادر علی نے ٹینکی کے ڈھکنے کی جھری سے جھانک کر دیکھا، اس کے ساتھ ہی اُس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔ وہ عثمان تھا جو چھت پر ایک جگہ کھڑا پریشان نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ نادر علی نے ایک منٹ انتظار کیا اور پھر آہنی ڈھکنا آہستگی سے ایک طرف ہٹا دیا۔ آواز سن کر عثمان تیزی سے اس طرف گھوم گیا اور پھر نادر علی کو ٹینکی میں سے سر اُبھارتا دیکھ کر اُس کے منہ سے بے اختیار ٹھنڈا سانس نکل گیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ ہو۔ میں تو سمجھا تھا کہ......''

''لیکن...... اُنہیں میری یہاں موجودگی کی اطلاع کیسے ملی؟'' نادر علی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''اُنہوں نے تمہاری تلاش میں یہاں چھاپہ نہیں مارا تھا۔'' عثمان نے کہا۔

''تو پھر اُنہیں کس کی تلاش تھی؟'' نادر علی نے اُسے گھورا۔ وہ عثمان کو اب بھی شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

''اُنہیں اطلاع ملی تھی کہ تہران کی ایک دولت مند عورت ساتھ والے مکان میں چھپی ہوئی ہے جو اپنی دولت سمیت یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ چھاپہ اس عورت کو پکڑنے کے لئے مارا گیا تھا۔ اُس نے ہمارے مکان کے راستے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اُسے گولی مار کر زخمی کر دیا گیا۔ بہرحال اب وہ لوگ جا چکے ہیں۔ اور مقامِ شکر ہے کہ تم ان کی نظروں میں نہیں آئے۔'' عثمان نے کہا۔

''جب ان کی گاڑیاں گلی میں آکر رُکیں تو میں ڈر گیا تھا کہ شاید وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ میں پانی کے ٹینک میں چھپ گیا تھا۔'' نادر علی نے کہا۔

''وہ لوگ جا چکے ہیں۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ نیچے آجاؤ۔'' عثمان نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

نادر علی کے جوتے بھیگ چکے تھے۔ نیچے آکر اُس نے جوتے اُتار کر آتش دان کے

سامنے رکھ دیئے۔ اُس کا خیال تھا کہ جوتے اور بھیگے ہوئے کپڑے چند منٹ میں سوکھ جائیں گے۔ عثمان نے لکڑی کے چند اور ٹکڑے آتش دان میں ڈال دیئے تھے۔

''کمیٹی والے اب تک تین آدمیوں کو تمہارے شبے میں گرفتار کر چکے ہیں۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تم شہر کے شمالی اڈے پر چلے جاؤ۔ ٹرک ٹھیک دو بجے روانہ ہوگا۔'' عثمان نے اُسے ٹرک کا نمبر اور ڈرائیور کا نام وغیرہ بتا دیا۔

نادر علی آدھے گھنٹے بعد عثمان کے مکان سے نکل گیا۔ جب وہ ٹرکوں کے اڈے پر پہنچا تو مذکورہ ٹرک پر کرمان جانے والا سامان لوڈ کیا جا چکا تھا۔ ڈرائیور کو پہچاننے میں نادر علی کو زیادہ دُشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ٹھیک دو بجے ٹرک اڈے سے نکل کر کرمان کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ شام کے وقت تھوڑی دیر کے لئے ایک جگہ رُکے تھے اور پھر کسی پڑاؤ کے بغیر اُن کا سفر جاری رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی منزل سے تقریباً اسّی کلومیٹر دُور تھے کہ ٹرک خراب ہوگیا اور انہیں ایک قصبے میں رُکنا پڑا۔ ڈرائیور تو رات گزارنے کے لئے قصبے کے سرائے میں چلا گیا اور نادر علی ٹرک کے کیبن میں لیٹ گیا۔

پورا دن ٹرک کی مرمت پر لگ گیا۔ جب وہ نئی بندس روانہ ہوئے تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ ساڑھے چار بجے کے لگ بھگ وہ کرمان پہنچ گئے۔ یہاں بھی کمیٹی کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی تھی۔

ٹرک ڈرائیور سے رخصت ہونے کے بعد نادر علی نے ایک بار پھر اپنا حلیہ تبدیل کیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ ایک ٹویوٹا کار میں سوار ایک قصبے کی طرف جا رہا تھا۔

اس وقت چھ بج رہے تھے۔ سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا لیکن صحرا کی ریت ابھی تک تپ رہی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دائیں طرف ریت کے تپتے ہوئے ٹیلے تھے اور بائیں طرف کچھ فاصلے پر سرخ چٹانیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک چٹانوں کے دوسری طرف ایک گدھ کو پرواز کرتا دیکھ کر وہ چونک گیا۔ چند سیکنڈ بعد ایک اور گدھ نظر آیا۔ کچھ دیر بعد جب اُس نے دوبارہ سر اُٹھا کر اوپر دیکھا تو گدھوں کی تعداد تین ہو چکی تھی جو ایک دائرے کی صورت میں پرواز کر رہے تھے۔

نادر علی کی پیشانی پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔ وہ اس سفر سے بری طرح تھک چکا

تھا۔ اُسے اپنا لباس بھی جسم پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ اُس نے لباس کے اندر چھپے ہوئے پستول کو چھو کر محسوس کیا۔ اب اُسے یہ پستول بھی ناگوار سا بوجھ محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ اسے بیکار سمجھ کر پھینک نہیں سکتا تھا۔ اُس نے ٹویوٹا ٹیلے کی آڑ میں کھڑی کر دی جسے سڑک سے نیچے دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ ٹویوٹا اُس نے کرائے پر حاصل کی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کاش اُس نے احتشام سے ملاقات کے لئے اس ویرانے کی بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا ہوتا۔

وہ چند لمحے کار کے قریب کھڑا رہا۔ اور پھر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔ چٹانوں کے دوسری طرف تنگ سا راستہ بتدریج نشیب کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ اس راستے پر آگے بڑھنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے پتھر اُس کے پیروں کے نیچے سے پھسل کر نشیب میں لڑھک رہے تھے۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا، ہوا میں ایک ناگوار سی بو کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ یہ بو گٹر یا گیس کی بو سے مشابہہ تھی۔

راستے کے ایک تنگ سے موڑ پر وہ رُک گیا۔ نشیب میں کھجور کے درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب چند کچے مکانوں کے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ایک کنواں تھا جو عرصہ پہلے خشک ہو گیا تھا اور اس کی منڈیر ٹوٹی ہوئی تھی۔ یہ غالباً خانہ بدوشوں کی کوئی بستی تھی جو عرصہ پہلے ویران ہو چکی تھی اور اب وہاں کچھ نہیں تھا۔

''احتشام......!''

نادر علی نے کھنڈرات کی طرف منہ کر کے پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس پُرسکون ویرانے میں کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہ رہا ہو۔ لیکن نہیں...... آسمان پر تین نہیں، چار گدھ منڈلا رہے تھے۔

نادر علی چند لمحے وہیں کھڑا کھنڈرات کو گھورتا رہا جن کے سائے لمبے لمبے ہو رہے تھے۔ سورج غروب ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ فضا میں گیس یا گٹر جیسی ناگوار سی بو اب بھی موجود تھی اور یہ بو شمال کی طرف سے ہوا کے ساتھ آ رہی تھی۔

کھجور کے سوکھے ہوئے درختوں کے قریب والا مکان دوسرے مکانوں سے نسبتاً بڑا تھا۔ اس کی چھت اور شمال کی سمت والی دیوار گر چکی تھی۔ بڑی بڑی کچی اینٹیں آس پاس بکھری ہوئی تھیں۔ ان اینٹوں کو دیکھ کر نادر علی کو یہ اندازہ لگانے میں دُشواری پیش نہ آئی کہ یہ چھوٹی سی بستی غالباً صدیوں پہلے آباد ہوئی تھی۔ پھر کنوئیں کا پانی خشک ہو جانے کی وجہ سے خانہ بدوش ہجرت کر کے کہیں اور چلے گئے اور یہ بستی ویران ہو گئی۔

''احتشام......!''

نادر علی نے کھنڈرات کی طرف رُخ کر کے ایک بار پھر پکارا۔ لیکن اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ اُس نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا نشیب میں کھنڈرات کی طرف بڑھنے لگا۔

نادر علی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو احتیاط کا دامن کسی موقع پر بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اور پھر اس وقت تو وہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔ یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ چند ہفتے پہلے جب وہ پاسدارانِ انقلاب کے ایک گودام سے کروڑوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات اور نصف ٹن سونا لے کر فرار ہوا تھا تو اس کے ایک ساتھی نے اُسے دھوکا دیا تھا۔ اپنے ساتھی کی مخبری پر ہی وہ پکڑا گیا تھا۔ اور اب وہ دوبارہ پھر ایران کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا جہاں کمیٹی نے اس کے سر کی بھاری قیمت مقرر کر رکھی تھی اور قدم قدم پر اس کی تلاش ہو رہی تھی۔ گویا وہ شیروں کی کچھار میں گھس آیا تھا لیکن وہ ڈرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ موت سے پنجہ آزمائی اس کی زندگی کا سب سے اہم مشغلہ تھی۔ وہ اس عزم کے ساتھ ایران کی حدود میں داخل ہوا تھا کہ شاہ کے اس خفیہ خزانے کے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ ایران میں اُس کے چند ایسے ساتھی اب بھی موجود تھے جو اُس کے لئے جان بھی دے سکتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں اب خنکی بڑھ گئی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کھنڈروں میں پہنچ گیا۔ پہلا جھونپڑا خالی تھا۔ دوسرے جھونپڑے میں کسی جانور کا خستہ سا ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ یہ ڈھانچہ غالباً کتے کا تھا۔ اس کے آس پاس مٹی کے چند ٹوٹے ہوئے برتن بکھرے ہوئے تھے۔ مکان کے صحن میں اس طرح کی چند دوسری چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں جنہیں ریت نے ڈھانپ رکھا تھا۔

وہ مکان کے صحن سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گیا۔ یہاں ریت پر کسی گاڑی کے ٹائروں کے نشان نظر آئے جو درختوں کے جھنڈ کے قریب بڑے جھونپڑے کی رہنمائی کر رہے تھے۔ نادر علی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ احتشام کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان تھے۔ وہ اس بڑے جھونپڑے کے قریب رُک گیا۔ چند سیکنڈ تک کسی قسم کی آہٹ محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا جھونپڑے کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف نکل گیا۔

اس طرف آتے ہی اُسے احتشام نظر آ گیا۔

احتشام کھجور کے گرے ہوئے دو خشک تنوں کے درمیان پڑا تھا۔ وہ بالکل برہنہ تھا۔ اُس کے آس پاس بھی لباس نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔

نادر علی تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر رُک کر احتشام کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے ہاتھ اور پیر اُونٹ کے بالوں سے بٹی ہوئی رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کا دوسرا سرا درخت کے تنے سے بندھا ہوا تھا۔ آس پاس ریت پر قدموں کے نشان نظر آ رہے تھے۔

نادر علی وہیں رُک کر محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ درختوں کے جھنڈ کے دوسری طرف اُسے احتشام کی شیورلٹ کار بھی نظر آ گئی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا اور کھلی کھڑکی سے اندر جھانکنے لگا۔ احتشام کا کوٹ ڈرائیونگ سیٹ کی پشت پر پڑا ہوا تھا لیکن نادر علی نے کوٹ یا کسی دوسری چیز کو چھونے کی کوشش نہیں کی۔ اُس نے گردن گھما کر احتشام کی برہنہ لاش کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بری طرح چونک گیا۔ اُسے احتشام کے سینے میں ایک ہلکا سا زیروبم محسوس ہو رہا تھا۔

وہ مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا احتشام کے قریب پہنچ گیا۔ اُس کے سینے کے زیروبم سے نادر کو یہ اندازہ لگانے میں دُشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ابھی زندہ تھا۔ اُس کی حالت دیکھ کر نادر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ احتشام کو اس حالت تک پہنچانے والے ایک سے زیادہ تھے۔ وہ یقیناً اپنے کام میں ماہر تھے۔ احتشام کو جس طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا اسے دیکھ کر نادر علی جیسا سفاک انسان بھی کانپ اُٹھا تھا۔

احتشام کی ناف کے نیچے بہت بڑا زخم تھا جس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اُس کی آنکھوں کے پپوٹے بھی کاٹ دیئے گئے تھے اور اس طرح اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رکھی گئی تھیں لیکن آنکھوں کے سکڑے ہوئے ڈیلوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اُس کی بینائی ختم ہو چکی ہے۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا جس سے سونے کا ایک دانت جھانکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ نادر علی، احتشام کے قریب جھک گیا۔

''احتشام!'' اُس نے ہولے سے پکارا۔

اُس کے سینے میں زیروبم پیدا ہوا۔ جس سے نادر علی کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا کہ وہ ابھی زندہ تھا۔

''احتشام!'' اُس نے ایک بار پھر پکارا۔

احتشام کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بڑی مشکل سے بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تو......م......'' آواز ہوا کی سرسراہٹ سے بھی کم تھی۔

''میں نادر ہوں...... نادر علی۔'' نادر نے کہا۔

''تت...... تم نے بہت...... دیر کر دی۔'' احتشام کے ہونٹ پھڑپھڑائے اور نادر علی اُس کے اور قریب آ گیا۔

''احتشام احتشام! تمہیں کیا ہوا؟''

''مم...... مجھے...... مم...... مجھے......''

''ہاں ہاں بولو احتشام...... کیا مجھے؟''

''مجھے قتل...... کر دو...... نا...... در!'' اُس نے بمشکل تمام خود کو سنبھال کر کہا۔

''احتشام! ایسا مت کہو۔ یہ سب کس نے کیا؟''

''نا......در، مجھے...... قتل کر دو۔''

نادر نے پتلون کی بیلٹ سے اڑسی ہوئی پانی کی بوتل نکال کر اُس کا ڈھکن کھولا اور بڑی احتیاط سے چند قطرے اُس کے زخمی اور خشک ہونٹوں پر ٹپکا دیئے۔ وہ پھر بولا۔

''مم...... مجھے...... قتل کر دو...... پلیز......''

''نہیں احتشام! کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔''

''پلیز نادر......'' اُس نے کرب زدہ آواز میں التجا کی۔

''حوصلہ رکھو احتشام!'' نادر علی کہتے ہوئے کچھ اور جھک گیا۔ احتشام کچھ کہہ رہا تھا لیکن آواز بہت مدھم تھی۔

''کون تھے وہ لوگ؟'' نادر علی نے پوچھا۔

''ذو...... ذو......''

نادر علی نے پانی کے مزید قطرے اُس کے حلق میں ٹپکا دیئے اور ایک بار پھر اُس کا جائزہ لینے لگا۔ احتشام کے جسم پر دو تین جگہوں سے کھال کاٹ ڈالی گئی تھی۔ ہاتھوں کی اُنگلیوں کے ناخن غائب تھے۔ اُنگلیوں کے پوروں پر ناخنوں کی بجائے جما ہوا خون نظر آ رہا تھا۔ اُس کے ناخن غالباً پلاس سے کھینچے گئے تھے۔ دونوں پیروں کے انگوٹھے کٹے ہوئے تھے۔ غالباً اُس کی پشت پر بھی زخم تھے لیکن خون جم جانے کی وجہ سے اُس کا جسم ریت سے

چپکا ہوا تھا اور اُسے ہلائے بغیر زخموں کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ اُس نے ایک بار پھر بولنے کی کوشش کی۔

''ذو...... ذو......''

''ہاں ہاں احتشام، بتاؤ کون تھے وہ؟''

''مم...... میرا ساتھی۔''

''کون؟ احتشام ...... بتاؤ، وہ کون تھا؟'' نادر علی نے ایک بار پھر پوچھا اور احتشام کے منہ سے آواز نکلی۔

''ذو...... ذونارہ......''

''ذونارہ؟''

''ہاں۔''

''مگر اُس نے ایسا کیوں کیا؟''

''وہ...... وہ خزانہ کا پتہ...... پوچھ رہا تھا۔'' احتشام کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

نادر نے چونک کر کہا۔ ''خزانہ؟''

''ہاں۔''

''کیسا خزانہ؟'' نادر علی نے حیرت سے پوچھا۔

اچانک پھر اُس کے ذہن میں خیال اُبھرا۔ کیا ذونارہ کو کسی طرح یہ راز معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شاہ کا خفیہ خزانہ حاصل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے؟ اُسے یہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور کیسے پتہ چلا کہ احتشام ان کھنڈرات میں موجود ہے۔

''میں بڑی...... اذیت میں ہوں نادر علی! پلیز...... مجھے قتل کر دو...... اس اذیت سے...... نجات دلا دو......'' احتشام نے رُک رُک کر کہا۔

''گھبراؤ نہیں...... میں ابھی تمہیں کرمان لے جا رہا ہوں۔ تم......''

''نہیں، پلیز......'' احتشام نے کراہتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں احتشام! یہ میرا فرض ہے۔''

''مجھے ہلانا مت...... مجھے گولی مار دو...... اور یہاں سے...... چلے جاؤ...... وہ لوگ......'' وہ آگے نہ بول سکا۔

''نہیں احتشام۔'' نادر علی بولا۔

''میری بات مان لو نادر علی۔''

''میں تمہیں گولی نہیں مار سکتا۔''

''پپ...... پلیز۔'' احتشام کی آواز ڈوب گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کی گردن ڈھلک گئی۔

وہ ختم ہو گیا تھا اور اُسے زندگی کی اس اذیت سے نجات مل گئی تھی۔

نادر علی چند لمحے احتشام کی لاش کی طرف دیکھتا رہا، پھر اُٹھ کر شیورلیٹ کے قریب آ گیا۔ اُس نے کار کی چابی نکالی۔ اگر وہ چاہتا تو کار پر پٹرول چھڑک کر اسے آگ لگا سکتا تھا لیکن اندیشہ تھا کہ دُھواں دیکھ کر نئی بند سے کمیٹی والے تحقیق حال کے لئے یہاں نہ پہنچ جائیں۔ نادر علی کمیٹی والوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ کوئی ویرانہ بھی اُن کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھا۔ البتہ وہ یہ کر سکتا تھا کہ کار کو ناقابل شناخت بنا دے۔ اُس نے کار کی دونوں لائسنس پلیٹیں اُتار کر وہاں سے کافی دُور ریت میں دفن کر دیں۔ انجن کے سیریل نمبر کے بارے میں ظاہر ہے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

کار کی پچھلی سیٹ پر دو کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ناول تھے جن میں سے ایک کا ایک صفحہ مڑا ہوا تھا۔ غالباً احتشام نے یہ کتاب پڑھتے پڑھتے یہاں نشان لگا کر چھوڑ دیا تھا۔ اُس کے کوٹ کی جیبوں سے تمام چیزیں اور رقم نکال کر اُس نے اپنی جیبوں میں رکھ لی...... اور کوٹ وہیں ڈال دیا۔

نادر علی نے ایک بار پھر تنقیدی نگاہوں سے کار کا جائزہ لیا اور وہاں سے ہٹ کر چٹان کی طرف چلنے لگا۔ سورج اس وقت غروب ہو چکا تھا۔ تنگ سے راستے پر چلتا ہوا وہ اوپر پہنچ گیا۔ اُس نے آخری مرتبہ اوپر مڑ کر دیکھا۔ اندھیرے میں احتشام کی لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ مڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ اسی لمحے چاند چٹان کی چوٹی سے جھانکتا نظر آیا۔

نادر علی ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ ٹھٹھک کر رُک گیا۔ ٹیلے کی آڑ میں اپنی ٹویوٹا کے قریب اُسے ایک اور گاڑی کھڑی نظر آ رہی تھی۔ وہ والکس ویگن تھی۔ نادر علی محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن والکس ویگن کے اندر یا آس پاس اُسے کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

نادر علی ابھی اس والکس ویگن کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک تین انسانی سائے چٹان کی آڑ سے نکل کر اُس کے سامنے آ گئے...... وہ دو مرد تھے اور ایک عورت۔ ایک آدمی

کے ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ریوالور۔ عورت خالی ہاتھ تھی۔ وہ اُسے زد میں لئے ہوئے چند قدم کے فاصلے پر رُک گئے۔

مدھم چاندنی میں نادر علی اب انہیں صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک بھاری بھرکم اور طویل قد و قامت کا مالک تھا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ کرختگی تھی۔ دوسرا قدرے پستہ قامت اور قدرے دُبلا پتلا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ نادر علی کے اندازے کے مطابق وہ دونوں تیس اور پینتیس سال کے قریب رہے ہوں گے۔ اُن کی ساتھی ایک جوان لڑکی تھی۔ اُس نے پینٹ شرٹ اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اُس کی عمر پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ بلاشبہ حسین لڑکی تھی جو اپنے ساتھیوں سے چند قدم دُور ایک طرف ہٹ کر کھڑی تھی۔

''کون ہو تم لوگ......؟'' نادر علی باری باری اُن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہم تمہیں یہ پوچھنے کا حق نہیں دیتے۔''

''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں یہ رقم تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔''

''ہمیں تمہاری رقم سے کوئی غرض نہیں ہے۔'' لمبے قد والے نے کہا۔ ''اپنا ریوالور نکال کر ایک طرف پھینک دو۔ اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔''

نادر علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اُس نے گہری نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔ اگر وہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش بھی کرتا تو کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ لمبے قد والے کے پاس آٹومیٹک ریوالور کی موجودگی میں اُس کے اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا جو اپنی جگہ سے ہٹ کر چٹان کے قریب چلی گئی تھی۔

''میں تمہیں صرف دس سیکنڈ دے رہا ہوں۔ ریوالور عمرازیہ کی طرف اُچھال دو۔'' لمبے قد والے نے سب مشین گن کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

نادر علی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اپنی دھمکی پر عمل کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ اُس نے لمبے قد والے کے کرخت چہرے کی طرف دیکھا اور بڑی احتیاط سے پتلون کی بیلٹ میں اڑسا ہوا ریوالور نکال کر پہلے ہتھیلی پر رکھا اور پھر اس لڑکی کی طرف اُچھال دیا۔

لڑکی نے بڑی مہارت سے ریوالور کو ہوا میں کیچ کر لیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ہوئی اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچ گئی۔

''عقلمند ہو.....آگے چلو.....اس طرف.....'' لمبے قد والے نے نشیب کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا چاہتے ہو تم لوگ؟'' نادر علی نے پوچھا۔

''یہ بات تمہارے ساتھی کے قریب پہنچ کر ہی بتائیں گے۔'' لمبے قد والے نے جواب دیا۔

اب تک ساری گفتگو وہی کرتا رہا تھا۔ اُس کا دوسرا ساتھی اور لڑکی جسے عمرازیہ کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا خاموش ہی رہے تھے۔

وہ نشیب کی طرف جانے والے تنگ سے راستے پر رُک گئے۔ نادر نے ایک بار پھر باری باری ان تینوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس سے صرف ریوالور لیا تھا، اُس کی تلاشی نہیں لی تھی۔ نادر علی کے پاس وہ خنجر اب بھی تھا جو اُس کے کوٹ کے نیچے بغل میں چھپا ہوا تھا۔

''چلو نیچے اُترو'' اس مرتبہ چھوٹے قد والے نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

نادر علی نے ایک بار پھر اُن کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر تنگ سے راستے پر نیچے اُترنے لگا۔ اس کے پیچھے لمبے قد والا تھا جس نے آٹومیٹک ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ اُس کا پستہ قامت ساتھی دوسرے نمبر پر تھا اور عمرازیہ سب سے پیچھے تھی۔

اس تنگ راستے پر اُترتے ہوئے نادر نے بڑی احتیاط سے کوٹ کے اندر ہاتھ ڈال کر بغل کے اندر چھپا ہوا خنجر نکال لیا۔ وہ جیسے ہی مڑا، لمبے قد والے نے اپنی رائفل کی جھکی ہوئی نال اوپر اٹھالی۔ لیکن اسے رائفل استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ نادر علی کے ہاتھ سے نکلا ہوا خنجر بڑی تیزی سے ہوا میں اُڑتا ہوا اُس کے حلق میں ترازو ہو گیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹریگر دب گیا اور رائفل سے نکلنے والی گولیاں چاند کو نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگیں۔

عمرازیہ کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ اُس کا پستہ قامت ساتھی بدحواس سی نگاہوں سے اپنے گرتے ہوئے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا، نادر علی نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس پر چھلانگ لگا دی۔ نادر علی کے سر کی

زوردار ٹکر اُس کے پیٹ میں لگی۔ وہ کراہتا ہوا نیچے گر گیا۔ لیکن اُس نے گرتے ہوئے نادر علی کو بھی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے نشیب میں لڑھکنے لگے۔

اس دوران لمبے قد والا آدمی جسے نادر علی نے خنجر کا نشانہ بنایا تھا تنگ سے راستے کے کنارے سے لڑھک کر بیسیوں فٹ نیچے جا گرا تھا۔ نادر علی نے دوسرے آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ڈھلوان پر لڑھک رہے تھے۔ عمرازیہ اوپر کھڑی رہ گئی تھی۔ اُس کے پاس اگرچہ نادر والا ریوالور موجود تھا لیکن اس کے حواس شاید معطل ہو گئے تھے اور غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورتحال میں اس کا ردِعمل کیا ہونا چاہئے۔ وہ لڑکی نادر علی کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن نادر علی فی الحال اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

نیچے لڑھکتے ہوئے پتھر بری طرح چبھ رہے تھے۔ نادر علی کا سر ایک پتھر سے ٹکرایا...... اُس کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ وہ اپنے حواس پر قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ شاید یہ ڈھلوان کبھی ختم نہیں ہوگی۔ پھر اچانک کسی بڑے سے پتھر سے ٹکرا کر رُک گیا۔

نادر علی کو محسوس ہوا جیسے اُس کے حواس رخصت ہو رہے ہوں۔ وہ چند لمحے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اُسے اپنے اوپر آسمان بڑی تیزی سے گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اُس نے لوٹ لگا کر اپنی جگہ سے ہٹنا چاہا تو اُس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ جس چیز سے اُس کا ہاتھ ٹکرایا تھا وہ کوئی پتھر نہیں تھا۔ اُس نے ٹٹول کر دیکھا، وہ اُس کے حریف کا ریوالور تھا جسے اُس نے گرفت میں لے لیا تھا۔

ڈھلان پر اوپر سے ابھی تک چھوٹے چھوٹے پتھر گر رہے تھے۔ وہ گھٹنوں پر بوجھ ڈال کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسے ایک بار پھر اپنے اردگرد ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

نادر علی چند سیکنڈ تک اسی طرح پڑا رہا۔ پھر گھسٹتا ہوا آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔ اُسے داہنی ٹانگ میں خاصی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے خیال میں ٹانگ کی ہڈی محفوظ تھی۔ یہ تکلیف پتھروں کے ٹکرانے سے ہوئی تھی۔ وہ گھسٹتا ہوا ایک بڑے پتھر کے قریب پہنچ گیا اور پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ جب

حواس کسی قدر بحال ہوئے تو متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

چاند گہرے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ عمرازیہ یا اُس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے عمرازیہ کسی کو پکار رہی ہو۔ یہ آواز اوپر سے آئی تھی۔ اُس نے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا، لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا۔

اُس کے چاروں طرف بڑے بڑے پتھر ٹیلوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اُس نے پہلی مرتبہ غور سے جائزہ لیا تو احساس ہوا کہ وہ اس پستہ قامت آدمی کے ساتھ گتھم گتھا لڑھکتا ہوا چٹان کے دامن میں اس جگہ گرا تھا جہاں کسی زمانے میں دریا بہتا ہوگا لیکن اب وہاں پتھروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

نادر علی کو قرب و جوار میں وہ پستہ قامت آدمی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر چٹان کی طرف دیکھنے لگا۔

چاند کچھ دیر کے لئے بادلوں سے نکل آیا تھا۔ اب وہ لڑکی کو دیکھ سکتا تھا جو بہت محتاط ہو کر اُس تنگ سے راستے پر نیچے آ رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ نادر ہی کا ریوالور تھا۔ وہ بہت محتاط انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی چٹان کے قدموں میں آ کر رُک گئی۔ اسی لمحے چاند ایک بار پھر گہرے بادلوں میں چھپ گیا اور تاریکی چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً بیس گز آگے چھوٹے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز اُبھری اور ایک آواز سنائی دی۔ ''عمرازیہ!''

وہ لڑکی کا ساتھی تھا جو سرگوشیانہ انداز میں اُسے پکار رہا تھا۔ نادر علی اپنی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور چیک کیا جو پوری طرح لوڈ تھا لیکن سیفٹی کیچ لگا ہوا تھا۔ یہ اسی پستہ قامت آدمی کا ریوالور تھا۔ سیفٹی کیچ لگا ہونے کی وجہ سے نادر علی کو یہ سمجھنے میں دُشواری پیش نہیں آئی کہ وہ شخص فی الحال اس ریوالور کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ نادر نے آہستگی سے سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ ریوالور آٹومیٹک پر سیٹ تھا جس کو اُس نے سنگل فائر پر سیٹ کر دیا۔ پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بہت محتاط ہو کر پتھر کے دوسری طرف جھانکنے لگا۔

چند گز دُور لمبے قد والا آدمی زمین پر پڑا تھا جسے نادر علی نے خنجر مارا تھا۔ خنجر کے وار اور اتنی بلندی سے پتھروں سے گرنے سے وہ ختم ہو چکا تھا۔ اُس کا پستہ قامت آدمی اُسے ہلا جلا کر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

نادر علی آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے سرکنے لگا۔ اُس کی ٹانگ میں اب زیادہ تکلیف نہیں رہی تھی۔ وہ آسانی سے چل سکتا تھا۔ وہ بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لیتا ہوا اس طرف بڑھتا رہا جہاں اُس نے آخری مرتبہ چھوٹے قد والے آدمی کو دیکھا تھا۔

''نادر علی!''

یہ سرگوشی دائیں طرف سے اُبھری تھی اور آواز بلاشبہ عمرازیہ کی تھی۔ لیکن نادر علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''نادر علی! ہوشیار رہنا۔'' عمرازیہ کی سرگوشی دوبارہ سنائی دی۔

عمرازیہ کے لہجے میں اضطراب تھا اور نادر علی کو حیرت تھی کہ وہ اسے خبردار کیوں کر رہی تھی؟ لیکن اس نے اس مرتبہ بھی جواب نہیں دیا۔ یہ بات نادر علی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عمرازیہ اپنے ساتھی کے برخلاف اسے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ عمرازیہ اُس کی ہمدرد بن کر اُس کے خلاف کسی قسم کی چال چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا۔

تقریباً پچاس گز آگے وہ بائیں طرف مڑ گیا۔ اس کے سامنے عمودی چٹان تھی اور بائیں طرف وہ کھڈ تھا جہاں لمبے قد والے کی لاش پڑی تھی۔ نادر علی اب اسی طرف بڑھ رہا تھا۔ نادر علی کو اُس کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اگر وہ اسے نہ مارتا تو لمبے قد والا اسے ختم کر دیتا اور شاید ہلاک کرنے سے پہلے اسے احتشام کی طرح بے پناہ تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا۔

اچانک چند پتھر اُس کے پیروں کے نیچے سے پھسل کر ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے۔ سناٹے میں پتھروں کے لڑھکنے کی آواز دُور تک سنی جا سکتی تھی۔ لیکن اُس کے حریف کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ نادر علی نے ایک بار پھر رُک کر صورتحال کا جائزہ لیا۔ جس تنگ راستے سے لڑھکتا ہوا وہ نیچے آیا تھا وہاں سے واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ نظروں میں آ سکتا تھا۔

''عمرازیہ۔''

یہ پستہ شخص کی آواز تھی جو عمرازیہ کو پکار رہا تھا۔ نادر علی نے آواز کی سمت دیکھا لیکن اُسے وہ شخص دکھائی نہیں دیا، نہ ہی عمرازیہ کہیں نظر آئی۔ وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا لمبے قد والے آدمی کی لاش کے قریب پہنچ گیا اور اُس کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ جیبوں سے برآمد

ہونے والی رقم کی گڈی خاصی موٹی تھی۔ نادر علی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے آٹومیٹک رائفل کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ رائفل شاید اُس کا دوسرا ساتھی لے گیا تھا۔

نادر علی سوچ ہی رہا تھا کہ نشیب کی طرف سے آٹومیٹک رائفل کا برسٹ مارا گیا...... ویرانہ فائرنگ کی آواز سے گونج اُٹھا۔ گولیاں نادر علی کے سر پر سے گزرتی ہوئی چٹان میں جا لگیں۔ نادر علی نے فوراً ہی ایک پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور اس سمت کا اندازہ کرنے لگا جہاں سے فائرنگ کی گئی تھی۔ اُسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فائرنگ کھنڈرات والی سمت سے کی گئی ہے۔

''عمرازیہ...... یہاں آؤ......'' ایک بار پھر وہ سرگوشی سنائی دی۔

لیکن عمرازیہ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ نادر علی آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُسے ایک بار پھر پتھر کے پیچھے دبک جانا پڑا۔ کیونکہ ایک بار پھر برسٹ مارا گیا تھا۔ نادر علی زمین پر لیٹ گیا اور پتھر پر سینے کے بل لیٹتا ہوا نشیب کے خشک دریا کی طرف بڑھنے لگا۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رُک گیا۔

نادر علی رینگتا ہوا کھنڈرات کے قریب پہنچ گیا۔ اچانک دائیں طرف کسی کے حرکت کرنے اور کوئی چھوٹا پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس طرف دیکھنے لگا۔ کچھ فاصلے پر شکستہ مکانوں کے ستون نظر آ رہے تھے۔ یہ اندازہ لگانا دُشوار تھا کہ اگر یہاں کوئی موجود تھا تو وہ کس ستون کے پیچھے ہو سکتا تھا؟ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ لیکن دوسری طرف خاموشی تھی۔

چند سیکنڈ گزر گئے۔ پھر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے کوئی دبے قدموں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نادر علی بھی دبے قدموں چلتا ہوا ایک شکستہ ستون کی آڑ میں پہنچ گیا۔ لیکن دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

''عمرازیہ......''

ویرانے میں ایک بار پھر عمرازیہ کے ساتھی کی سرگوشیانہ آواز اُبھری۔ لیکن یہ اندازہ لگانا دُشوار تھا کہ یہ آواز کس سمت سے آئی تھی۔ انداز سرگوشیانہ ہونے کے باوجود آواز چاروں طرف گونجتی ہوئی سی محسوس ہوئی تھی۔ آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس بار غصے میں زور سے پکارا گیا تھا۔ لیکن عمرازیہ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک نادر علی چونک گیا۔ اس سے چند قدم آگے نشیب سے ایک سر اُبھرتا ہوا نظر آیا، پھر کندھے دکھائی دیئے۔

نادر علی فوراً ہی حرکت میں آ گیا۔ اُس نے نشیب سے نمودار ہونے والے ہیولے پر چھلانگ لگا دی۔ اسی لمحے بائیں طرف سے فائرنگ کی گئی۔ نادر علی پرندے کی طرح ہوا میں اُڑتا ہوا اُس ہیولے پر جا گرا اور اُسے ساتھ لیتا ہوا نشیب میں جا گرا۔ اُسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ جس پر اُس نے چھلانگ لگائی وہ مرد نہیں عورت تھی۔ یقیناً عمرازیہ ہی تھی۔

عمرازیہ کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ نادر علی کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ نادر علی نے جلدی سے، ایک ہاتھ اُس کے منہ پر رکھ دیا، دوسرے ہاتھ سے اُس کی دونوں کلائیاں پشت پر گرفت میں لے کر اُس کی کمر پر گھٹنے سے دباؤ ڈالنے لگا۔

''منہ سے آواز مت نکالنا۔'' نادر علی کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔ ''کوئی آواز منہ سے نکلی تو گردن مروڑ دوں گا۔''

''عمرازیہ مزاحمت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اس دھمکی کے بعد اُس کی مدافعت ختم ہو گئی اور جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

''عمرازیہ......!'' عمرازیہ کے ساتھی کی آواز چٹانوں میں بازگشت پیدا کر رہی تھی۔

''میری بات غور سے سنو۔'' نادر علی نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ ''کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟''

عمرازیہ نے بڑی مشکل سے سر کو اثبات میں حرکت دی۔ اسے سینے میں سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ نادر علی نے اُس کے ہاتھ سے منہ ہٹایا اور کمر پر گھٹنے کا زور کچھ اور بڑھا دیا اور بولا۔

''تم میرے ہر سوال کا جواب دو گی۔ لیکن آواز زیادہ بلند نہیں ہونی چاہئے۔ تم لوگ کون ہو اور مجھے اس طرح گھیرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی؟'' نادر علی نے کہا۔

''نوروز، ذونارہ کے لئے کام کر رہا تھا۔ وہ میرا دوست تھا۔'' عمرازیہ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''نوروز کون؟''

''جسے تم نے قتل کر دیا۔''

''اور یہ دوسرا کون ہے؟''

''یہ بھی اُس کا ساتھی ہے۔''

''کس کا؟''

''نوروز کا۔''

''نوروز کے ساتھی کا نام کیا ہے؟''

''اُس کا نام تتارہ ہے۔''

''مجھے کیوں گھیرا گیا؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''پھر تم ان کے ساتھ کیوں تھیں؟''

''بس، میں اُن کے ساتھ تھی۔''

''سنو لڑکی! جو سچ ہے مجھے بتا دو۔''

''میں تفصیل نہیں جانتی۔'' عمرازیہ نے جواب دیا۔

''جو کچھ جانتی ہو، وہی بتاؤ۔ لیکن سچ۔''

''نوروز کا خیال تھا کہ تم شاہ کے کسی خفیہ خزانے سے واقف ہو۔''

''پھر؟''

''وہ تم سے اس کا پتہ پوچھنا چاہتا تھا۔''

''اچھا......''

''اس کے لئے ذونارہ نے نوروز کو ایک بڑی رقم دی تھی۔''

''اور تم بھی یہ خزانہ حاصل کرنے آئی تھیں؟''

''میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف رقم کی لالچ میں اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ نوروز کا خیال تھا کہ تم سے خزانے کا پتہ معلوم کرنے کے بعد وہ ذونارہ کو بھی قتل کر دے گا اور اس طرح خزانے پر اکیلا ہی قابض ہو جائے گا۔ تتارہ کو بھی دولت کا لالچ دے کر اسے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔''

''احتشام کو کس نے قتل کیا تھا؟'' نادر علی نے پوچھا۔

''نوروز نے۔'' عمرازیہ نے جواب دیا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ احتشام یہاں ہے؟''

''ہم کرمان سے ہی احتشام کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ نوروز کا خیال تھا کہ احتشام سے خزانے کا پتہ معلوم ہو جائے گا تو تم سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور تہران پہنچنے سے پہلے ہم لوگ خزانہ اپنے قبضے میں کر لیں گے۔''

''اوہ......تو پھر؟''

''لیکن وہ بڑا سخت جان ثابت ہوا۔''

''تم نے اس پر بہت تشدد کیا۔''

''نہیں، ہم نے نہیں۔''

''پھر؟''

''نوروز نے۔ وہ انسان نہیں، درندہ تھا۔ وہ تشدد کے ایسے ایسے طریقے جانتا تھا کہ پتھر بھی بولنے پر مجبور ہو جائے۔''

''احتشام نے تمہیں کچھ بتایا؟''

''نہیں، وہ تمہارے ساتھی کی زبان نہیں کھلوا سکا۔''

''کچھ دیر پہلے تم نے مجھے ہوشیار کیوں کیا تھا؟''

''مم...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' عمرازیہ نے جواب دیا۔

''کیسی مدد؟''

''نوروز ختم ہو چکا ہے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔ میں نے ہی اُسے مارا ہے۔''

''لیکن تنتارہ بھی اس سے کم خطرناک نہیں ہے۔''

''پھر کیا کرنا چاہئے؟''

''وہ تم سے خزانے کا پتہ معلوم کر کے مجھے اور تمہیں قتل کر دے گا۔'' عمرازیہ نے کہا۔

نادر علی چند لمحے خاموش رہا، پھر دونوں ہاتھوں سے عمرازیہ کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔ اُس کا اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اُس کی پتلون کی بیلٹ سے اڑسا ہوا تھا جسے اُس نے قبضے میں لے لیا۔ اس کے علاوہ عمرازیہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ نادر علی نے مطمئن ہو کر عمرازیہ کو چھوڑ دیا۔

''عمرازیہ......!'' تنتارہ کی آواز ویرانے میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس مرتبہ بہت غصے اور جھنجھلاہٹ میں پکارا گیا تھا۔

نادر علی نے ایک طرف ہٹ کر تنتارہ والا ریوالور پتلون کی جیب میں اڑس لیا اور اپنا ریوالور ہاتھ میں سنبھال لیا۔ عمرازیہ چند لمحے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑی رہی، پھر لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گئی۔ اُس کے لمبے لمبے بال شانوں پر بکھر گئے تھے۔ وہ نادر علی

سے تقریباً دو گز کے فاصلے پر تھی۔ تاریکی کے باعث نادر علی کو اُس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، پھر پتھر کی آڑ سے گردن نکال کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تاریکی میں چٹانوں کے ہیولوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

نادر علی نے آگے بڑھ کر عمرازیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے ایک طرف کھینچنے لگا۔ عمرازیہ کے خیال میں کھنڈر ان کے لئے بہترین پناہ گاہ تھی۔ وہ اس سے باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی۔ لیکن نادر علی کے سامنے وہ کوئی مزاحمت نہیں کر سکی۔

نادر علی نے محسوس کیا کہ عمرازیہ ہولے ہولے کپکپا رہی تھی۔ یہ کپکپاہٹ سردی کی وجہ سے تھی یا خوف سے، وہ کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔ بائیں طرف قدرے فاصلے پر چند شکستہ ستون نظر آ رہے تھے۔ وہ عمرازیہ کا ہاتھ پکڑے دبے قدموں اس طرف بڑھنے لگے۔

نادر علی چشم تصور سے تنتارہ کو گھات لگائے کھڑے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے البتہ عمرازیہ کو اپنے سامنے ڈھال بنا رکھا تھا۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ اگر تنتارہ نے انہیں دیکھ لیا تو فائر کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ کیونکہ عمرازیہ کی اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آگے بڑھ کر اُس نے عمرازیہ کو ایک ستون کے پیچھے دھکیل دیا اور خود بھی آڑ میں چلا گیا۔ لیکن اُس کا تحفظ غیر یقینی تھا۔ تنتارہ کہیں بھی ہو سکتا تھا، دائیں بائیں یا پیچھے تنگ سے درے میں۔

''وہ اُس طرف۔'' عمرازیہ نے سرگوشی کی۔

نادر علی نے اُس کے اشارے کی طرف دیکھا لیکن اُسے کچھ نظر نہیں آیا۔

''میں نے اُسے اس طرف حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔'' عمرازیہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

نادر علی کو اس مرتبہ بھی اگرچہ کچھ نظر نہیں آیا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ تنتارہ آس پاس ہی کہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ عمرازیہ اُس کی ہمدرد بن گئی تھی۔ عمرازیہ نے اُسے جو کہانی سنائی تھی، نادر علی نے اس پر اس حد تک تو یقین کر لیا تھا کہ وہ لوگ اس سے شاہ کے خفیہ خزانے کا پتہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس بات پر یقین نہیں کیا تھا کہ وہ تنتارہ کے ہاتھوں اپنی جان کے خوف سے اُس کے ساتھ آن ملی تھی۔ ممکن ہے یہ کوئی چال ہو اور موقع پا کر اُسے گرفت میں لینے کی کوشش کی جائے۔

اس مرتبہ نادر علی نے خود بھی تنتارہ کو سامنے لانے کی کوشش کی۔

''تنتارہ!'' اُس نے زور سے پکارا۔ ''عمرازیہ میرے قبضے میں ہے۔ وہ زخمی ہے اور

اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

جواب میں ایک جنونی قہقہے کی آواز سنائی دی۔ آواز اگرچہ گونجتی ہوئی سی تھی لیکن نادر علی اس کی سمت کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تنتارہ درّے کی سمت کسی جگہ موجود تھا۔

"تم یہیں رُکو، میں ابھی آتا ہوں۔" نادر علی نے عمرازیہ کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" عمرازیہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میرا خیال ہے تم یہیں رُکو۔"

"نہیں، میں یہاں اکیلی نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے...... چلو۔"

"ایک منٹ۔" عمرازیہ رُک گئی۔

"اب کیا ہوا؟"

"وہ اوپر موجود ہے۔"

"تو پھر؟"

"ہم آسانی سے اُس کی نظروں میں آجائیں گے۔"

"تو پھر کیا، کیا جائے؟"

"سوچنا ہوگا۔" عمرازیہ نے کہا۔

"تو جلدی سوچو۔"

"ہمیں کوئی راستہ تلاش کرنا ہوگا۔"

"ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم چاروں طرف سے کور ہیں۔ ہمیں جتنی جلد ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ورنہ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

اسی لمحے درے کی طرف سے برسٹ مارا گیا۔ گولیاں اُن کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔ ایک گولی ستون پر لگی۔ پتھر کا ایک ٹکڑا نادر علی کے کان کے پاس سے گزر گیا۔ عمرازیہ کانپ کر رہ گئی۔ نادر علی نے فائرنگ کی آواز کی سمت دیکھا۔ چٹان کی طرف اس تنگ سے راستے کے ایک طرف کسی بڑے پتھر کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔

نادر علی نے عمرازیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اس مرتبہ ان پر فائرنگ نہیں کی گئی۔ وہ مکانوں کے کھنڈرات کے اوپر سے گھومتے ہوئے پچھلی طرف نکل گئے اور ایک جگہ رک گئے۔ نادر علی نے محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر

عمرازیہ کا ہاتھ پکڑ کر اس تنگ سے راستے کی طرف دوڑ لگا دی جس سے چٹان کے اوپر پہنچا جا سکتا تھا۔ اسی لمحے ان پر دو فائر کئے گئے لیکن گولیاں اُن کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔ وہ دوڑتے ہوئے اس تنگ راستے پر پہنچ گئے اور پتھروں کی آڑ لے کر اوپر چڑھنے لگے۔

اچانک ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی قریب سے چلائی گئی تھی۔ نادر علی نے مڑ کر دیکھا، ایک انسانی ہیولا ایک طرف دوڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ تنتارہ تھا جو ایک بڑے پتھر کی آڑ لینے کے لئے دوڑ رہا تھا۔ نادر علی نے فائر کر دیا۔ گولی تنتارہ کی پیشانی پر پڑی اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

وہ دونوں اُس تنگ سے راستے پر اوپر چڑھنے لگے۔ تقریباً دو فٹ چوڑے اس راستے کے ایک طرف عمودی چٹان تھی اور دوسری طرف گہرا کھڈ۔ نادر علی نے عمرازیہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ راستے کے ایک موڑ پر پہنچ کر اُس نے عمرازیہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس سے تین چار قدم آگے نکل گیا۔ اچانک عمرازیہ کا پیر پھسل گیا۔ ایک بڑا پتھر اُس کے پیر کے نیچے سے نکل گیا تھا۔ عمرازیہ کی چیخ سن کر نادر علی تیزی سے پیچھے مڑا۔ عمرازیہ راستے کے کنارے پر اپنا توازن سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور بیسیوں فٹ گہرے کھڈ میں لڑھکتی چلی گئی...... اُس کی آخری چیخ بڑی بھیانک تھی۔

نادر علی خطرناک حد تک تیزی سے چلتا ہوا نیچے آیا۔ عمرازیہ پتھروں پر پڑی تھی۔ اُس کا جسم خون میں لت پت تھا اور اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ ختم ہو چکی تھی۔

نادر علی واپس آ گیا۔ اُسے اپنی ٹویوٹا تک پہنچنے میں پانچ منٹ لگے تھے۔ اُس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر پھینک دیا اور خود اپنی ٹویوٹا میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر کے اُس نے ٹویوٹا کا رُخ سڑک کی طرف موڑ دیا۔ کرمان کی طرف جاتے ہوئے وہ احتشام اور ذونارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ذونارہ کو کسی طرح اس کا راز معلوم ہو گیا تھا اور اس راز کے لئے احتشام کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ ذونارہ کے دو آدمی اُس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ عمرازیہ کی موت کا اُسے بہرحال افسوس تھا۔ نادر علی کو یقین تھا کہ کسی نہ کسی موقع پر ذونارہ سے آمنا سامنا ضرور ہوگا۔

سامنے مدھم سی روشنی ہو رہی تھی۔ اُس نے ٹویوٹا کی رفتار بڑھا دی۔

تہران کا موسم خوشگوار تھا۔

ایرانی انٹیلی جنس کا کرنل مظہر علی اپنے دفتر میں داخل ہوا تو اُسے پیغام ملا کہ چیف نے اُسے فوراً اپنے دفتر میں طلب کیا ہے۔ کرنل مظہر علی فوراً ہی واپس مڑا اور چیف کے دفتر کی جانب چل پڑا۔

چیف جاوید نے اُس کے سلام کا جواب دیا اور نیلے رنگ کا ایک کاغذ اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر سرخ رنگ کا کراس بنا ہوا تھا۔

''یہ پیغام گزشتہ رات موصول ہوا ہے۔'' چیف نے کاغذ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کرنل کو بتایا۔

''چار دن پہلے بڑے ڈرامائی انداز میں ایک بڑے خطرناک مجرم کو رہا کروایا گیا تھا۔ خیال ہے کہ اس میٹنگ میں شاہ کے کسی خفیہ خزانے کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی۔ بین الاقوامی خفیہ تنظیم کے دونوں آدمی اور نادر علی لاپتہ ہے۔ پولیس بڑی سرگرمی سے انہیں تلاش کر رہی ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ نادر علی ایران کی طرف فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ پولیس نے سارے راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ جیسے ہی مزید کچھ معلوم ہوا، مطلع کر دیا جائے گا۔''

''اس رپورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے کرنل؟'' چیف جاوید نے پوچھا۔ وہ ایک پستہ قامت تندمزاج آدمی تھا۔ کلین شیو، گٹھا ہوا جسم اور گنجا سر۔ وہ کوجیک کی طرح سر پر بھی باقاعدگی سے شیو کیا کرتا تھا۔

''نادر علی ایک بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے وہ کمیٹی کے محافظوں کو چکر دے کر ان کے گودام سے تقریباً نصف ٹن سونا اور کروڑوں ریال مالیت کے ہیرے جواہرات لے بھاگا تھا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا وہ گرفتار ہو گیا تھا۔ غالباً اُس کے کسی ساتھی نے غداری کی تھی۔'' کرنل مظہر علی نے جواب دیا۔

''یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔'' چیف غرایا۔ ''میں نے اس پیغام کے بارے میں تمہاری رائے پوچھی تھی۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شاہ کا کوئی خفیہ خزانہ اُڑانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ خزانہ......''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' چیف نے کرنل کی بات کاٹ دی۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''اگر شاہ نے ملک چھوڑنے سے پہلے کوئی خزانہ چھپایا تھا تو وہ یہیں ہو گا تہران میں...... اور یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ آخری دنوں میں شاہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ اُس کی سرگرمیاں اگرچہ محدود ہو گئی تھیں لیکن اُس کے چند خاص آدمی خاصے سرگرم نظر آتے تھے۔ اُس کی سرگرمیاں خاصی پراسرار تھیں۔ جب شاہ ملک چھوڑ کر فرار ہوا تو اُس کے وہ خاص معتمد بھی اُس کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ لہٰذا یہ بات خارج از امکان نہیں ہو سکتی کہ آخری دنوں میں انہوں نے کوئی بہت بڑا خزانہ کہیں چھپا دیا ہو تا کہ انقلابیوں سے محفوظ رہے۔ اُنہیں اُمید رہی ہو گی کہ انقلاب ناکام ہو جائے گا اور ایک نہ ایک دن شاہ ضرور واپس آئے گا یا بعد میں کسی وقت وہ اس خزانے کو یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ لیکن اب شاہ کی واپسی کے تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ اس کے خلاف یہ انقلاب کامیاب ہو چکا ہے۔''

''نادر علی کے جیل سے فرار کے بارے میں تفصیلی رپورٹ ہمیں پہلے بھی مل چکی ہے۔ اُسے رہا کرانے والے دونوں آدمیوں نے اپنے آپ کو مرکزی حکومت کا نمائندہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن بعد میں حکومت نے بڑی سختی سے اس کی تردید کر دی تھی۔ اب اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں کا تعلق براہِ راست شاہ سے ہو اور انہوں نے نادر علی کی مدد سے خزانے کے حصول کا منصوبہ بنایا ہو۔ لیکن بعض سرکاری اہلکار بھی درپردہ شاہ کی حمایت کرتے ہیں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس منصوبے میں حکومت براہِ راست ملوث نہ ہو بلکہ اس کے بعض افسران خفیہ طور پر شاہ کی خوشنودی اور کسی بڑے انعام کے لالچ میں اس منصوبے میں شامل ہو گئے ہوں۔ لیکن یہ بات تمہیں ذہن میں رکھنی چاہئے۔ تم تہران تک تمام سکیورٹی کو الرٹ کر دو اور نادر علی اور اسے رہا کروانے والے دونوں آدمیوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہدایات بھیج دو۔''

''یس سر۔'' کرنل مظہر نے جواب دیا۔

''اور جیسے ہی نادر علی کے بارے میں کوئی اطلاع ملے مجھ سے رابطہ قائم کرنا۔'' چیف نے کہا۔

''یس سر! میں آج ہی احکامات جاری کر دیتا ہوں۔'' کرنل مظہر نے جواب دیا اور کمرے سے نکل آیا۔

✿......✿
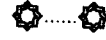
یہ اس کے دوسرے روز کی بات ہے۔

سیاہ رنگ کی ایک کار تہران کے سب سے خوبصورت پارک کے سامنے رُکی۔ اس وقت صبح کے چھ بجے تھے اور پارک کے سامنے صرف ایک سیٹرون کار کھڑی تھی جس کا شوفر نہایت انہماک سے کار کے شیشے چمکانے میں مصروف تھا۔

سیاہ کار کے ڈرائیور نے باہر نکل کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور باادب کھڑا ہو گیا۔ اندر سے کرنل مظہر نے پہلے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر نیچے اُتر آیا۔

فضا میں ہلکی سی دُھند تھی۔ ہوا کا پہلا یخ بستہ جھونکا ٹکراتے ہی کرنل مظہر علی کو جھرجھری سی آ گئی۔ اُس نے اُونی ٹوپی کانوں تک کھینچ لی۔ اوورکوٹ کا کالر گردن تک اٹھا لیا اور متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہر سُو سناٹا تھا۔ چند گز دور سیٹرون کار کا ڈرائیور بدستور کار کی صفائی میں مصروف تھا۔ اُس نے اس طرف نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں تھا۔ شاید اپنے آپ کو اس طرح مصروف رکھ کر وہ سردی کی شدت سے بچنا چاہتا تھا۔

''بلال!'' کرنل مظہر نے اپنے ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''میں چند منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔ یہیں رُک کر میرا انتظار کرو۔''

''جی بہتر۔''

وہ باوقار انداز میں چلتا ہوا پارک میں داخل ہو گیا۔ سامنے وسیع و عریض لان تھا جس کے گرد پھولوں کے پودوں کا بارڈر اور بیچ میں کہیں کہیں پودوں کی مختلف شکلوں والی کیاریاں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ سبز مخملیں گھاس کی پتیاں شبنم کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ کرنل مظہر نے فوارے کے قریب رُک کر چند لمحے متجسس نگاہوں سے اطراف میں دیکھا اور پھر پختہ روش پر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے ہوئے چلنے لگا۔ پارک میں بھی سناٹا تھا۔ اگر بہار کا موسم ہوتا تو اس وقت یہاں ہوا خوری کے لئے آنے والوں کا ہجوم ہوتا لیکن یہ مارچ کا پہلا ہفتہ تھا، یہاں کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہیں نظر آ رہا تھا۔ ایسے

یخ بستہ موسم اور ایسے وقت میں لوگ گرم گرم بستروں میں دبکے رہنا پسند کرتے ہیں۔

کرنل مظہر علی روش کے ایک موڑ پر بائیں طرف مڑ گیا۔ یہاں روش کے ساتھ ساتھ قد آور پودے تھے۔ ان گنجان پودوں کے دوسری طرف کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ایک جگہ پودوں کے درمیان خلا میں سے گزر کر دوسری طرف آ گیا۔ اس طرف بھی ایک وسیع و عریض دالان تھا اور گنجے سر والا ایک پستہ قامت شخص ننگے پیر شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس پر ٹہل رہا تھا۔ اُس کے بدن پر پتلون اور آدھے بازو کی ٹی شرٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ جاوید احمد تھا۔ اُس سے تقریباً بیس گز دُور چیف کے دو مسلح محافظ بھی مستعد کھڑے تھے۔ وہ دونوں سادہ لباس میں تھے۔ انہوں نے اوورکوٹ پہن رکھے تھے۔ سروں پر اُونی ٹوپیاں بھی تھیں جو پیشانی تک جھکی ہوئی تھیں۔ کوٹ کے اُٹھے ہوئے کالروں اور پیشانی پر جھکی ہوئی ٹوپیوں میں اُن کے چہرے تقریباً چھپ گئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھ اپنے کوٹوں کی جیبوں میں تھے۔ کرنل مظہر کو یقین تھا کہ اُن کے دائیں ہاتھ جیبوں میں رکھے ریوالوروں کے دستوں پر ہوں گے۔ کرنل مظہر نے قریب پہنچ کر چیف کو سلام کیا اور اُس کے ساتھ ہی ٹہلنے لگا۔

''زاہدان سے ایک پیغام ملا ہے۔'' چیف نے کہا اور پتلون کی جیب سے نیلے رنگ کا ایک کاغذ نکال کر کرنل کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔ ''یہ پیغام گزشتہ رات ہی ملا ہے۔''

وہ دونوں اس وقت لان کے آخری سرے پر اُونچے درختوں کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ کرنل مظہر پیغام پڑھنے لگا۔

''نادر علی زاہدان کے راستے ایران میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ کسی بھی وقت تہران پہنچ سکتا ہے۔ کمیٹی کو اس کی بھنک مل گئی ہے۔ پچھلی رات کمیٹی نے ایک مشتبہ مکان پر چھاپہ مارا تھا۔ اس کارروائی میں کمیٹی کا ایک آدمی اور مخالف سمت کے دو آدمی مارے گئے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مکان میں موجود پارٹی کا نادر علی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ نادر علی کو بھی کمیٹی کی سرگرمیوں کی اطلاع مل گئی ہو اور اُس نے کمیٹی کے آدمی کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے کرائے کے آدمیوں کے ذریعے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا ہو اور اس طرح خود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ خیال ہے کہ کرمان کی طرف گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کل رات کسی وقت تہران میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔''

''یعنی آج رات؟'' کرنل مظہر نے پیغام پڑھنے کے بعد کہا۔

"ہاں، آج رات۔" چیف کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

"پھر کیا کرنا ہے ہمیں؟"

"پیغام اگرچہ واضح نہیں ہے۔ لیکن میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ ہمیں فوری کارروائی کرنی چاہیئے۔ تم تہران میں اپنے آدمیوں کو الرٹ کر دو۔ نادر علی کو اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہونا چاہیئے...... اور نہ ہی اُسے کمیٹی کے ہاتھ لگنا چاہیے۔"

"یس سر......" کرنل مظہر علی نے کہا۔

"اور...... چلو چھوڑو۔" چیف نے قدرے تامل کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے آپ کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں اور اس جگہ کا انتخاب بھی اسی لئے کیا ہے۔ یہاں پر ہم آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ اس بات کا خطرہ نہیں کہ کوئی ہماری گفتگو سن لے گا۔" چیف نے کہا۔

"جی فرمائیے۔" مظہر علی بولا تو چیف نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہم کچھ عرصے سے ایک دوسرے منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔"

"کیسے منصوبے پر؟"

"تمہیں یاد ہوگا کہ کچھ افراد کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے تم نے کہا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔"

"ہاں، اچھی طرح یاد ہے۔" کرنل مظہر علی نے جواب دیا۔ "اور اس وقت ایران کی تقدیر اُنہی کے ہاتھ میں ہے۔"

چیف جاوید چلتے چلتے رُک گیا اور کرنل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب یہ تقدیر دوسرے ہاتھوں میں جانے والی ہے۔ فوج اور سول سروس میں نوجوان اور ترقی پسند افسروں کا ایک گروہ اُبھر کر سامنے آ رہا ہے جن کے نظریات ہمارے نظریات سے ہم آہنگ ہیں۔ انہیں وطن سے محبت ہے اور وہ اس جنونی فضا کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ روزانہ کتنے ہی بے گناہ اس جنون کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ اس خوفناک صورتحال کو ختم کر کے ملک کو امن اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ انقلاب کے بعد ملک کی معیشت تباہ ہو چکی ہے۔ رہی سہی کسر عراق نے پوری کر دی ہے۔ ترقیاتی کام رُک گئے ہیں۔ کاروبار تباہ ہو چکے ہیں۔ سرمایہ بڑی تیزی سے غائب ہو رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ

انقلاب سے پہلے چند خاندانوں نے دولت سمیٹ رکھی تھی لیکن وہ اس دولت کو ترقیاتی کام پر بھی لگا رہے تھے، اُن کا سرمایہ متحرک تھا۔ بڑے بڑے پروجیکٹ تعمیر ہو رہے تھے۔ لیکن اب یہ سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔ جن کے پاس دولت تھی وہ جان کے خوف سے یا تو ملک چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں یا چھپتے پھر رہے ہیں۔ مذہبی رہنماؤں کو دوسروں پر اعتماد نہیں ہے۔ سول سروس اور فوج کے افسران کو بھی شبہے کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس صورتحال نے بعض نوجوان افسروں میں عدم اطمینان کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس کا سدباب کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ایک لاوا ہے جو اندر ہی اندر پک رہا ہے اور پھٹ پڑنے کو بے قرار ہو رہا ہے۔"

کرنل مظہر علی کے چہرے پر حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات اُبھر آئے۔ چیف جاوید احمد نے اس سے قبل اتنی آزادی سے اس قسم کے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ آج وہ واضح الفاظ میں حکومت کا تختہ اُلٹنے کی بات کر رہا تھا۔

"مظہر علی، کیا میں تمہیں اپنے دوستوں میں شمار کر سکتا ہوں؟" چیف نے کہتے ہوئے اُس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے چیف؟"

"اعتماد تو ہے۔ لیکن یہ بات دوسری ہے۔"

"میں ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ہوں سر! اور مستقبل میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا۔" کرنل مظہر علی نے بلا تامل جواب دیا۔

"بہت خوب...... مجھے تم سے ایسی ہی اُمید تھی۔"

"سر! میں آپ کا غلام ہوں۔"

"او کے...... وقت آنے پر میں تمہیں ساری تفصیل بتا دوں گا۔ فی الحال موجودہ مشن کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" چیف نے کہا۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں چیف۔"

"تم جانتے ہو کہ ایران کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عراق نے ایران کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شط العرب اور ایران کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لے گا۔ اس نے کردوں کو بھی ایران کے خلاف بھڑکایا تھا [illegible] کے باوجود عراق کو اپنے مقصد میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔"

''جی سر، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے مذہبی رہنماؤں کے تسلط سے آزادی اور امن کے لئے ہمیں یہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔''

''لیکن سر......''

''میں نے ابھی بات پوری نہیں کی۔'' چیف نے اُسے ٹوک دیا۔

''سوری سر۔''

''اگر واقعی یہاں شاہ کا کوئی خزانہ پوشیدہ ہے تو وہ اس منصوبے میں ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

''کیا سول سروس اور فوج کے یہ افسران شاہ کو واپس لانا چاہتے ہیں؟'' کرنل مظہر علی نے پوچھا۔

''تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال تم اپنی تمام تر توجہ اس مشن پر مبذول رکھو۔ نادر علی اس وقت ہمارے لئے سب سے اہم ہے۔'' چیف جاوید احمد نے کہا۔

''یس سر......'' کرنل مظہر علی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد کرنل مظہر علی چیف سے رخصت ہو کر باغ سے نکل رہا تھا تو اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ چیف جاوید احمد نے اس پر جو راز منکشف کیا تھا وہ اُسے حکومت کے کسی اعلیٰ رُتبے پر بھی پہنچا سکتا تھا اور موت کے منہ میں بھی لے جا سکتا تھا۔

✿......✿
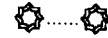
نادر علی جب کرمان پہنچا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اُس نے کرائے کی ٹویوٹا ایجنسی کو واپس کر دی اور آگے روانگی کی تیاریاں کرنے لگا۔ پہلے اُس کا پروگرام یہ تھا کہ کرمان سے بذریعہ ٹرین تہران کی طرف روانہ ہوگا۔ لیکن دشت لوط کے کنارے ان کھنڈرات میں جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے وہ خاصا محتاط ہو گیا تھا۔ ذونارہ کے دو آدمی اُس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اُن کی موت کی اطلاع ملتے ہی وہ پاگل کتے کی طرح اس کی تلاش شروع کر دے گا اور عین ممکن ہے کہ وہ کمیٹی کو بھی اس کے بارے میں اطلاع کر دے۔ ویسے بھی کمیٹی والے بڑی سرگرمی سے اُسے تلاش کر رہے تھے۔ اس لئے ٹرین کا راستہ محفوظ نہیں تھا۔ اُس نے لمبا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایک ریسٹورنٹ میں رات کا کھانا کھاتے ہی وہ مال بردار ٹرکوں کے اڈے پر پہنچ گیا۔

ایک بہت بڑا تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے کرمان کے ملک کے باقی حصوں سے مواصلاتی رابطوں کی کمی نہیں تھی۔ ریل، ہوائی جہاز اور پختہ سڑکوں کے ذریعے ملک کے تمام بڑے شہروں سے اس کے رابطے قائم تھے۔

نادر علی کے خیال میں اس وقت سفر کے لئے سڑک کا راستہ سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مال بردار ٹرکوں کے اڈے پر گھومنے کے بعد ایک ایسے ٹرک ڈرائیور سے اُس کا رابطہ قائم ہو ہی گیا جو اُسے قلی کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس کے لئے نادر علی کو ایک بڑی رقم اپنی جیب سے ٹرک ڈرائیور کی جیب میں منتقل کرنی پڑی تھی۔

مال بردار ٹرک عام طور پر رات کے وقت سفر کرتے تھے۔ نادر علی کا ٹرک بھی رات کے دس بجے کے قریب اڈے سے روانہ ہوا۔ شہر کی آخری چیک پوسٹ پر ایک بار پھر چیکنگ ہوئی لیکن اس مرتبہ معاملہ خود ٹرک ڈرائیور نے ہی نمٹا دیا تھا۔ کمیٹی والوں نے نادر علی سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ نادر علی نے سفر ٹرک کے کیبن میں سو کر گزارا تھا۔

صبح سات بجے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اگرچہ ٹرک ڈرائیور نے اُسے کاشان تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا لیکن یزد پہنچ کر اُس نے انکشاف کیا کہ آگے جانے کے لئے کم سے کم چوبیس گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ کرمان سے ٹرک پر لادا جانے والا مال یہاں اُتار دیا گیا ہے اور آگے وہ اسی وقت روانہ ہو سکتا ہے جب تک اُسے ٹرک پر لادنے کے لئے سامان نہ مل جاتا۔ بہرحال ٹرک ڈرائیور نے یہ مہربانی ضرور کی کہ اُسے ایک اور ٹرک ڈرائیور کے سپرد کر دیا جو سہ پہر چار بجے روانہ ہونے والا تھا۔ اس نئے ڈرائیور نے تھوڑی بہت رقم لے کر اُسے اپنے ساتھ لے جانے کی ہامی بھر لی۔

نادر علی اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دنوں سفر خطرے سے خالی نہیں تھا۔ جگہ جگہ چیکنگ کی وجہ سے ڈرائیور بھی کسی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن پیسے میں بڑی طاقت تھی۔ پیسہ جیب میں آتے ہی ڈرائیور خطرات کو فراموش کر دیتے تھے۔

چار بجے یزد سے روانہ ہو کر رات کے تقریباً گیارہ بارہ بجے وہ کاشان پہنچ گئے۔ نادر علی نے ٹرک ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور اڈے سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا۔

بارہ بج کر پانچ منٹ پر وہ شہر سے تقریباً دو کلومیٹر دور ایک اُجڑی ہوئی چھوٹی سی بستی میں کھڑا تھا۔ یہ بستی چند کچے مکانوں پر مشتمل تھی جو امتدادِ زمانہ سے کھنڈرات میں تبدیل

ہو چکے تھے۔ وہ ایک شکستہ دیوار کے پیچھے بیٹھ کر وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ بار بار کلائی پر بندھی ہوئی الیکٹرونک واچ کا ننھا سا بٹن دبا کر وقت دیکھ رہا تھا۔

بارہ بج کر بیس منٹ پر ان کھنڈرات میں کچھ فاصلے پر روشنی سی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ وہ کوئی ٹارچ تھی جو جل کر فوراً ہی بجھ گئی تھی۔

نادر علی نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی اور تاریکی میں اس طرف گھورنے لگا جہاں چند لمحے پہلے روشنی چمکی تھی۔ ٹھیک تیس سیکنڈ بعد روشنی پھر چمکی۔ اس مرتبہ ٹارچ دو مرتبہ جلی بجھی تھی۔ نادر علی نے بھی ٹارچ کو دو مرتبہ جلایا بجھایا اور پھر تاریکی میں گھورنے لگا۔

ایک منٹ بعد تین آدمی تاریکی سے نکل کر اُس کے سامنے آ گئے۔ دو تو دُور ہی رُک گئے اور تیسرا نادر علی کے قریب آ گیا۔

وہ عمر تھا۔ عثمان کے گروہ کا آدمی۔ دو روز پہلے اُسے عثمان نے اطلاع دی تھی کہ ایک آدمی مقررہ وقت پر ان کھنڈرات میں اس سے ملاقات کرے گا۔ وہ اُسے سادہ لباس اور ریلوے ٹکٹ دے کر تہران جانے والی ٹرین پر سوار کرا دے گا۔

عمر کا شمار بھی علاقے کے نامی گرامی مجرموں میں ہوتا تھا۔ انقلاب سے پہلے اس علاقے پر اُس کی حکمرانی تھی۔ لیکن انقلاب کے بعد خود ساختہ محافظ انقلاب، پاسداران ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اگر عمر بعض اہم آدمیوں کی گرفتاری میں کمیٹی سے تعاون نہ کرتا تو اب تک اس کا بھی تیا پانچا ہو چکا ہوتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ کمیٹی والوں نے اسے بخش دیا تھا یا نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اب بھی ان کی نگاہوں میں تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔

عمر بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا لیکن اس کے باوجود اُس کی سرگرمیوں میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ اگرچہ محتاط ہو گیا تھا لیکن اُس کی غیر قانونی سرگرمیاں اب بھی جاری تھیں۔ ان دنوں اُس کا اہم کاروبار مذہبی حکمرانوں کے زیر عتاب لوگوں کو قانون کی نظروں سے بچا کر ملک سے فرار کروانا تھا اور اس کام میں سامنے آئے بغیر وہ بڑی دولت کما رہا تھا۔ اس قسم کے کام وہ اپنے گروہ کے آدمیوں سے لیا کرتا تھا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ گزشتہ چند مہینوں میں اُس کے اس قسم کے کئی منصوبے ناکام ہو گئے تھے۔ وہ جن لوگوں سے بھاری معاوضہ لے کر انہیں ملک سے فرار کرانے کا وعدہ کرتا وہ عین وقت پر پکڑے

جاتے۔ اس طرح اُس کے تین آدمی بھی اب تک کمیٹی کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ پس منظر میں رہنے کی وجہ سے وہ خود ابھی تک بچا ہوا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اُسے اس بات کا بھی یقین ہو چکا تھا کہ اُس کے گروہ کا کوئی آدمی غداری کر رہا ہے جو کمیٹی کو اُس کے منصوبوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔

دو روز پہلے زاہدان سے عثمان نے اُسے بتایا تھا کہ ایک نہایت اہم آدمی کاشان پہنچ رہا ہے جس کے لئے عثمان نے اُسے کچھ ہدایات دے دی تھیں۔ عثمان، عمر کا بہترین دوست تھا۔ پہلے وہ اکٹھے ہی کام کیا کرتے تھے۔ پھر عثمان زاہدان چلا گیا تھا۔ ان کا بزنس اب بھی ایک ہی نوعیت کا تھا اور ان میں وقتاً فوقتاً رابطہ رہتا تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کے تعاون ہی سے اپنا بزنس جاری رکھے ہوئے تھے۔

عثمان کا فون ملنے کے بعد عمر کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ نئی مذہبی حکومت کے مخالفین تو ملک چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ پھر یہ کون تھا جو تہران جانا چاہتا تھا؟ اُس نے عثمان سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، نہ ہی اُسے کوئی تجسس تھا۔ عثمان نے بڑی سختی سے اُسے رازداری کی ہدایت کر دی تھی۔ عمر نے اس آدمی کی آمد کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو بھی عین وقت پر آگاہ کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی غدار موجود تھا تو اُسے کمیٹی والوں کو اطلاع دینے کا موقع نہ مل سکے۔ اس لئے اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی چند گز دُور ہی روک دیا تھا اور خود نادر علی کے قریب آ گیا تھا۔

"خوش آمدید۔" اُس نے نادر علی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام عمر ہے اور میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"شکریہ۔" نادر علی نے جواب دیا۔ لیکن اپنا نام نہیں بتایا۔ "مجھے اُمید ہے کہ یہ جگہ محفوظ ہوگی۔"

"ہاں، بالکل محفوظ ہے۔" عمر نے کہا اور ایک چھوٹا سا بیگ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"اس میں تمہارے کاغذات اور تہران کا ٹکٹ ہے۔"

"ٹرین کب روانہ ہوگی؟"

"ٹرین روانہ ہونے کا وقت ایک بج کر پچاس منٹ ہے۔ تم یہاں اپنی خالہ کی عیادت کرنے کے لئے آئے تھے۔ اس بیگ میں تمہاری خالہ کا ایک خط موجود ہے جو اُس نے

تمہیں دو ہفتے قبل لکھا تھا۔"

"بہت خوب۔"

"اور ہاں، تہران میں ہمارے دو آدمی موجود ہیں۔ اگر تم ان سے رابطہ قائم کرنا چاہو تو میں تمہیں ان کا پتہ دے سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اب یہ کپڑے پہن لو اور پرانے کپڑے اتار کر میرے حوالے کر دو۔ انہیں صبح تک ضائع کر دیا جائے گا۔"

نادر علی نے بیگ زمین پر رکھ دیا۔ عمر سے کپڑے لئے اور تھوڑا سا پرے ہو کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

"یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟" اُس نے لباس تبدیل کرنے کے بعد پوچھا۔

"یوں تو تم جانتے ہو کہ ایران میں آج کل قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں ہمارے لئے کچھ زیادہ ہی خطرہ ہے۔ کمیٹی والے پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں میرے گروہ میں کوئی غدار موجود ہے جو ہماری سرگرمیوں کی اطلاع کمیٹی کو پہنچا دیتا ہے۔" عمر نے بتایا۔

نادر علی کچھ پریشان سا ہو گیا اور بولا۔ "پھر تو کسی بھی وقت ہمیں گھیرے میں لیا جا سکتا ہے۔"

"نہیں......" عمر نے اطمینان سے جواب دیا۔ "عثمان نے مجھے تمہارے بارے میں ہدایت کر دی تھی۔ میں نے تمہاری آمد کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا بلکہ مشورے کے بہانے یہاں بلانے کے بعد تمہاری آمد کے بارے میں بتایا تھا۔"

"ٹھیک...... تم مطمئن ہو؟"

"ہاں۔"

"آگے کیا پروگرام ہے؟"

"میرا پروگرام یہ ہے کہ آج رات ان آدمیوں کے ساتھ گزاروں تا کہ اگر ان میں کوئی غدار موجود ہے تو اسے کمیٹی تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" نادر علی کھڑکی پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "میں چلتا ہوں۔ ٹرین کی روانگی میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی

حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ تم اپنی فکر کرو۔ ان کے ساتھ وقت گزارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو ٹرین کی روانگی تک اپنی نظروں میں رکھو، پھر جانے دو۔"

عمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا مخاطب غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اُس نے نادر علی کو اسٹیشن تک جانے کا راستہ سمجھا دیا اور الوداعی سلام کر کے اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑا۔ اُس کے دونوں ساتھی نادر علی کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔ لیکن اُس نے یہ کہہ کر انہیں چپ کرا دیا کہ وہ خود بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

پھر وہ گھر جا کر اپنے بستر پر گہری نیند سو گیا۔ رات کی مختصر سی مہم نے اُسے خاصا تھکا دیا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے وہ نادر علی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ زاہدان سے فون کرنے پر بات کرتے ہوئے عثمان نے اگرچہ یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے لیکن نادر علی کو عمر نے پہچان لیا تھا۔ بدلے ہوئے بھیس کے باوجود اُس کے منہ سے نکلے ہوئے لفظ "شکریہ" نے اس کا راز فاش کر دیا تھا۔ عمر ماضی میں ایک دو مرتبہ نادر علی سے مل چکا تھا۔ وہ جب شکریہ کا لفظ کہتا تو اُس کا لہجہ ایک عجیب سی نوعیت اختیار کر جاتا۔ اور اسی انداز سے عمر نے اُسے پہچان لیا تھا۔ لیکن اُس نے نادر علی پر یہ اظہار نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اسے پہچان گیا ہے۔

نادر علی کے جانے کے بعد رات دو بجے عمر نے زاہدان عثمان کو فون کیا تو اُس نے عمر کے اس شبہے کی تصدیق کر دی تھی۔ لیکن اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ نادر علی کس مشن پر تہران جا رہا ہے۔ لیکن اُسے ایران میں نادر علی کی آمد پر حیرت ضرور ہوئی تھی۔ ایران میں نادر علی کے سر کی قیمت مقرر تھی اور اُسے بڑی شدت سے تلاش کیا جا رہا تھا۔ اس حقیقت سے نادر علی بھی پوری طرح واقف تھا کہ اگر وہ کسی کی نظروں میں آ گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے کمیٹی والوں کے عتاب سے نہیں بچا سکے گی۔ بس یہی کچھ سوچتے ہوئے عمر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

لیکن...... رات کے آخری پہر اچانک ہی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے ہڑبڑا کر چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی خوبصورت بیوی اُس کے پہلو میں گہری نیند سو رہی تھی۔ شب خوابی کا لباس زیب تن کئے۔ چند بال اُس کے چہرے اور سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔ سحر آگیں نیلگوں روشنی میں وہ پہلے

سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

عمر یہ بھول کر کہ اُس کی آنکھ کیوں کھلی تھی، وہ اپنی بیوی کے حُسنِ خوابیدہ میں کھو گیا تھا۔ وہ چند لمحے اُس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اچانک ہی وہ چونک گیا...... مکان کے باہر گاڑیوں کے رُکنے کی آواز نے اُسے بدحواس کر دیا تھا۔ عمر کے ذہن پر طاری نیند کا خمار ہوا ہو گیا۔ وہ اُچھل کر پلنگ سے اُترا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے جیسے ہی باہر جھانکا، اُسے سینے میں اپنا سانس رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا......

وہ کمیٹی والوں کی گاڑیاں تھیں اور کمیٹی کے مسلح آدمی گاڑیوں سے اُتر کر اُس کے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عمر تیزی سے پیچھے مڑا۔ اُس کی بیوی بھی بیدار ہو گئی تھی۔ گلی میں بھاری بوٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اُس کی بیوی دہشت زدہ نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کک...... کمیٹی......'' عمر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ''جلدی چلو......''

مکان کا بیرونی دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ پھر یوں لگا جیسے دروازے کو توڑنے کے لئے اس پر کسی چیز سے ضربیں لگائی جا رہی ہوں۔ وہ دونوں خود حفاظتی کے لاشعوری جذبے کے تحت خواب گاہ سے نکل کر عقبی دروازے کی طرف بھاگے۔ لیکن خوش بختی اُن کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی وہ تیز روشنی میں نہا گئے۔ چاروں طرف سے آٹومیٹک رائفلیں اُٹھی ہوئی تھیں۔ اُن دونوں نے بڑی خاموشی سے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیئے۔ اُنہیں رائفلوں کی زد میں لے کر گاڑیوں میں ٹھونس دیا گیا۔

سب مشین گنوں سے لیس کمیٹی کے چار آدمی بھی اُن کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عمر ایک سیٹ پر تھا۔ اُس کے دائیں بائیں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے والی سیٹ پر اُس کی بیوی دو آدمیوں کے درمیان سینڈوچ بنی بیٹھی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد اُنہیں کمیٹی کے مقامی ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا۔ وہاں ایک آدمی کو دیکھتے ہی عمر پر ایک لمحے کو سکتہ طاری ہو گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن حقیقت کو جھٹلانا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ جس آدمی کو دیکھ کر وہ اس قدر بدحواس ہوا تھا وہ مقصودی تھا، اُس کا اپنا نائب۔ بارہ بجے جب عمر شہر کے نواح میں واقع کھنڈرات میں نادر سے ملنے گیا تھا تو مقصودی بھی اُس کے ساتھ تھا۔ اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ

مقصودی ہی وہ غدار تھا جو اُس کی مخبری کرتا رہا تھا۔ دوسری بات جو عمر کے ذہن میں آئی، اس نے اس کے بدن پر لرزہ سا طاری کر دیا۔ اس وقت مقصودی کا سامنے آنا اس بات کی دلیل تھی کہ اب وہ اپنے پیروں پر چل کر اس عقوبت گاہ سے باہر نہیں جا سکے گا۔

کمیٹی کے جلادوں کے بارے میں عمر بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بربریت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے تشدد سے شیطان بھی پناہ مانگتا تھا۔ یہ ان کا ظلم و تشدد ہی تھا کہ لوگ ان کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔

کمیٹی کے دو آدمی ستارہ کو بانہوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔ ستارہ چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد عمر کو بھی دو آدمی دھکیلتے ہوئے تہ خانے میں لے گئے۔

تہ خانے میں اذیت پہنچانے والے مختلف قسم کے آلات دیکھ کر عمر کا جسم پسینے میں نہا گیا۔ چند منٹ بعد مقصودی ایک اور آدمی کے ساتھ تہ خانے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا، لمبے قد اور ٹھوس جسم کی بدولت وہ کوئی ریسلر ہی لگتا تھا۔ اُس کا سر گھٹا ہوا، چہرے پر بے پناہ سفاکی اور آنکھوں میں بربریت کی جھلک نمایاں تھی۔

''اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تمہارے بہت سے منصوبے کامیاب کیوں نہیں ہو سکے تھے۔'' مقصودی نے عمر کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''آخر کار تمہاری زندگی میں یہ دن آنا ہی تھا۔ لیکن اگر تم ہم سے تعاون کرو تو تم پر یہ برا وقت بھی ٹل سکتا ہے۔ ہم صرف چند سوالوں کا جواب چاہتے ہیں۔ اگر تم ٹھیک ٹھیک بتا دو تو تمہاری جان بچ جائے گی۔''

''ذلیل...... کتے...... غدار......'' عمر نے کہا اور مقصودی کے منہ پر تھوک دیا۔ ''میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔''

''زاہدان سے آنے والا کون تھا؟ اور اس وقت کہاں ہے؟'' مقصودی نے رومال سے چہرہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ اُس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

''تم سمجھتے ہو کہ میری زبان کھلوا لو گے؟'' عمر کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ ''تم...... ذلیل...... کتے......''

مقصودی نے لمبے قد والے گنجے کو اشارہ کیا۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا عمر کی طرف

بڑھنے لگا۔ اُس کی نظریں عمر کے چہرے پر مرکوز تھیں اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ عمر کے چہرے پر خوف کے سائے رقص کرنے لگے۔ وہ اُلٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ لمبے قد والا گنجا بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ اُس کے چہرے پر سفاکی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

عمر پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جالگا۔ گنجا اُس سے دو قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔ وہ چند لمحے عمر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اچانک ہی اُس کا ہاتھ حرکت میں آ گیا...... عمر اس سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیچے جھک گیا۔ گنجے کا گھونسہ دیوار پر لگا۔ اُس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ وہ ایک دم سنبھل گیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ سہلاتے ہوئے عمر کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی تھی۔

''یہاں آنے والے خاموشی سے مار کھا لیتے ہیں اور مجھے اس میں بالکل مزہ نہیں آتا۔'' گنجے نے عمر کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تم پہلے شخص ہو جو مزاحمت کر رہا ہے۔ تم پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے واقعی لطف آئے گا۔''

گنجا اچانک عمر پر جھپٹا۔ عمر اس مرتبہ بھی اُچھل کر اپنے آپ کو بچا گیا۔ اور پھر اس کمرے میں دونوں کی اُچھل کود شروع ہو گئی۔ تین منٹ میں گنجے کا ہاتھ عمر کو ایک مرتبہ بھی نہیں چھو سکا تھا۔ مقصودی دلچسپ نظروں سے ایک طرف کھڑا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔

گنجا ایک بار پھر عمر کے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ اُس نے ایک طرف جھکائی دے کر اچانک ہی دوسری طرف سے حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ عمر مار کھا گیا۔ گنجے نے اُس پر مکوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ عمر اب بھی بچنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ اُس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں شدید ضربیں نہ لگ رہی ہوں۔

مقصودی بڑے اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ چند منٹ بعد عمر گوشت کے ڈھیر کی مانند فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ اُس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ چہرہ لہولہان تھا اور آنکھیں بری طرح سوج گئی تھیں۔

''میں انقلابی حکومت کا وفادار ہوں عمر!'' مقصودی نے کہا۔ ''بات صرف اصولوں کی ہے۔''

''تت... تم مجھ سے کچھ نہیں اُگلوا سکتے۔ ذلیل...... کتے......'' عمر نے اٹک اٹک کر کہا۔

''ہم زبان کھلوانے کے طریقے جانتے ہیں۔'' مقصودی نے کہا۔ اور دروازے پر کھڑا ہوا محافظ اُس کا اشارہ سمجھتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک نسوانی چیخ کی آواز سنائی دی اور دو آدمی ستارہ کو گھسیٹتے ہوئے اندر آ گئے۔ ستارہ کے ساتھ غالباً ابھی تک کوئی زیادتی نہیں کی گئی تھی لیکن خوف و دہشت سے اُس کا چہرہ چاک کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اُس نے جب اپنے شوہر کا حشر دیکھا تو دہشت سے اُس کا انگ انگ کانپنے لگا۔

وہ دونوں آدمی ستارہ کو بازوؤں سے پکڑے کھڑے تھے۔ مقصودی نے گنجے کو اشارہ کیا، وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ستارہ کے قریب پہنچ گیا۔ ستارہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بری طرح مچل رہی تھی۔ دونوں محافظوں نے ستارہ کی ٹانگیں پکڑ کر ٹخنوں پر ہتھکڑیوں کی طرح کے آہنی کلپ پہنا دیئے۔ ان آہنی کلپوں سے منسلک ایک موٹی زنجیر چھت تک چلی گئی تھی۔ یہ زنجیر چھت پر لگی ہوئی ایک ریل پر سے گزر کر دوسری طرف لٹکی ہوئی تھی۔

مقصودی کا اشارہ پا کر دونوں آدمی زنجیر کا دوسرا سرا کھینچنے لگے۔ ستارہ کا جسم فرش سے اُوپر اُٹھتا چلا گیا...... چند سیکنڈ بعد وہ اُلٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں دہشت تھی اور وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ اُس کے سامنے کھڑے ہوئے گنجے نے خنجر نکالا اور اس کی دھار چیک کرنے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی بکری ذبح کرنے کی تیاریاں کر رہا ہو۔

''کیا خیال ہے عمر! تمہاری بیوی پر کام شروع کیا جائے؟'' مقصودی نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''زین کو آج تک صرف مردوں سے واسطہ پڑا ہے۔ تمہاری بیوی کے خوبصورت جسم پر خنجر چلتے ہوئے اسے یقیناً ایک نیا لطف آئے گا۔''

عمر نے آنکھیں بند کر لیں اور پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخا۔ ''نہیں نہیں...... خدا کے لئے اسے کچھ مت کہو...... اس کا کوئی قصور نہیں...... یہ کچھ نہیں جانتی۔''

اچانک تہ خانے میں ستارہ کی خوفناک چیخیں گونجنے لگیں۔ عمر نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے دیکھا کہ گنجے نے ستارہ کے دونوں بازو پکڑ رکھے تھے اور محافظ اُس کی دونوں ٹانگوں کو مخالف سمتوں میں کھینچ رہے تھے۔

''اسے چھوڑ دو...... خدا کے لئے اسے چھوڑ دو۔'' عمر اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخا۔

''مم...... میں بتاتا ہوں...... تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو میں بتاتا ہوں۔''

مقصودی نے محافظ کو اشارہ کیا۔ انہوں نے ستارہ کو چھوڑ دیا۔ وہ دھپ کی آواز سے سر کے بل فرش پر گری۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ محافظوں نے اُس کے پیروں پر لگے ہوئے آہنی کلپ بھی کھول دیئے تھے۔

''ہاں...... اب بتاؤ، وہ کون تھا؟'' مقصودی نے عمر کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ میں جھوٹ برداشت نہیں کرسکوں گا اور غلط بیانی تم دونوں کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''وہ نادر علی تھا۔'' عمر نے جواب دیا۔ ''نادر علی...... وہ رات ایک بج کر پچیس منٹ والی ٹرین سے گیا ہے۔''

اس کے چند منٹ بعد ہی کمیٹی کے تہران ہیڈ کوارٹر کو اطلاع ملی کہ نادر علی صبح کی ٹرین سے تہران پہنچ رہا ہے۔ نادر علی کمیٹی کو سب سے زیادہ مطلوب آدمی تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی سی مچ گئی۔ صبح ہونے سے پہلے ہی تہران کے ریلوے اسٹیشن کو کمیٹی کے آدمیوں نے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہ اطلاع کسی طرح انٹیلی جنس تک بھی پہنچ گئی۔ کرنل مظہر علی اور اُس کے آدمی بھی حرکت میں آگئے۔

صبح ساڑھے نو بجے ٹرین تہران اسٹیشن پر پہنچی تو ایک ایک آدمی کو چیک کیا جانے لگا۔ کمیٹی کے آدمی اس چیکنگ میں بھی بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کررہے تھے۔ یہاں تک کہ عورتوں کے بال کھینچ کر اوران کے جسموں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا گیا لیکن نادر علی نہیں ملا۔

اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے۔ عمر کاشان میں کمیٹی کے ہیڈ کوارٹر کی عمارت کے تہہ خانے میں فرش پر گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کی صورت میں پڑا زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ مقصودی اور اس کے آدمیوں کو اس کی سلامتی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ اس لئے اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کررہے تھے کہ وہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر میں عمر نے آنکھیں کھول دیں اور گہرے سانس لیتا ہوا ویران سی نظروں سے مقصودی کو دیکھنے لگا۔

''تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے عمر!'' مقصودی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''کیسے؟''

''نادر علی تہران پہنچنے والی ٹرین پر نہیں تھا۔ ٹرین سے اُترنے والے ایک ایک مسافر کو چیک کیا گیا ہے۔''

''مم...... میں نے...... دھوکہ نہیں دیا۔ وہ...... وہ اُسی ٹرین سے روانہ ہوا تھا۔'' عمر نے رُک رُک کر کہا۔

''تم بکتے ہو۔'' مقصودی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے۔ کیونکہ ہم نے تمہاری بیوی کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک کیا ہے۔'' پھر وہ قریب کھڑے ہوئے محافظ کی طرف مڑا اور بولا۔ ''ذرا اس کی چہیتی کو اندر لاؤ۔ دیکھیں اس کی قوت برداشت کہاں تک ساتھ دیتی ہے۔''

''نہیں نہیں...... رُک جاؤ۔'' عمر چیخ اُٹھا۔

''لے کر آؤ۔'' اُس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''نہیں...... میری بیوی کو اب مت لانا...... وہ...... وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی اور...... میں...... میں اُسے نہیں دیکھ سکوں گا۔'' وہ التجا کررہا تھا۔

''تو پھر وہ بات بتاؤ جو ہم سننا چاہتے ہیں۔'' مقصودی نے کہا۔

''کون سی بات؟''

''نادر علی تہران میں کب اور کہاں مل سکتا ہے؟''

''مم...... میں سچ کہتا ہوں۔'' عمر رُک رُک کر بولا۔

''کیا سچ کہتے ہو؟''

''کہ مجھے اس کے پروگرام کا...... کوئی علم...... نہیں...... لیکن...... میرا خیال ہے وہ بازار ولی عصر کے علاقے میں...... کیفے دشت میں حمادی سے...... ملنے کی کوشش...... کرے گا...... وہ...... اُس کا گہرا دوست ہے۔ اور جب...... وہ تہران میں تھا...... اُس سے اکثر...... ملا کرتا تھا۔''

''گڈ......!'' مقصودی کی آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی۔

''خدا کے لئے ہمیں چھوڑ دو۔''

''اب تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔'' اُس نے جیب سے پستول نکالا اور عمر کے سر پر فائر کردیا...... عمر کے منہ سے ایک بھیانک سی چیخ نکلی اور وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اُس کے سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ مقصودی ایک محافظ کی طرف مڑ گیا۔

''اس کی بیوی کو بھی لے آؤ...... اب وہ حسینہ اس دنیا میں اکیلی رہ کر کیا کرے گی؟''

ویسے بھی ایران جیسی سرزمین پر اس جیسی بدکردار عورتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔'' مقصودی نے نہایت سفاکانہ انداز میں کہا۔

کچھ ہی دیر کے بعد دو آدمی ستارہ کو گھسیٹتے ہوئے لے آئے۔ عمر کی حالت دیکھ کر وہ چیختی ہوئی اُس کی طرف دوڑی۔ وہ عمر کو دیکھنے کے لئے اُس پر جھکی ہی تھی کہ تہہ خانہ ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اُٹھا...... دو گولیاں ستارہ کے پہلو کو چیرتی ہوئی دل میں پیوست ہو گئیں اور وہ بھیانک انداز میں چیختی ہوئی عمر کی لاش پر ڈھیر ہو گئی۔

✿......✿
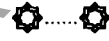
نادر علی نے اس صورتحال کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ ویسے بھی اُس کی منزل تہران نہیں تھی۔ صبح سات بجے کے قریب وہ تہران سے تقریباً پینتالیس کلومیٹر دُور ایک اسٹیشن پر اُتر گیا۔ پچھلے تمام اسٹیشنوں کی طرح اس اسٹیشن پر بھی ضرورت سے زیادہ تعداد میں پولیس اور کمیٹی والے نظر آ رہے تھے۔ چھ سات مسافر اُس کے ساتھ ٹرین سے نیچے اُترے تھے۔ ان مسافروں میں ایک ادھیڑ عمر عورت بھی شامل تھی جس کے ساتھ دس بارہ سال کی عمر کی ایک لڑکی اور تقریباً ڈھائی سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا۔ عورت ان بچوں کے ساتھ نادر علی والے ڈبے سے ہی اُتری تھی۔ ڈبے میں اُن کی سیٹیں قریب قریب تھیں اور نادر علی راستے میں اس ڈھائی سالہ بچے سے باتیں کرتا ہوا آیا تھا۔

کمسن لڑکی نے حجاب پہن رکھا تھا جس سے نہ صرف اُس کے کندھے اور سر پوری طرح ڈھک گیا تھا بلکہ چہرے کا کچھ حصہ بھی چھپ گیا تھا۔ جبکہ ادھیڑ عمر عورت نے سیاہ رنگ کی چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ ہاتھوں کے علاوہ اُس کا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں سے ہی نادر علی نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہو گی۔

انقلاب سے پہلے ایران میں خواتین کو مکمل آزادی تھی۔ لباس کے معاملے میں بھی ایرانی خواتین آزاد تھیں۔ زیادہ تر یورپین لباس ہی پہنا جاتا تھا۔ بعض خواتین تو اس قسم کا لباس استعمال کرتی تھیں کہ یورپین خواتین بھی شرما جاتیں۔

درمیانے اور نچلے طبقے کی خواتین میں پھر بھی شرم و حیاء کا مادہ کسی قدر موجود تھا لیکن اونچے طبقے کی خواتین نے بے حیائی میں تو یورپ کی خواتین کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کی رونق انہی سے تھی۔ لیکن انقلاب کے ساتھ ہی صورتحال تبدیل ہونے

لگی۔ رنگین تتلیوں کی طرح ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں نظر آنے والی خواتین غائب ہونے لگیں۔ بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز اور مارکیٹیں اُن کی رونق سے محروم ہو گئیں۔ جب بے پردہ خواتین کو سزا دینے کا سلسلہ شروع ہوا تو سڑکیں بھی ویران نظر آنے لگیں۔ آزادی پسند خواتین نے پکڑے جانے اور سزا کے خوف سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ چادر اور حجاب کو خواتین کے لئے لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ اب جن خواتین کو کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکلنا ہوتا تھا وہ چادر میں اس طرح لپٹی ہوتیں کہ جسم پوری طرح چھپ جاتا۔ دس سال سے اوپر کی بچیوں کے لئے بھی حجاب لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔

یہ عورت اپنے بچوں کے ساتھ ٹرین میں داخل ہوئی تھی اور بچہ اور بچی اگرچہ راستے میں باتیں کرتے رہے تھے نادر علی سے۔ لیکن اس عورت سے بات کرنے کا ایک مرتبہ بھی موقع نہیں ملا تھا۔

اسٹیشن پر اُترتے ہی نادر علی نے اندازہ لگا لیا کہ پچھلے اسٹیشنوں کی طرح یہاں بھی چیکنگ ہو رہی تھی۔ ٹرین سے اُترنے والے دو مسافروں کو کمیٹی کے تین آدمیوں نے روک لیا تھا اور اُن کے کاغذات چیک کئے جا رہے تھے۔

نادر علی کے پاس تہران تک کا ٹکٹ تھا۔ گیٹ پر ٹکٹ چیک کرنے کی صورت میں اُسے بھی روک کر پوچھ گچھ کی جا سکتی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ پلیٹ فارم کے خارجی گیٹ پر ٹکٹ کلکٹر کے قریب کھڑا ہوا ایک آدمی مشتبہ نگاہوں سے آنے جانے والوں کو گھور رہا تھا۔

نادر علی اُس چادر پوش خاتون سے چند گز کے فاصلہ پر تھا۔ بچہ غالباً ضد کر رہا تھا کہ اسے گود میں اٹھا لیا جائے اور عورت اُسے ڈانٹ رہی تھی۔ اُس کے پاس دو بیگ بھی تھے۔ ایک بیگ بچی نے اٹھا رکھا تھا اور دوسرا چادر پوش عورت سنبھالے ہوئے تھی۔ نادر علی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ کر بچے کو گود میں اٹھا لیا اور گیٹ کی طرف چلنے لگا۔ چادر پوش عورت نے اُس کی اس حرکت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

وہ جیسے جیسے گیٹ کے قریب پہنچ رہے تھے نادر علی کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ ایک مسافر ان سے پہلے گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ قد کاٹھ میں وہ نادر علی کے برابر تھا۔ وہ ٹکٹ کلکٹر کو ٹکٹ دے کر جیسے ہی آگے بڑھنے لگا، گیٹ پر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے اُسے روک لیا۔

اسی دوران نادر علی اس چادر پوش خاتون اور بچوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس سے پہلے پہنچنے والا مسافر جیب سے کاغذات نکال رہا تھا۔ نادر علی نے اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بچے کے کولہے پر زور سے چٹکی کاٹ دی۔ بچہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اُٹھا۔

"کیا ہوا؟ بچہ کیوں رو رہا ہے؟" یہ سوال اُس آدمی نے کیا تھا جو پہلے بچے کے کاغذات چیک کر رہا تھا۔

"شاید پیٹ میں تکلیف ہے۔ بہت دیر سے پریشان کر رہا ہے۔" نادر علی نے جواب دیا۔

"سامنے والی سڑک پر تقریباً ایک فرلانگ آگے کلینک ہے۔ اسے وہاں لے جاؤ۔" اُس شخص نے اشارہ کیا۔

ٹکٹ کلکٹر نے بھی ان پر توجہ نہیں دی تھی۔ نادر علی ان لوگوں کو لے کر اسٹیشن کی عمارت سے نکل آیا۔ کچھ ہی فاصلے پر دو کھٹارہ سی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ چادر پوش عورت ایک ٹیکسی کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ نادر علی نے بچے کو گود سے اُتار دیا۔ چٹکی کاٹنے پر دل ہی دل میں اُس سے معذرت کی اور اُس کے رخسار کو تھپتھپاتا ہوا خدا حافظ کہتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، پلیٹ فارم کا گیٹ یہاں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

یہ بہت بڑا قصبہ تھا۔ بازار کی بعض دُکانیں کھل چکی تھیں لیکن سڑکوں پر ابھی زیادہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ نادر علی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تقریباً دس منٹ بعد بس اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ بس تیار ہی کھڑی تھی۔ نادر علی ٹکٹ لے کر بس میں سوار ہو گیا۔

پھر وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ بس اسٹیشن سے نکل کر نادر علی نے ایک ریسٹورنٹ میں ناشتہ کیا۔ ریسٹورنٹ سے نکل کر بظاہر بے فکری سے چلتا ہوا وہ سوغان اسٹریٹ پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس کا ایک پرانا ساتھی رہتا تھا۔

نادر علی نے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ تقریباً دو منٹ بعد ایک فربہ اندام عورت نے دروازہ کھولا اور نادر علی پر نظر پڑتے ہی بری طرح چونک پڑی۔

"اوہ...... نادر علی تم؟" اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں میں۔"

"آؤ آؤ...... اندر آؤ۔"

نادر علی اندر داخل ہو گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

"میرا دوست کہاں ہے؟"

"کون دوست؟"

"شعیب اور کون۔"

"کام پر گیا ہے۔"

"میرا پیکٹ مل گیا تھا؟"

"ہاں۔ لیکن میں پیکٹ بعد میں لاؤں گی پہلے ناشتہ بنا کر لے آؤں۔" عورت نے کہا۔

"میں ناشتہ کر کے آیا ہوں۔ البتہ ایک کپ کافی پی لوں گا۔" نادر علی نے کہا۔

شعیب کی بیوی اُسے کمرے میں بٹھا کر کافی بنانے چلی گئی۔ بظاہر وہ ایک سیدھی سادی خاتون نظر آتی تھی لیکن درحقیقت بڑے مضبوط دل گردے کی عورت تھی۔ چند منٹ بعد وہ کافی کی ٹرے اور ایک پیکٹ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"یہ رہا تمہارا پیکٹ۔" اُس نے پیکٹ نادر کے قریب ایک کرسی پر رکھ دیا۔ نادر علی نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُس کی طرف اُچھال دیا۔

"اور یہ رہا تمہارا نذرانہ۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شعیب کی بیوی نے لفافہ اٹھا کر کھولا تو اندر رکھے ہوئے نوٹ دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ "اوہ...... یہ تو بہت زیادہ ہے۔"

"نادر علی اپنے دوستوں کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔" نادر علی نے کہا اور کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ جب شعیب کے گھر سے نکلا تو ایک بدلا ہوا انسان تھا۔ اُس کے چہرے پر چھوٹی سی داڑھی اور گھنی مونچھیں نظر آ رہی تھیں۔ جسم پر کسانوں والا لباس تھا۔ شناختی کارڈ کی رو سے وہ آذربائیجان کا ایک کاشتکار تھا۔ اس کے پاس حکام جاری کردہ ایک خصوصی اجازت نامہ بھی تھا جس کی رو سے وہ مویشیوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں کہیں بھی جا سکتا تھا۔

وہ سہ پہر چار بجے کے قریب ٹرین سے تہران اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ اسٹیشن پر حسب معمول چیکنگ ہو رہی تھی۔ لیکن اُسے کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔ پُر ہجوم گیٹ سے گزرتے ہوئے وہ ایک شخص کا دھکا لگنے سے لڑکھڑا گیا۔ اُس نے گھوم کر دیکھا تو ایک طویل قامت شخص تیزی سے باہر نکل رہا تھا۔ اُس کا رُخ باہر کھڑی سیاہ رنگ کی کار کی طرف تھا۔ نادر علی نے

اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ وہ انٹیلی جنس کا مظہر علی تھا۔

✿......✿

بازار کے چوراہے پر واقع کیفے، کمیٹی کے سادہ لباس آدمیوں کے نرغے میں تھا۔ دو آدمی داخلی دروازے کی نگرانی پر مامور تھے۔ ان میں ایک قدرے بھاری بھرکم تھا اور دوسرا دُبلا پتلا سا نوجوان جس کی عمر بمشکل بیس سال رہی ہوگی۔ اُس کے چہرے پر چھوٹی سی بے ترتیب داڑھی تھی۔ ویسے یہ داڑھی اُس کے چہرے پر بے حد بھلی لگ رہی تھی۔

دو آدمی کیفے کے عقبی دروازے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے کوٹ پہن رکھے تھے جن کی دائیں جیبیں بوجھ سے کسی قدر لٹک رہی تھیں اور ظاہر ہے جیب کا یہ بوجھ ریوالور یا پستول کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا تھا۔

ایک آدمی کیفے میں بیٹھا ہوا گاہکوں کے ساتھ خوش گپیاں کر رہا تھا۔ کیفے میں گاہکوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن جو لوگ موجود تھے وہ اپنے ساتھیوں سے بھی بات چیت میں بہت محتاط نظر آ رہے تھے۔ پبلک مقامات پر یوں بھی لوگ سیاست یا ملک کے موجودہ حالات پر گفتگو کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور اگر کبھی باتوں کے درمیان سیاست کا موضوع نکل بھی آتا تو انقلاب کے حق میں بات کی جاتی۔ یہ سب ہی جانتے تھے کہ کسی پبلک مقام پر انقلاب یا کسی مذہبی رہنما کے خلاف کوئی بات کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے لوگ آپس کی بات چیت میں بھی خاصے محتاط تھے اور کسی اجنبی کی موجودگی میں تو کوئی ایسی ویسی بات کا منہ سے نکلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

کیفے دشت سے کچھ دُور حسن اسٹریٹ پر سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی تھی جس میں کمیٹی کا مقامی سربراہ خرم احمد بیٹھا تھا۔ قریبی گلیوں میں کچھ اور کاریں بھی موجود تھیں اور ان سب کا آپس میں ریڈیو کنٹرول کے ذریعے رابطہ قائم تھا۔

خرم احمد چوڑے شانوں والا بھاری بھرکم آدمی تھا۔ دو روز پہلے اسے کاشان سے اطلاع ملی تھی کہ نادر علی تہران کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ خرم اپنے آدمیوں کو لے کر صبح سویرے ہی ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا تھا۔ جب ٹرین اسٹیشن پر آ کر رُکی تو اُسے پوری طرح گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ ایک ایک مسافر کو چیک کیا گیا۔ بعض مشتبہ افراد کو حراست میں لے کر پوچھ گچھ بھی کی گئی لیکن نادر علی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اُسی روز خرم نے اسٹیشن پر انٹیلی جنس کے کرنل مظہر علی کو بھی اپنے چند آدمیوں کے ساتھ

دیکھا تھا۔ کرنل مظہر کو وہاں دیکھ کر خرم اُلجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کیا انٹیلی جنس کو بھی نادر علی کے بارے میں اطلاع مل گئی ہے؟ خرم کے پاس اس سوال کا فی الحال کوئی جواب نہیں تھا۔ لیکن اُس نے کرنل مظہر سے محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

تہران ریلوے اسٹیشن پر مایوسی کے بعد خرم نے کمیٹی کے کاشان آفس کو بھی صورتحال سے آگاہ کر دیا اور کاشان سے تہران تک تمام ریلوے اسٹیشنوں کو یہ ہدایات جاری کر دی گئیں کہ اس ٹرین سے کسی مشتبہ آدمی کو اُترتے ہوئے دیکھا گیا ہو تو اس کے بارے میں اطلاع دی جائے۔

دوپہر بارہ بجے کے قریب رباط سے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ایک آدمی کو ایک عورت اور دو بچوں کے ساتھ مشتبہ انداز میں اسٹیشن سے باہر آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی خرم کار پر رباط روانہ ہو گیا۔

اُس کی اطلاع کے مطابق اس اسٹیشن پر چھ سات مسافر اُترے تھے۔ تمام مسافروں کے کاغذات چیک کئے گئے تھے۔ وہ اسی قصبے کے رہنے والے تھے۔ ہاں البتہ ایک آدمی کو چیک نہیں کیا گیا تھا جو ایک عورت اور دو بچوں کے ساتھ تھا۔ اس آدمی نے ڈھائی سالہ بچے کو گود میں اُٹھا رکھا تھا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ پوچھنے پر اُس شخص نے بتایا کہ اس بچے کے پیٹ میں درد ہے۔ پلیٹ فارم کے گیٹ پر موجود کمیٹی کے آدمی نے اُسے کلینک لے جانے کا مشورہ دیا لیکن تقریباً ایک گھنٹے بعد اُس کمیٹی کے آدمی کے ذہن میں اچانک ہی خیال آیا کہ کلینک جا کر اس بچے کے بارے میں معلوم کرے۔ لیکن وہاں جا کر پتہ چلا کہ کمسن بچے کو وہاں علاج کے لئے نہیں لایا گیا۔

اس شخص کے بارے میں نجانے کیوں خرم کے ذہن میں شبہ جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ اُس نے تحقیقات کا فیصلہ کر لیا۔ تحقیقات کا آغاز اُس نے ریلوے اسٹیشن کے سامنے ٹیکسی اسٹینڈ سے کیا۔ ٹرین کی آمد کے وقت یہاں عام طور پر تین چار ٹیکسیاں کھڑی رہا کرتی تھیں۔ لیکن اس روز صرف دو ٹیکسیاں تھیں۔ اس ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی جو صبح چادر پوش عورت اور بچوں کو لے کر گیا تھا۔

''صبح کاشان سے آنے والی ٹرین سے اُترنے والے مسافر کو تم کہاں لے گئے تھے؟'' خرم نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔ وہ اس وقت کمیٹی کے مقامی دفتر میں موجود تھے۔ یہ دفتر ایک رہائشی مکان کے دو کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے کو حوالات کے طور پر استعمال کیا جا

رہا تھا جبکہ دوسرے کمرے میں دفتر قائم تھا۔ اس میں ایک ٹوٹی ہوئی میز اور چند جھولتی ہوئی کرسیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"خانم اور اس کے دونوں بچوں کو میں نے خیابان اسد پر واقع ان کے مکان کے سامنے اتار دیا تھا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اور وہ آدمی...... اُسے کہاں اتارا تھا؟" خرم نے اُسے گھورا۔

"اُن کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

خرم چند لمحے اُسے گھورتا رہا، پھر اُس کا بھرپور تھپڑ ٹیکسی ڈرائیور کے گال پر پڑا۔ یہ صورتحال ٹیکسی ڈرائیور کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ وہ کرسی سمیت پیچھے اُلٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا، خرم نے اُٹھ کر اُس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ڈرائیور بلبلاتا ہوا فرش پر لوٹتا رہا۔

"میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔ اُس آدمی کو تم نے کہاں اتارا تھا؟" خرم نے اُس کی کھوپڑی پر ایک اور ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ اُن کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔" ڈرائیور کراہتے ہوئے بولا۔

"لیکن میری اطلاع کے مطابق وہ عورت ٹرین سے اُتری تھی تو اُس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس نے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔ اور تم کہتے ہو کہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔" خرم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ...... وہ آدمی......" ڈرائیور اپنے آپ کو ایک اور ٹھوکر سے بچاتے ہوئے چیخا۔

"ہاں بتاؤ...... وہ آدمی۔"

"وہ...... وہ اُن کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ خانم اور بچوں کو ٹیکسی تک چھوڑ کر وہ بازار کی طرف چلا گیا تھا۔ ممکن ہے وہ بعد میں گھر پہنچا ہو لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

خرم چند لمحے ٹیکسی ڈرائیور کو گھورتا رہا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ اُس نے عورت کے گھر کا پتہ پوچھنے کے بعد ڈرائیور کو چھوڑ دیا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ اس مکان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دستک کے جواب میں دروازہ ایک عورت نے کھولا تھا۔ لیکن وہ اس طرح دروازے کی آڑ میں کھڑی تھی کہ اُس کا چہرہ پوری طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کس سے ملنا ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"آج صبح کاشان والی ٹرین سے یہاں کون آیا تھا؟" خرم نے پوچھا۔

"میں آئی تھی۔ اپنے بچوں کے ساتھ...... کیوں...... تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں کمیٹی کے تہران آفس کا سربراہ ہوں۔ تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے اندر آنے کے لئے نہیں کہو گی؟" خرم نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ عورت نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ کمیٹی والوں کے سامنے مزاحمت کرنے کا مطلب اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے مترادف تھا۔

خرم کو اپنے سامنے دیکھ کر عورت کے چہرے کی ہوائیاں سی اُڑنے لگیں۔ وہ اس وقت گھریلو لباس میں تھی۔

"کیا تم ایسا ہی لباس پہنتی ہو؟" خرم نے اُسے گھورا۔

"نن...... نہیں...... یہ تو گھر میں پہننے کا لباس ہے۔" عورت ہکلائی۔ اُس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔

"تمہارا شوہر کہاں ہے؟"

"وہ کام کے سلسلے میں رُک گیا ہے۔ میں بھی وہیں گئی ہوئی تھی اپنی ماں کے پاس۔ آج صبح ہی بچوں کو لے کر واپس آئی ہوں۔ میرا شوہر ایک دو روز بعد آئے گا۔ لیکن...... کمیٹی کو ہم سے کیا دلچسپی ہے؟ ہم نے کبھی کوئی جرم نہیں کیا۔ میرے شوہر نے ہمیشہ انقلاب کی حمایت کی ہے۔"

"ہوں......" خرم ہنکارہ بھرتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ وسیع سٹنگ روم تھا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور قیمتی صوفے قرینے سے آراستہ تھے۔ درمیان میں شیشے کے ٹاپ والی کافی ٹیبل پڑی تھی۔ قالین پر تین چار کھلونے بھی بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مینٹل پیس پر چند اور چیزوں کے علاوہ تصویر کا ایک فریم بھی رکھا ہوا تھا۔ اس تصویر میں ایک عورت اور ایک مرد تھا۔ مرد نے پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور عورت نے بھی یورپی لباس پہن رکھا تھا۔ تصویر کو دیکھ کر خرم کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کئی سال پہلے کی اسی عورت کی تصویر تھی جو اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ گھوم کر عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی حسین عورت تھی۔

"صبح تمہارے ساتھ آنے والا مرد کون تھا؟" اُس نے عورت کے چہرے پر نظریں

جماتے ہوئے پوچھا تو وہ بولی۔

''م...... میرے ساتھ...... کوئی مرد نہیں تھا۔'' وہ عورت اس کا سوال سن کر ہی کانپ اٹھی تھی۔ اُس نے صوفے پر پڑی ہوئی سیاہ چادر اُٹھا کر جسم پر اوڑھ لی۔

''میں اُس آدمی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو کاشان سے تمہارے ساتھ آیا تھا۔'' خرم نے کہا۔

''کاشان سے؟'' عورت کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

''ہاں۔''

''میں کاشان سے نہیں آئی اور نہ ہی وہاں سے آنے والے کسی مرد کو جانتی ہوں۔''

''میں تمہارے اس دوست کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو ٹرین سے اُترتے وقت تمہارے ساتھ تھا اور جس نے تمہارے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔'' خرم نے ایک بار پھر اُس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''اوہ...... وہ......؟'' عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ہاں۔''

''لیکن میں اُسے نہیں جانتی۔ وہ ٹرین میں میرے بچوں سے مانوس ہو گیا تھا۔ اور جب ہم ٹرین سے اُترے تو میرا بچہ ضد کر رہا تھا کہ اُسے گود میں اٹھا لوں۔''

''پھر؟''

''میرے پاس بیگ بھی تھا۔ میں اُسے گود میں نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ بچے کو روتے اور ضد کرتے دیکھ کر اجنبی نے اُسے گود میں اٹھا لیا اور پھر ہمیں ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب چھوڑ کر چلا گیا تھا۔''

''میں اُس اجنبی سے تمہارا تعلق جاننا چاہتا ہوں۔'' خرم احمد نے کہا۔

''م...... میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' عورت ایک بار پھر کانپ گئی۔

''تم جھوٹ بولتی ہو۔''

''میں ایک شریف عورت ہوں...... میں نے کسی غیر مرد کی طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔'' اُس نے کہا۔

''لیکن وہ تمہارا ہم سفر تھا اور اُس نے تمہارے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔'' خرم نے اُس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''ہم سفر ہونا محض اتفاق ہے اور میرے بچے کو اُس نے محض انسانی ہمدردی کی بنا پر گود میں اٹھایا تھا۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''دیکھو......'' خرم نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''

''اگر تم بتا دو گی کہ وہ کہاں ہے۔''

''مجھے اُس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''اگر تم نے سچ نہیں بتایا تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔''

''کیسے نتائج؟''

''تم پر سختی بھی کی جا سکتی ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''میں نے کہا نا میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''یہ سچ نہیں ہے۔''

''میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ اُس اجنبی کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔''

عورت رو پڑی۔

خرم چند لمحے اُسے گھورتا رہا، اور پھر اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تمام کمروں میں گھومتا رہا۔ عورت مجرمانہ انداز میں سر جھکائے اُس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ پورا گھر قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا جس سے اہل خانہ کی مالی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

''تمہارا شوہر کیا کرتا ہے؟'' خرم نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''وہ پھلوں کا بیوپاری ہے۔ باغات کے ٹھیکے لیتا ہے۔'' عورت نے جواب دیا۔

''کیا تم جیسی جوان اور حسین عورت شوہر کے بغیر رہ سکتی ہے؟'' خرم نے کہا۔

عورت کا چہرہ یکدم سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن ہونٹ کپکپا رہے تھے اور منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ خرم کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''تمہارے بچے کہاں ہیں؟''

''کچھ دیر پہلے باہر نکلے ہیں۔ پڑوس کے کسی مکان میں ہوں گے۔'' عورت نے جواب دیا۔

"تمہارا دوست تمہیں ٹیکسی میں بٹھانے کے بعد کہاں گیا ہے؟" خرم نے ایک بار پھر اپنا وہی سوال دہرایا۔

"وہ میرا دوست نہیں تھا۔ میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" عورت نے جواب دیا۔ خوف کے ساتھ اب غصہ بھی اُس پر غالب آنے لگا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا وہ نوکیلے ناخنوں سے اُس کا منہ نوچ لے۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے اگرچہ کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ کمیٹی کے کسی آدمی کے ساتھ اس طرح کا طرزِ عمل اُس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ لہٰذا وہ محتاط بھی تھی۔

"اُس کا حلیہ بتا سکتی ہو؟" خرم نے پوچھا۔

"میں نے اُسے غور سے نہیں دیکھا۔ البتہ جو کچھ سمجھ آ رہا ہے بتا دیتی ہوں۔" عورت نے کہا اور اُسے اجنبی کا حلیہ بتانے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" خرم نے کہا۔ "میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں۔ لیکن اگر اُس آدمی سے تمہارا تعلق ثابت ہو گیا تو تمہیں کمیٹی کے فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

خرم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مکان سے باہر نکل گیا۔ اپنے عقب میں اُس نے دھڑ سے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

یہاں مزید تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ اس حلیے کا ایک آدمی صبح ساڑھے سات بجے والی بس پر سوار ہوا تھا اور اُس نے ٹکٹ خریدا تھا۔ خرم کمیٹی کے مقامی آدمیوں کو اُس عورت کے بارے میں ہدایات دیتا ہوا خود بھی بس پر روانہ ہو گیا۔

اُس کا یہ شبہ پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ اسٹیشن پر اُترنے والا وہ آدمی نادر علی ہی ہے۔ وہ بے حد چالاک تھا۔ اُسے بھی یقیناً یہ شبہ ہو گیا ہوگا کہ اگر کاشان میں عمر پکڑا گیا تو وہ کمیٹی کو اس کے بارے میں بتا دے گا کہ وہ ٹرین سے تہران کے لئے روانہ ہوا ہے۔ نادر علی کو یقیناً یہ خیال ہوگا کہ تہران میں اس ٹرین سے آنے والے مسافروں کو چیک کیا جائے گا اس لئے وہ پہلے ہی اُتر گیا اور اس عورت اور بچے کی آڑ میں باہر نکل گیا۔

اب وہ بس میں بیٹھ کر جس جگہ گیا تھا وہاں سے تہران جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ یہ راستہ اگرچہ طویل تھا لیکن زیادہ محفوظ تھا۔ اس عورت کے بارے میں بھی وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے وہ سچ بول رہی ہو لیکن وہ اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لئے اُس نے کمیٹی کے

مقامی آدمیوں کو اس عورت کی نگرانی کی ہدایت کر دی تھی۔

خرم اب نادر علی کے معلوم حلیے کی مدد سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہو سکی اور آخر کار جب وہ تہران پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔

یہاں ایک اور اطلاع اُس کی منتظر تھی۔ مقصودی نے یہ اطلاع دی تھی کہ عمر سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق نادر علی کیفے دشت میں فریدی سے ملنے کی کوشش کرے گا کیونکہ وہ اُس کا گہرا دوست ہے۔ جب وہ تہران میں تھا تو اکثر اکٹھے ہی کام کیا کرتے تھے۔

خرم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ یہ اطلاع خاصی اُمید افزا تھی۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ نادر علی کی شناخت کا تھا۔ وہ اب تک بڑی خوبصورتی سے پولیس اور کمیٹی کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا آیا تھا۔ وہ اپنی ذہانت کے بل بوتے پر بلا روک ٹوک زاہدان سے تہران پہنچ چکا تھا اور ظاہر ہے وہ اپنی اصل شکل میں نہیں گھوم رہا ہوگا۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر تھا اور بدلے ہوئے بھیس میں کسی کو شناخت کر لینا آسان نہیں۔

اچانک اُس کی آنکھوں میں چمک اُبھر آئی۔ مقصودی کی اطلاع کے مطابق وہ فریدی سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ نادر علی تک پہنچنے کے لئے فریدی کو تلاش کرنا ضروری تھا۔ فریدی کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن اُسے یاد آیا کہ کچھ عرصہ پہلے جرائم پیشہ لوگوں کا ریکارڈ تیار کیا گیا تھا۔ ان میں فریدی کا ریکارڈ بھی ضرور ہونا چاہئے۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ ریکارڈ روم میں فریدی کی فائل موجود تھی جسے لے کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک فریدی کی فائل پر جھکا رہا۔ فائل میں فریدی کی کوئی تصویر نہیں تھی لیکن اُس کا حلیہ لکھا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ متعدد سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اُس پر ایک عورت کے قتل کا الزام بھی تھا۔ لیکن وہ کبھی پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک شاہ پرست دولت مند خاندان کے افراد کو بھاری معاوضہ لے کر ترکی کے راستے فرار کرانے کی کوشش کرتے ہوئے تبریز سے بیس کلومیٹر دور ایک چھوٹی سی بستی میں پاسداران کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ لیکن وہ بڑی دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا بلکہ لاکھوں روپے مالیت کے ہیرے جواہرات پر مشتمل ان لوگوں کی ساری پونجی بھی لے گیا تھا جنہیں وہ سرحد پار کرانے کے لئے لے جا رہا تھا۔ پاسداران صرف انہی لوگوں

کو گرفتار کر سکے تھے جو ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ جھیل ارمید کے اوپر سے گھومتا ہوا پہاڑوں میں آباد خانہ بدوش کردوں سے جا ملا تھا۔ اس کے بعد فریدی کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا گیا۔ ممکن ہے وہ پہاڑی سلسلہ عبور کر کے ترکی کی طرف نکل گیا ہو یا پہاڑی میں کردوں کے ساتھ ہی رہ گیا ہو۔

خرم نے فائل بند کر دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے فریدی واپس آ گیا ہو اور تہران کی زیرزمین دنیا میں روپوشی کی زندگی گزار رہا ہو۔ بہرحال اُس کا مبہم سا حلیہ معلوم ہو گیا تھا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں ہو تو اسے شناخت کیا جا سکتا تھا۔

خرم نے فوراً کیفے دشت کی نگرانی شروع کرا دی اور اپنے آدمیوں کو سختی سے ہدایت کر دی کہ فریدی کے حلیے کا کوئی آدمی نظر آئے تو فوراً اسے اطلاع دی جائے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو نادر علی کا وہ حلیہ بھی بتا دیا تھا جو اس عورت سے معلوم ہوا تھا۔

کیفے دشت کی دو دن کی نگرانی کے بعد اُسے اُمید افزا اطلاع ملی تو وہ خود بھی ہوٹل کے قریب پہنچ گیا۔ وہ نادر علی کی گرفتاری کے سلسلے میں بہت پُراُمید تھا۔ اُسے یقین تھا کہ انٹیلی جنس کا کرنل مظہر علی بھی نادر علی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وہ چاہتا تو کرنل مظہر علی کے ساتھ مل کر کوئی منصوبہ بندی کر سکتا تھا لیکن نادر علی کی گرفتاری کا سہرا وہ اپنے سر باندھنا چاہتا تھا۔ دوسرے اُسے یہ شبہ بھی تھا کہ کرنل مظہر علی انقلابی حکومت کے ساتھ پوری طرح مخلص نہیں ہے۔

کیفے دشت ایک بدنام ریسٹورنٹ تھا۔ انقلاب سے پہلے یہ ہوٹل ناپسندیدہ افراد اور طوائفوں کا بہت بڑا مرکز تھا لیکن انقلاب کے بعد طوائفیں یہاں سے اس طرح غائب ہو گئی تھیں جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ ویسے اس وقت گاہکوں کی ایک معقول تعداد کیفے میں موجود تھی۔

چار بج کر پندرہ منٹ پر ایک خوش پوش شخص ہوٹل میں داخل ہوا۔ کیفے میں موجود خرم کا آدمی اُس پر نظر پڑتے ہی چونک پڑا۔ اُس نے اُٹھ کر بل ادا کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ حسن اسٹریٹ پر پہنچ کر وہ سیاہ رنگ کی کار کے قریب رُک گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر کار کے اندر بیٹھ چکا تھا۔

''ابھی ابھی ایک مشتبہ قسم کا آدمی ہوٹل میں داخل ہوا ہے۔'' اُس نے خرم کو بتایا۔

''اُس کا حلیہ کیسا ہے؟''

''اُس نے گرے رنگ کا سوٹ پہن رکھا ہے۔ چہرے پر گھنی مونچھیں ہیں۔ یا تو وہ نادر علی ہے یا اُس کا بھیجا ہوا کوئی آدمی۔''

خرم نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''اب تم اندر جا کر بیٹھ جاؤ اور نو وارد پر نگاہ رکھو۔''

اسٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا شخص خاموشی سے دروازہ کھول کر نیچے اُترا اور ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ کیفے میں موجود گرے سوٹ والا کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار کھول کر دیکھنے لگتا اور کبھی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف۔ اُس کے چہرے پر بتدریج مایوسی پھیلتی جا رہی تھی۔ پانچ بجے کے قریب اُس نے میز پر دس تومان کا نوٹ رکھا اور اپنا اخبار سمیٹتا ہوا اُٹھ گیا۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

گرے سوٹ والا تیزی سے گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا اور آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ اُس کے سامنے کمیٹی کا ایک آدمی کھڑا تھا۔

''خود کو زیرِ حراست سمجھو۔'' وہ اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔''

لیکن اُس شخص نے بھاگنے میں قطعاً دیر نہیں لگائی۔ وہ کسی جنگلی بھینسے کی طرح شیشے کی پارٹیشن سے ٹکرایا اور زبردست چھناکے سے فٹ پاتھ پر جا گرا۔ شیشے کے ٹکڑے اُس کے چاروں طرف بکھر گئے۔

کیفے کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ دو تین آدمیوں کی چیخیں بھی گونجی تھیں۔ باہر گرے سوٹ والا گرتے ہی اٹھا اور بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحہ کسی طرف سے تین فائر ہوئے اور وہ سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کمیٹی کی دو تین گاڑیاں پہنچ گئیں۔ ایک گاڑی سے سب سے پہلے خرم باہر نکلا اور دوڑتا ہوا زخمی شخص کے پاس پہنچ گیا۔

''ابھی زندہ ہے......'' وہ چلایا۔ ''فوراً ایمبولینس منگواؤ۔ اسے مرنا نہیں چاہیے۔''

اسی لمحے کیفے دشت کے سامنے والی عمارت کے پورچ سے ایک آدمی باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر بے پروائی کے انداز میں چلتا ہوا ایک قریبی گلی میں داخل ہو گیا۔

دس سیکنڈ بعد اس کے ساتھ والی عمارت کے نیم تاریک برآمدے سے ایک عورت نکلی اور پہلی عمارت کے پورچ سے نکلنے والے شخص کے تعاقب میں چل پڑی۔ وہ عورت سرتا پا سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ رات کے وقت کسی عورت کا اکیلے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن اس چادر پوش عورت کو شاید خطرات کی پرواہ نہیں تھی۔

اگلا شخص اس بات سے بے خبر تھا کہ اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ وہ مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا خیابان باہنر کی طرف نکل گیا اور بالآخر ایک طویل چکر کاٹتا ہوا بازار بزرگ کے علاقے میں واقع البرز ریستوران میں داخل ہو گیا۔

تعاقب کرنے والی عورت شیشے کے دروازے پر ذرا سا رُکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔ اُس کی چال میں ایک دم تیزی آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک پرانی سی عمارت میں داخل ہوئی اور چوبی زینے پر چڑھنے لگی۔ تیسری منزل پر پہنچ کر اُس نے ایک دروازے پر تین مرتبہ مخصوص انداز میں دستک دی۔

''آ جاؤ نازو!'' اندر سے نادر علی کی آواز آئی۔ ''دروازہ کھلا ہے۔''

شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ ریسٹورنٹ میں گاہکوں کا ہجوم تھا۔ ریسٹورنٹ کا مالک خاصا مصروف تھا۔ اتنے میں ایک ویٹر نے اُسے بتایا کہ عقبی فون بوتھ میں ایک آدمی اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ ریسٹورنٹ کے مالک نے اُسے گھورا اور ایپرن سے ہاتھ پونچھتا ہوا پچھلے حصے میں پہنچ گیا جہاں فون بوتھ میں ایک آدمی ریسیور کان سے لگائے کھڑا تھا۔ ریسٹورنٹ کے مالک نے بوتھ کا دروازہ کھول دیا۔

''کیا بات ہے...... تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' ریسٹورنٹ کا مالک تیز لہجے میں بولا۔ ''جلدی کرو۔ اس وقت گاہکوں کا بہت رش ہے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

''میں جانتا ہوں دولت کی فراوانی انسانی قدروں کو پامال کر دیتی ہے۔'' بوتھ میں کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔

آواز سن کر ریسٹورنٹ کا مالک اُچھل پڑا۔ ''اوہ...... میرے خدا تم...... نادر......''

''تمہارا پرانا خادم...... نادر علی۔''

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا زندگی سے بیزار ہو چکے ہو؟'' ہوٹل کے مالک نے اُسے گھورا۔

''زندگی سے پیار کرنے والے ہمیشہ پہلے مرتے ہیں۔'' نادر نے کہا۔ ''میں تم سے ایک

ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ کیا تم چند منٹ نکال سکتے ہو؟''

ہوٹل کا مالک اُسے ایک پرائیویٹ کمرے میں لے گیا۔

''یہاں آرام سے بات کی جا سکتی ہے۔ تم نے تو کمال کا بھیس بدل رکھا ہے۔ شکل سے تو میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔''

''یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔'' نادر نے کہا۔ ''میں البرز ریسٹورنٹ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''اُس ریسٹورنٹ کے مالک کا نام فیصل ہے جو شہر کا رہنے والا ہے۔ اور کچھ؟'' ہوٹل کے مالک نے کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''کیا اس شخص کا تعلق کمیٹی یا انٹیلی جنس سے ہو سکتا ہے؟''

''اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ میرا خیال ہے عثمان کو ضرور معلوم ہو گا۔''

''عثمان کچھ نہیں جانتا۔ میں اس سے مل چکا ہوں۔'' نادر نے جواب دیا۔

''تو پھر......'' ہوٹل کے مالک نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''آصف کو معلوم ہو گا۔ کہو تو اُسے فون کروں؟''

''نہیں......'' نادر اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''فون پر ایسی بات کرنا ٹھیک نہیں۔ میں خود اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔''

تقریباً ایک گھنٹے بعد نادر علی تہران کے زیریں علاقے میں ریلوے لائن کے قریب پسماندہ بستی میں واقع ایک مکان میں موجود تھا۔ یہ مکان آصف کا تھا۔ نادر جب یہاں پہنچا تو آصف موجود نہیں تھا۔ اُس نے تالا ہاتھ کی صفائی سے کھولا تھا اور اب اندر بیٹھا آصف کا انتظار کر رہا تھا۔

نادر کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد آصف پہنچ گیا۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ سامنے کرسی پر ایک آدمی کو بیٹھے دیکھ کر اُس نے پستول تان لیا۔

''اس کی ضرورت نہیں...... پستول جیب میں رکھ لو۔'' نادر علی نے کہا۔ آصف یہ آواز ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ چند لمحوں تک حیرت سے نادر کی طرف دیکھتا رہا، پھر پستول جیب میں رکھتے ہوئے آگے بڑھا۔

''میں سمجھا تھا کہ شاید کوئی چور وغیرہ گھس آیا ہے۔ بیرونی تالا کھلا دیکھ کر میں محتاط ہو گیا

تھا۔'' اُس نے کہا۔

''پولیس یا کمیٹی والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' نادر نے اُسے گھورا۔

''تم جانتے ہو نہیں مجھ پر پہلے بھی کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ پولیس یا کمیٹی والوں کے پاس میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی میں آج کل شرافت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ ریلوے اسٹیشن پر کام کرنے والے شخص پر پولیس یا کمیٹی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے؟'' آصف نے کہا۔

''بہر حال......'' نادر علی نے اُس کے چہرے پر نظریں جمائے کہا۔ ''البرز ریسٹورنٹ کے مالک فیصل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''فیصل......؟'' آصف کی آنکھوں میں اُلجھن سی تیر گئی۔ ''وہ تلاتی کا آدمی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ پولیس کے لئے بھی مخبری کرتا ہے لیکن اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ بہر حال وہ تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''مجھے بھی یہی شبہ تھا۔'' نادر کہتے ہوئے اُٹھ گیا۔ ''میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔''

نادر علی جب آصف کے مکان سے باہر نکلا تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ بادل تو ویسے آج صبح ہی سے چھائے ہوئے تھے۔ دن میں ایک آدھ مرتبہ ہلکی سی بوندا باندی بھی ہوئی تھی لیکن اس وقت جس طرح بارش شروع ہوئی تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کھل کر برسے گی۔

نادر علی کا یہ اندازہ درست نکلا۔ وہ بستی سے نکل کر ریلوے لائن عبور کر کے بس ٹرمنل کی طرف آیا تو بارش خاصی تیز ہو چکی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بازار اور سڑکیں سنسان ہو گئے۔ لوگ بارش سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ نادر علی کو ایک پرائیویٹ ٹیکسی مل گئی جس نے چند ہی منٹ میں اُسے البرز ریسٹورنٹ کے سامنے اتار دیا۔ وہ جب ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو کاؤنٹر پر گنجے سر والا ایک دُبلا پتلا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

ریسٹورنٹ میں کئی گاہک موجود تھے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ بعض عورتیں سرتاپا چادر میں لپٹی ہوئی تھیں اور بعض نے حجاب پہن رکھے تھے۔ ان دنوں ہوٹلوں میں بہت کم عورتیں دیکھنے میں آتی تھیں اور یہ عورتیں غالباً بارش سے بچنے کے لئے یہاں آ گئی تھیں۔

نادر علی گوشے کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ اُس نے کافی منگوائی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک شخص ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ وہ غالباً ٹیکسی یا کار سے اُتر کر آیا تھا کیونکہ اُس کے لباس پر بارش کے چند چھینٹے ہی

پڑے تھے۔

نادر اس شخص کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ تہران سے فرار ہونے سے پہلے جب تلاتی اُس کے ساتھ کام کرتا تھا تو یہ شخص بھی تلاتی سے ملا کرتا تھا۔ اُسے یہاں دیکھ کر آصف کے اس بیان کی تصدیق ہو گئی کہ البرز ہوٹل کا مالک فیصل تلاتی کا آدمی ہے۔

وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھے بغیر اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گیا۔ نادر نے بھی کرسی چھوڑ دی اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا زینے پر پہنچ گیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے اُس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

پہلی منزل پر پہنچ کر وہ رُک گیا۔ وہ شخص راہداری میں دائیں طرف والے تیسرے دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ نادر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رُکا اور پھر زوردار دھکے سے دروازہ کھول دیا۔ وہ کمرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ دروازے ہی میں رُک گیا۔ پستول اُس کی جیب سے نکل کر ہاتھ میں پہنچ چکا تھا۔

کمرے میں پانچ افراد بیٹھے ہوئے تھے جن میں وہ شخص بھی شامل تھا جو نادر سے چند سیکنڈ پہلے اندر داخل ہوا تھا۔ سامنے والی کرسی پر ایک ادھیڑ عمر عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ نادر اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ طوائف تھی اور شاید روپوشی کی زندگی گزار رہی تھی۔

''کون ہو تم؟'' ایک آدمی پھرتی سے کرسی سے اُٹھ گیا۔ اُس نے جیب کی طرف ہاتھ بھی بڑھایا تھا لیکن اسی لمحے نادر کے حلق سے بھیڑیئے کی سی غراہٹ نکلی۔

''نہیں...... تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔'' اُس نے پستول کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ''تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا بصورت دیگر کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔''

''کون ہو تم؟'' اس مرتبہ اس شخص نے پوچھا تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا نادر یہاں تک پہنچا تھا۔

''میں نادر علی ہوں۔'' نادر نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں...... تم نادر علی نہیں ہو سکتے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہی شخص بولا۔

''تو میں تمہیں وہی نادر علی دکھا دیتا ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' نادر علی نے کہا اور اپنا میک اپ اتارنے لگا۔ چند لمحوں بعد اُس کی داڑھی، مونچھیں اور نقلی بال فرش پر

پڑے تھے۔

''اوہ...... نادر علی۔''

''میں ذونارہ کی تلاش میں آیا تھا۔'' نادر علی نے باری باری اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ...... وہ تو...... وہ تو......''

''ہاں وہ یہاں نظر نہیں آ رہا۔ تم لوگوں سے پھر کبھی ملاقات ہوگی۔''

نادر علی نے باہر نکل کر پھرتی سے دروازہ بند کر دیا اور زینے کی طرف دوڑا۔ لیکن ابھی اُس نے پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ نیچے دھماکے سے دروازہ کھلنے اور بھاری قدموں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اسی لمحے پہلی منزل کے تیسرے کمرے کا دروازہ اندر سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ نادر علی نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا، جوتے اتار کر پھینک دیئے اور اوپر کی طرف بھاگا۔

اوپر فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ نیچے آوازوں کے شور کے درمیان سے سب مشین گن کی آواز گونجی۔ حملہ آوروں کا کمانڈر زور زور سے فارسی زبان میں ہدایات دے رہا تھا۔ نادر علی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کمیٹی والے تھے جنہوں نے ہوٹل پر چھاپہ مارا تھا۔

نادر علی تیسری منزل کی بالکونی پر لٹک گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ کمیٹی کے آدمی ذونارہ کے آدمیوں کو گرفتار کرنے کے بعد اوپر کی تلاشی لے کر واپس چلے جائیں گے تو وہ اوپر آ جائے گا۔

بارش بدستور ہو رہی تھی۔ بادلوں کی وجہ سے فضا میں تاریکی سی تھی۔ نادر علی نے بالکونی کے جس کنارے پر ہاتھ ڈال رکھے تھے وہ خاصا چکنا تھا۔ اچانک بائیں ہاتھ والی ٹائل اُکھڑ گئی۔ اگر وہ فوری طور پر سینیٹری پائپ پر ہاتھ نہ ڈال دیتا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اُس نے دوسرا ہاتھ بھی پائپ پر ڈال دیا اور آہستہ آہستہ نیچے سرکنے لگا۔ اُس کے ہاتھوں کو بری طرح رگڑ لگ رہی تھی اور اُنگلیوں سے خون رسنے لگا تھا۔

خوش قسمتی سے عقبی گلی میں کوئی نہیں تھا۔ وہ پائپ سے گلی میں اُتر کر تیزی سے ایک طرف دوڑا۔ ابھی وہ گلی کے موڑ تک پہنچا ہی تھا کہ دوسری طرف سے دوڑتا ہوا ایک آدمی سامنے آ گیا۔ اُسے دیکھ کر نادر علی کو سینے میں سانس رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ کمیٹی کا آدمی تھا۔ اُس کا تعلق یقیناً کسی مسجد یا مدرسے وغیرہ سے رہا ہوگا۔ لمبی داڑھی

اور سر پر سیاہ ٹوپی۔ اُس کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفل عجیب سی لگ رہی تھی۔

''چھاپہ مار ٹیم کو شاید پتہ چل گیا تھا کہ کوئی شخص ہوٹل کی پچھلی طرف سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور یہ غالباً اُسے روکنے کے لئے اس طرف آیا تھا۔

نادر علی نے اپنے حواس بحال رکھے۔ داڑھی والا سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس پر رائفل تان رہا تھا۔ نادر علی نے چھلانگ لگائی اور کسی پرندے کی طرح اُڑتا ہوا اُس پر جا گرا۔ داڑھی والے کو فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ دھکا لگنے سے رائفل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ خود بھی لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل سڑک پر گر گیا۔ نادر علی اس شخص کے اوپر گرا تھا۔

وہ دونوں کیچڑ میں لت پت ایک دوسرے کو رگید رہے تھے۔ داڑھی والے کی عمر پینتالیس سے اوپر ہی رہی ہوگی لیکن نادر علی کو دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ بے حد پھرتیلا اور طاقتور تھا۔ ایک موقع پر نادر علی اُس کے شکنجے میں آ گیا۔

داڑھی والا نادر علی کے سینے پر سوار تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ نادر علی کے سینے پر تھے اور اُنگلیوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی...... نادر علی کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی گردن کسی آہنی شکنجے کی گرفت میں آ گئی ہو۔ اُسے سینے میں سانس گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ داڑھی والے کے منہ سے خرخراہٹ سی نکل رہی تھی اور کف بہہ رہا تھا۔ اُس نے شور مچا کر اپنے ساتھیوں کو بلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اُسے اپنے آپ پر اعتماد تھا کہ سامنے والے آدمی کو وہ بے بس کر دے گا۔

نادر علی نے دونوں پیر سمیٹ کر اُس کے پیٹ پر جما دیئے اور جسم کی پوری قوت مجتمع کر کے اسے اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ داڑھی والا اس کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا چھپ کی آواز سے پشت کے بل کیچڑ پر گرا اور اس کے ساتھ ہی فوراً نادر علی نے اُسے چھاپ لیا۔

اب نادر علی داڑھی والے کے سینے پر سوار تھا اور اُس کا نرخرہ نادر علی کی اُنگلیوں کی گرفت میں تھا۔ نادر علی کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ داڑھی والے کا کوئی دوسرا ساتھی اس طرف نہ آ نکلے۔ وہ جلد سے جلد اس سے نجات حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

داڑھی والے کے نرخرے پر نادر علی کی فولادی اُنگلیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ داڑھی والا مزاحمت کر رہا تھا۔ لیکن پھر بتدریج اُس کی مزاحمت کمزور پڑتی چلی گئی اور بالآخر وہ بے

حس و حرکت ہو گیا۔

نادر علی اُسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اسی لمحے گلی کے دوسری طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ نادر علی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تاریکی میں ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ ایک عمارت کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اُٹھی۔ اُسے دیکھ لیا گیا تھا اور اُس پر فائرنگ کی جا رہی تھی۔ نادر علی نے عمارت کی ڈیوڑھی میں چھلانگ لگا دی۔

اس عمارت کا ایک گیٹ دوسری طرف تھا۔ وہ اندھا دھند دوڑتا ہوا اس طرف دوسری گلی میں نکلا اور کچھ دُور تک دوڑنے کے بعد ایک اور عمارت میں داخل ہو گیا۔

گلیوں میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کمیٹی والے اُسے ہر جگہ تلاش کر رہے تھے لیکن نادر علی ان کی پہنچ سے دُور نکل چکا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد جب وہ نازو کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو اُس کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔

✿.....✿

انٹیلی جنس کے سربراہ جاوید کے چہرے پر سخت برہمی پائی جاتی تھی۔ اسی دوران کمیٹی کا قامی سربراہ خرم احمد کمرے میں داخل ہوا۔ اُس نے جاوید کو سلیوٹ کیا لیکن موخر الذکر نے س کے سلیوٹ کو نظر انداز کر دیا۔

"خرم......" اُس نے خرم احمد کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

"جی سر......!"

"کیا تم اپنی نامعقول سرگرمیوں کی وضاحت کرو گے؟"

"میں سمجھا نہیں سر؟" خرم نے حیرت اور پریشان نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"تم میرا مطلب اچھی طرح سمجھتے ہو۔" جاوید غرایا۔

"مزید وضاحت میں کر دیتا ہوں۔" کرنل مظہر علی نے کہا۔ وہ کمرے میں بائیں طرف بیٹھا تھا۔ خرم گردن گھما کر اُس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

"جی فرمایئے؟"

"چیف کا اشارہ تمہاری ان حرکتوں کی طرف ہے جو تم سہ پہر سے اب تک کر چکے ہو۔ ں تمہاری ان سرگرمیوں کو انتہائی نامعقول، احمقانہ اور مجرمانہ سمجھتا ہوں۔"

"مجرمانہ؟"

"ہاں۔"

"کیا مجرموں کی سرکوبی مجرمانہ عمل ہے؟" خرم نے کہا۔

"یہ سرکوبی نہیں۔"

"کرنل مظہر علی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کمیٹی کے ایک اعلیٰ افسر سے مخاطب ہو۔"

"تم میرے مشن میں رُکاوٹ کا باعث بن رہے ہو خرم۔" کرنل مظہر علی نے کہا۔

"کیسا مشن؟ اور میں کیوں کسی کے مشن میں رُکاوٹ بنوں؟"

"ایک انتہائی چالاک ترین مجرم اس وقت تہران میں موجود ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو

تمہاری کمیٹی کے گودام سے نصف ٹن سونا اور لاکھوں روپے کی مالیت کے ہیرے جواہرات لے اُڑا تھا۔ میری اطلاع کے مطابق وہ ایک خاص مشن پر یہاں آیا ہے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو انقلابی حکومت کو پہلے سے کہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تم میرے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے بے گناہ عوام کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتارتے پھر رہے ہو۔ جانتے ہو آج ریسٹورنٹ میں کتنے بے گناہ تمہارے آدمیوں کی گولیوں کا نشانہ بنے ہیں، چھ آدمی اور دو عورتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ اور تقریباً ایک درجن افراد زخمی ہیں۔ یہ ایک سنگین جرم ہے۔ کمیٹی کا اعلیٰ افسر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس طرح اپنی من مانی کر کے نہ صرف عوام کی جان و مال کو نقصان پہنچاؤ بلکہ انقلابی حکومت کو بھی بدنام کرتے پھرو۔ انقلابی حکومت ظالم نہیں ہے۔ عوام کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے ہے۔ لیکن تم نے آج بہت بری مثال قائم کی ہے اور میں اپنی رپورٹ میں اس کا تذکرہ کر چکا ہوں۔''

خرم کے چہرے پر گھبراہٹ سی نمودار ہوگئی۔ وہ چیف جاوید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ کس رپورٹ کا ذکر کیا جا رہا ہے؟''

''یہاں کی صورتحال کے بارے میں ہر ہفتے ایک تفصیلی رپورٹ بھیجی جاتی ہے۔ اس مرتبہ بھی یہ رپورٹ حسب معمول کرنل مظہر علی نے تیار کی ہے اور اس کی کاپیاں تہران میں موجود متعلقہ افراد کو پہنچا دی گئی ہیں اور وہ لوگ کسی قسم کی بے ضابطگی یا ایسی بات برداشت نہیں کریں گے جس سے انقلابی حکومت کی نیک نامی پر حرف آتا ہو۔ یہ رپورٹ میرے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ روانہ کی گئی ہے۔'' جاوید نے کہا۔

''ایک منٹ سر۔'' خرم نے کہا۔ اُس کے لہجے میں گھبراہٹ کا عنصر بدستور موجود تھا۔

''ہاں کہو؟''

''میں اپنے کاموں میں بااختیار ہوں۔ آپ کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔''

''تمہیں نادر علی کی گرفتاری کے سلسلے میں تعاون کا حکم دیا ہے۔'' کرنل مظہر علی نے تلخ لہجے میں کہا تو وہ بولا۔

''جی میں جانتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ میں اپنا وہی فرض انجام دینے کے لئے کوشاں ہوں۔''

''لیکن تم نے نادر علی کے بارے میں ملنے والی اطلاعات کو اپنے تک محدود رکھا اور

ہمیں بتائے بغیر کارروائی کر ڈالی جس سے نہ صرف متعدد بے گناہ افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ نادر علی کو بھی فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جب تم نے ریسٹورنٹ پر چھاپہ مارا تھا تو نادر علی وہاں موجود تھا۔ اگر تم اندھا دھند فائرنگ کرنے کی بجائے حکمت عملی سے کام لیتے تو شاید وہ گرفتار ہو جاتا۔''

''مجھے افسوس ہے...... میرا خیال ہے کہ میرے ساتھیوں نے واقعی کچھ عجلت سے کام لیا تھا۔ آپ فی الحال یہ رپورٹ روک دیں۔ باہمی مشورے سے مفاہمت کی کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصد ایک ہی ہے۔''

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ چیف جاوید نے کال ریسیو کی اور پھر ریسیور خرم احمد کی طرف بڑھا دیا۔

''تمہاری کال ہے۔''

خرم احمد نے ریسیور لے کر کان سے لگا لیا اور چند لمحوں تک دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا اور جاوید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟ میرا خیال ہے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔'' جاوید نے کہا۔

''نادر علی کے ہاتھوں ہمارا ایک ساتھی زخمی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے اُس نے ہسپتال میں ہی دم توڑ دیا۔'' خرم نے افسردہ لہجے میں بتایا۔

''اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ نادر علی انتہائی خطرناک آدمی ہے۔'' چیف جاوید نے کہا۔ پھر مظہر علی کی طرف رُخ کر کے گویا ہوا۔

''مظہر علی! فی الحال اپنی رپورٹ روک لو۔ نادر علی انتہائی ہوشیار اور شاطر آدمی ہے۔ اس کے لئے ہمیں ازسرِنو پلاننگ کرنی ہوگی۔''

''مجھے اجازت ہے سر؟'' خرم دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ پھر اجازت کا انتظار کئے بغیر باہر نکل گیا۔

''کیا خیال ہے مظہر علی؟'' خرم کے جانے کے بعد چیف جاوید نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہم خرم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ یہ ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس سے پہلے نادر علی تک پہنچنا ہوگا۔'' کرنل مظہر علی نے کہا اور فون کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

❂......❂

نادر علی اپنے تیسرے بھیس میں تھا۔ اُس کے چہرے پر خود اعتمادی تھی اور وہ پُروقار انداز میں تہرانُ کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس کی تلاش میں کمیٹی والے، پاسداران، پولیس اور انٹیلی جنس والے تہران کے ہر کونے میں جھانک رہے تھے۔

وہ کچھ دیر تک مختلف سڑکوں پر گھومتا رہا اور پھر ایک اعلیٰ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ ہال میں مہمانوں کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ چند ایسے لوگ بھی نظر آ رہے تھے جن کا تعلق موجودہ حکومت سے تھا۔ انقلاب سے پہلے اس ہوٹل کو شہر کا سب سے بڑا نائٹ کلب بھی سمجھا جاتا تھا جہاں مقامی رقاصاؤں کے علاوہ غیر ملکی رقاصائیں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر کے داد وصول کیا کرتی تھیں۔ لیکن اب اسٹیج سنسان پڑا تھا۔

نادر علی بے نیازی سے چلتا ہوا کاؤنٹر کے اس حصے پر پہنچا جہاں ہوٹل کا مالک کھڑا تھا۔ وہ اپنے ملازم کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ نادر علی اُس کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگا لی، خوبصورت طلائی لائٹر سے اُسے سلگایا، ایک کش لیا اور بے نیازی سے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ جب ہوٹل کے مالک نے ملازم کو رخصت کر دیا تو نادر علی اُس کی طرف مڑا۔

''مسٹر......'' اُس نے کہا۔

''جی فرمایئے؟''

''میری آواز سن کر اگر تم مجھے پہچان لو تو چونکنا نہیں۔''

''اوہ میرے خدا......'' اُس کی آواز سنتے ہی اُس کے چہرے پر زبردست بدحواسی اور حیرت نظر آنے لگی۔

''اگر تم پُرسکون رہو تو زیادہ اچھا ہے۔'' نادر علی نے کہا۔

''مم......مگر تم یہاں؟''

''دیکھو......اپنے آپ کو سنبھالو۔ خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے گی۔'' نادر علی نے کہا۔ ہوٹل کے مالک نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

''تت......تم......نا......نا......''

''نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نادر علی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''سوری۔''

''میں تھوڑی دیر کے لئے یہاں آیا ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''کوئی کام تھا مجھ سے؟''

''ہاں۔''

''بولو......؟''

''یہ بتاؤ کہ ناصر کہاں ہے؟''

''ناصر اوپر ہے میرے دفتر میں۔'' ہوٹل کے مالک نے بتایا۔

''ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ میں خود ہی اُس سے مل لیتا ہوں۔''

''ہاں تم اوپر چلے جاؤ۔''

''اور دیکھو...... ذرا دھیان سے کام کرو۔ مجھے اس ہال میں کچھ آفیسر قسم کے لوگ بھی نظر آ رہے ہیں۔''

''آں......ہاں......نظر آ رہے ہیں...... بالکل نظر آ رہے ہیں۔ لیکن اس طرح کھلے بندوں پھرنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔'' ہوٹل کے مالک نے کہا۔

''میرا نظریہ تم سے مختلف ہے۔ میں ہمیشہ دشمن کی ناک کے نیچے چل پھر کر کام کرتا ہوں۔ یہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ رہتی ہے۔ او کے...... میں خرم سے ملنے جا رہا ہوں۔ واپسی میں شاید تم سے ملاقات نہ ہو سکے اس لئے خدا حافظ!''

نادر علی کہتے ہوئے مڑا اور پُروقار انداز میں چلتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

ناصر اُس کا پرانا اور قابلِ اعتماد دوست تھا۔ اُس نے عملی زندگی کا آغاز ایک باکسر کی حیثیت سے کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ مجرمانہ زندگی اپنا لی۔ نادر علی نے تہران میں جو گروہ بنایا تھا اس میں ناصر اُس کا دست راست تھا۔ پاسداران کے گودام سے سونے اور جواہرات کی چوری میں بھی ناصر نے اُس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ دنیا کی دو چیزوں سے محبت ہے۔ اول دولت سے اور دوئم نادر علی سے۔ ان دونوں چیزوں کی خاطر وہ اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے۔ اور وہ اپنے اس دعوے میں بالکل سچا تھا۔

پہلی منزل پر پہنچ کر نادر علی نے ہوٹل کے مالک کے دفتر کے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہو گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔ جب وہ مڑا تو ناصر اُس کے سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر کرختگی تھی۔

''کون ہو تم؟''

''مجھے پہچانا؟''

''نہیں......تم اندر کیوں آئے ہو؟''

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو معمولی سی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کرتا۔'' نادر علی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''اوہ، تم......؟'' ناصر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں میں۔'' نادر علی نے کہا اور ناصر پستول پھینک کر اس سے لپٹ گیا اور پھر بولا۔

''اوہ میرے خدا......تمہیں زندہ دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے؟''

''سچ؟''

''میں تو سمجھا تھا کہ اب تم سے کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔''

''دیکھو مجھے تمہاری محبت کھینچ لائی۔''

''لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

''تم نے مجھے پہچانا کیوں نہیں؟''

''ویسے اگر تم خاموش رہتے تو میں کبھی تمہیں پہچان نہ سکتا۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو ناصر کہ مجھے سکون کی زندگی پسند نہیں ہے۔ ہنگاموں کے بغیر مزہ نہیں آتا۔'' نادر علی نے کہا اور پھر چند رسمی باتوں کے بعد نادر علی نے اُسے پیش آنے والے واقعات مختصر طور پر بتا دیئے۔

''اب اس نئے منصوبے میں تمہاری شرکت بہت ضروری ہے۔'' نادر علی نے کہا۔

''میں ہر طرح سے حاضر ہوں میری جان!''

''سب سے پہلے تمہیں کسی ایسے ٹھکانے کا بندوبست کرنا ہے جہاں چند روز سکون سے گزارے جاسکیں۔''

''کل شام تک انتظام ہو جائے گا۔'' ناصر نے جواب دیا۔

''اس کے علاوہ۔'' نادر علی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں حضور، حکم۔''

''تم جانتے ہو کہ پاسداران میری تلاش میں ہیں۔ کمیٹی کے آدمیوں سے میری ایک جھڑپ بھی ہو چکی ہے۔''

''ہاں یہ بات میرے علم میں ہے۔''

''پاسداران کے علاوہ ذونارہ اور انٹیلی جنس والوں کو بھی میری تہران میں آنے کی طلاع مل گئی ہے۔ ذونارہ کو تو میں زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں، وہ ہمارے لئے پریشانی یدا کر سکتا ہے لیکن اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ میں انٹیلی جنس کے کرنل مظہر علی کی طرف ے زیادہ فکر مند ہوں۔ اُسے بھی غالباً میرے مشن کی بھنک مل چکی ہے۔ میں اُسے اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہوں۔''

''تم فکر مند کیوں ہوتے ہو نادر علی؟''

''میں مظہر علی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ شخص ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ غیر ادی شدہ اور خوبصورت لڑکیوں کا رسیا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس کا بندوبست کرنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں ایک حسین اور نازک اندام لڑکی کی ضرورت ہوگی۔ کوئی ایسی لڑکی ہمارے اشاروں پر کام کر سکے۔''

''اس کے لئے ہمیں امجد سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔'' ناصر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''امجد......؟'' نادر علی یہ نام سن کر اُچھل پڑا۔

''ہاں، وہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔''

''وہ ابھی تک ایران میں موجود ہے؟''

''ہاں، نہ صرف موجود ہے بلکہ خوب دولت کما رہا ہے۔ ان دنوں تو اُس کا بزنس کچھ یادہ ہی چمک اٹھا ہے۔'' ناصر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے۔ اس سے بات کرتے ہیں۔'' نادر علی نے کہا۔

''ایسا کرو تم ہوٹل کی عقبی گلی میں پہنچ جاؤ۔ وہاں میری سیاہ رنگ کی سیٹرون کار کھڑی ہے۔ یہ چابی لے جاؤ۔ تم کار میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو، میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں چ رہا ہوں۔'' ناصر نے کہتے ہوئے کار کی چابیوں والا گچھا اس کی طرف بڑھا دیا۔

نادر علی نے چابیاں جیب میں ڈال لیں اور کمرے سے نکل آیا۔ اُس نے راہداری میں ت کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر عقبی زینے کی طرف چل پڑا۔

عقبی گلی میں اِکا دُکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ ہوٹل کی عمارت کے دروازے سے نکلنے ، بعد نادر علی نے محتاط نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ گلی میں تین چار کاریں کھڑی یں۔ دائیں طرف کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی پرانی سی سیٹرون بھی آ گئی۔ وہ نپے تلے قدم

اٹھاتا ہوا کار کی طرف بڑھنے لگا۔ قریب پہنچ کر اُس نے ایک بار پھر محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا، جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا، ایک چابی لگا کر لاک کھولا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ٹھیک دس منٹ بعد ناصر بھی پہنچ گیا۔ اُس نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھتے ہوئے انجن اسٹارٹ کیا اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارے مالی حالات کچھ بہتر نہیں ہیں۔'' نادر علی نے کہا۔

''یہ بات شاید تم اس پرانی سی کار کو دیکھ کر کہہ رہے ہو۔'' ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں......شاید۔''

''لیکن شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ دولت کی نمائش ایران میں سب سے بڑا جرم ہے۔ نئی کار رکھنا خطرے کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ شتر بے مہار کی طرح شہر بھر میں گھومتے پھرتے پاسداران ہر اُس شخص کو پکڑ لیتے ہیں جس کے پاس قیمتی کار ہو یا جس نے قیمتی کپڑے پہن رکھے ہوں۔ میں نے اپنی پہلی کار بیچ دی تھی اور کام چلانے کے لئے پرانی کار خرید لی۔ اس طرح میں ان لوگوں کی نظروں میں آنے سے بچا رہتا ہوں جو خود تو دولت سے محروم رہے اور اب دوسروں کے پاس بھی یہ چیز نہیں دیکھ سکتے۔

کار شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتی ہوئی ایک کشادہ سڑک پر نکل آئی۔ یہ علاقہ انقلاب سے پہلے صاحب ثروت لوگوں کی جنت سمجھا جاتا تھا لیکن اب وہاں ویرانی اور بربادی محو نظارہ تھی۔ عظیم الشان، وسیع و عریض بنگلے سنسان پڑے تھے۔ کچھ عمارتوں کو انتقاماً منہدم کیا جا چکا تھا اور جو باقی تھیں ان میں بھی بیشتر ویران پڑی تھیں۔ ان پُرشکوہ عمارتوں کے مکین یا تو ملک چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے یا شاہ پرستی کے الزام میں جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔

ناصر کی سیٹرون ایک ویران سے بنگلے میں داخل ہو کر پورچ میں رُک گئی۔ وہ دونوں گاڑی سے اُتر کر اندر داخل ہو گئے۔ راہداری کے آخری سرے پر گھوم کر وہ ایک تنگ و تاریک سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ اسٹور روم تھا جہاں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر، کاٹھ کباڑ اور ردّی اخبارات بکھرے پڑے سڑ رہے تھے۔

ناصر کی سیٹرون ایک ویران سے بنگلے میں داخل ہو کر پورچ میں رُک گئی۔ وہ دونوں گاڑی سے اُتر کر اندر داخل ہو گئے۔ راہداری کے آخری سرے پر گھوم کر وہ ایک تنگ اور تاریک سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ اسٹور روم تھا جہاں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر، کاٹھ کباڑ اور ردّی اخبارات بکھرے ہوئے تھے۔

ناصر نے اوندھی پڑی ہوئی دو تین ٹوٹی پھوٹی کرسیاں اور ایک میز اُٹھا کر ایک طرف رکھ دی۔ نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ ناصر نے پہلے نادر علی کو اشارہ کیا اور پھر اُس کے پیچھے خود بھی تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ چند سیڑھیاں اُترنے کے بعد اُس نے میز کھینچ کر اس طرح رکھ دی کہ سیڑھیوں والا راستہ تقریباً چھپ گیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ایک کشادہ اور نیم تاریک تہہ خانے میں اُتر گئے۔ ایک کونے میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ وہیں دیوار کے قریب میز بھی پڑی ہوئی تھی لیکن کسی ذی رُوح کا نام و نشان نہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ میز کے قریب رُک گئے۔ چند سیکنڈ بعد ہی نجانے کس طرف سے ایک مجہول سا آدمی نکل کر آ گیا۔ وہ امجد تھا۔

امجد ہر قسم کے جعلی دستاویزات اور شناختی کارڈ تیار کرنے کا ماہر تھا۔ شاہ پرست اور انقلاب کے مخالفین جان بچانے کے لئے ملک سے فرار ہو رہے تھے۔ اصل کاغذات پر سفر کرنا اُن کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ایسے لوگ جعلی کاغذات کے لئے امجد کی خدمت حاصل کر رہے تھے۔ وہ جعلی دستاویزات اور شناختی کارڈ اس خوبصورتی سے تیار کرتا کہ ان پر جعلی ہونے کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک رسمی باتیں کرتے رہے پھر ناصر اصل موضوع پر آ گیا۔

''ہمیں ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو بے حد خوبصورت اور بغیر چون و چرا ہمارا کام کر سکے۔''

''میری نظروں میں ایک ایسی لڑکی ہے۔'' امجد نے کہا۔

''گڈ......''

''وہ چند مہینے پہلے میرے جعلی کاغذات تیار کروانے آئی تھی۔ بے حد حسین بھی ہے اور ذہین بھی۔''

''ونڈر فل۔ یہ لڑکی کافی کام کی معلوم ہوتی ہے۔ ہم آج شام ہی اس لڑکی سے ملیں گے۔'' نادر علی نے کہا اور پھر اس لڑکی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے لگے۔

✿......✿
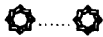
آسمان پر ان گنت ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ لیکن اس کی روشنی زمین تک پہنچنے سے قاصر تھی۔ رات تاریک تھی اور فضا میں اُداسی پائی جاتی تھی۔

کشف اپنے فلیٹ کی بالکونی میں آرام دہ کرسی پر بیٹھی آسمان کو گھور رہی تھی۔ اس کا

ذہن بہت دُور ماضی میں بھٹک رہا تھا۔ اس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن کاغذات میں کشف جعفری لکھا ہوا تھا۔ اُس کا باپ بزنس مین تھا۔ کشف ان دنوں اپنے دوست کے پاس ہمدان گئی ہوئی تھی۔ اپنے باپ کی ہلاکت کی خبر اُسے ہمدان میں ہی ملی تھی۔ وہ اسی روز واپس آنا چاہتی تھی لیکن اس کی دوست کے والدین نے اُسے روک لیا۔ ہمدان میں مزید چند روز گزارنے کے بعد جب کشف تہران واپس لوٹی تو اُسے پتہ چلا کہ پاسداران اس کے بھائی اور ماں کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ انقلاب کے بعد یہ لوگ بھی زیرِ عتاب آ گئے تھے۔ ان کی مذہبی روایات اسلام سے متصادم تھیں۔

بہر حال ماں بھائی کی گرفتاری اور باپ کی موت کی اطلاع کشف کے حواس پر بجلی بن کر گری۔ قریب تھا کہ وہ شدتِ غم سے پاگل ہو جاتی لیکن جان بچانے کے لاشعوری جذبے کے تحت اُس کے حواس بحال ہو رہے تھے۔ اُس نے بھاگ کر خانم لبانیہ کے ہاں پناہ لی۔

لبانیہ جہاں اس کالج کی پروفیسر تھی جہاں کشف زیرِ تعلیم تھی۔ اس نازک اور ہنگامی صورتحال میں کشف کو صرف اُس کا چہرہ نظر آیا تھا جو اُسے پناہ دے سکتا تھا۔ خانم لبانیہ جہاں نے پڑوسیوں کے سامنے اُسے اپنی بھانجی ظاہر کیا اور اُسے اپنے پاس رکھ لیا اور اس کا نام بھی کشف جعفری رکھ دیا۔

خانم لبانیہ جہاں کے ہاں پناہ لینے کے بعد کشف نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کسی انتہائی ہنگامی ضرورت کے تحت گھر سے نکلتی تھی۔ لیکن دروازے سے باہر قدم رکھنے سے پہلے چادر اس طرح اوڑھ لیتی کہ آنکھوں کے سوا اُس کا پورا جسم چھپ کر رہ جاتا۔

اس وقت وہ بالکونی میں کرسی پر بیٹھی تاریک خلا کو گھورتے ہوئے انہی واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہلے اُس نے کبھی مذہب کے بارے میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی اُسے مذہب سے کوئی دلچسپی تھی۔ لیکن انقلاب کے بعد جو کچھ ہوا یا ہو رہا تھا اسے دیکھ کر کشف کو مذہب سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ بعض لوگ مذہب کے نام پر جس طرح بے گناہ لوگوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے وہ قابلِ نفرت تھی۔

کشف یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز اُبھری۔ دستک اگرچہ ہلکی تھی لیکن یہ آواز کشف کے لئے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ بدحواس سی ہو گئی اور اُٹھ کر بھاگتی ہوئی لبانیہ جہاں کے پاس پہنچ گئی۔ تہران میں لبانیہ کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا اور کبھی کوئی ان کے گھر نہیں آیا تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی، دروازے پر دستک پہلی بار

ہوئی تھی۔

''گھبراؤ نہیں۔ یہاں رُکو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔'' لبانیہ جہاں نے اُسے تسلی دی اور دروازہ کھولنے چلی گئی۔

کشف وہیں کھڑی اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''جی فرمائیے؟'' لبانیہ جہاں نے دروازے پر کھڑے ہوئے دو اجنبیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''خانم لبانیہ! ہم تمہاری بھانجی سے ملنا چاہتے تھے۔'' بولنے والا ناصر تھا اور اُس کے ساتھ نادر علی

''میری بھانجی گھر پر نہیں ہے۔'' خانم لبانیہ نے کہا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنے لگی۔

''ایک کپ کافی کا کیا خیال ہے؟'' نادر علی پیر پھنساتے ہوئے بولا۔

''جی......؟''

''آؤ ناصر! میں نے سنا ہے کہ خانم اپنے مہمانوں کو کبھی دروازے سے نہیں لوٹاتی۔''

پھر وہ دونوں لبانیہ جہاں کو نرمی سے ایک طرف دھکیلتے ہوئے اندر گھس گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی ناصر نے دروازہ بند کر دیا۔

''کک...... کیا تم لوگ کمیٹی سے تعلق رکھتے ہو؟'' خانم لبانیہ ہکلائی۔ اُس کے چہرے پر خوف کے سائے رقص کرنے لگے تھے اور وہ باری باری دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دونوں میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ ناصر دروازے کے پاس کھڑا رہا اور نادر علی آگے بڑھ کر دوسرے کمروں میں جھانکنے لگا۔ خانم لبانیہ کا چہرہ یکدم سفید ہو گیا تھا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔

نادر علی دوسرے کمرے کے دروازے میں ہی رُک گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں کشف کھڑی تھی۔ اُس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔

نادر علی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اُسے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ اتنی حسین لڑکی اُس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کشف کے پاس پہنچ گیا۔ اور چند لمحے متحیر سی نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔

''عجیب بات ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''مجھے دیکھ کر تمہاری ٹانگیں کانپ رہی ہیں اور تمہیں

دیکھ کر میرا دل کانپ رہا ہے۔‘‘

’’پلیز! میری بچی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔‘‘ لبانیہ جہاں کمرے میں داخل ہو کر نادر علی کے پیروں میں گر پڑی۔

’’ہم تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔‘‘ نادر علی نے بے پروائی سے کہا۔ ’’لیکن تمہاری یہ بچی مجھے سراسر نقصان پہنچا رہی ہے، اس بات کا ذمہ دار کون ہے؟‘‘

لبانیہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ حیرت سے نادر علی کو گھور رہی تھی۔ اُس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ لیکن پھر بتدریج اُس کی کیفیت معمول پر آتی چلی گئی۔ اُسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ان لوگوں کا تعلق پولیس یا پاسداران سے نہیں ہے۔ اُس نے کشف کی طرف دیکھا، اُس کی ٹانگوں کی کپکپاہٹ بھی کسی حد تک کم ہو گئی تھی اور چہرے کی رنگت بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی تھی۔

’’تم...... تم کون ہو؟‘‘ لبانیہ جہاں نے نادر علی کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے پوچھا۔ اس مرتبہ اُس کے لہجے میں کسی حد تک اعتماد کا عنصر موجود تھا۔

’’ہم صلح پسند لوگ ہیں لبانیہ جہاں۔‘‘ نادر علی نے کہا۔

’’تمہارا تعلق کمیٹی سے ہے؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

’’تو پھر؟‘‘

’’تم ہمیں اپنا دوست سمجھ سکتی ہو۔ تمہیں ہم سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔‘‘ پھر وہ کشف کی طرف گھوم گیا اور بولا۔ ’’تمہارا خانم (لبانیہ جہاں) سے کوئی رشتہ نہیں ہے مجھے علم ہے۔‘‘

’’جی....‘‘ کشف کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُس کے دماغ میں ایک بار پھر سنسناہٹ ہونے لگی اور آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔

’’لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ نادر علی نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

’’لیکن...... لیکن تم ہو کون؟‘‘

’’ہمارا پولیس یا پاسداران سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم تو پاسداران کے دشمن ہیں۔ ہمیں ایک اہم معاملے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔‘‘

’’مم...... میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟‘‘ کشف نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اُس کے

لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

’’چہرے کی طرح تمہاری آواز بھی خوبصورت ہے۔‘‘ نادر علی نے مسکراتے ہوئے کہا پھر جیب سے کرنل مظہر علی کی تصویر نکال کر دکھاتے ہوئے بولا۔ ’’اس شخص کا نام مظہر علی ہے۔ اور یہ انٹیلی جنس میں کرنل کے عہدے پر فائز ہے۔ یہ خوبصورت لڑکیوں کو پسند کرتا ہے۔ تمہیں چند روز کے لئے اس کے ساتھ دوستی کرنا ہوگی۔‘‘

یہ سنتے ہی کشف اس طرح اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اُس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا اور ایک بار پھر خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔

’’نہیں نہیں...... آج تک کسی غیر مرد نے میرے جسم کو نہیں چھوا کجا یہ کہ میں ایک فوجی کی آغوش میں چلی جاؤں۔ یہ نہیں ہو سکتا...... میں اس ذلت پر موت کو ترجیح دوں گی۔ میں سخت نفرت کرتی ہوں ان لوگوں سے۔ انہوں نے بیدردی سے میرے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور میری ماں اور بھائی کو گرفتار کر لیا۔ نجانے ان دونوں پر کیا گزری ہو گی۔ میں کسی ایسے شخص کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔‘‘

’’اگر تم تعاون نہیں کرو گی تو......‘‘ نادر علی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

’’تو کیا......؟‘‘

’’تو میں پاسداران یا انٹیلی جنس کو فون پر بتا دوں گا کہ تمہارے کاغذات جعلی ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ تمہارے ساتھ ہوگا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ تم نے صرف یہ سنا ہے کہ تمہارے باپ کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا لیکن یہ نہیں جانتیں کہ موت سے پہلے اُسے کیسی کیسی اذیتیں اٹھانی پڑی ہیں۔ انٹیلی جنس اور پاسداران اپنے مخالفین کو اذیت پہنچانے کے لئے ایسے ایسے طریقے جانتے ہیں کہ شیطان بھی کانپ اٹھے۔ وہ تمہارے اس خوبصورت جسم کا تار تار اس طرح الگ کریں گے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہیں موت سے ہمکنار کرنے سے پہلے وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ لیکن اگر ہمارا ساتھ دو گی تو تمہیں صرف ایک ذلت برداشت کرنا پڑے گی۔ اور جب تمہاری اس ذلت کے نتیجے میں اس انقلابی حکومت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا تو تم اپنی ساری تکلیف بھول جاؤ گی۔ بولو...... کیا خیال ہے؟‘‘ نادر علی نے کہا۔

کشف پر سکتہ طاری تھا۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اُس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ گویا وہ سوچ رہی تھی کہ انکار کی صورت میں اس کا

جو حشر ہوگا اس کے تصور سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ دوسری طرف اُسے صرف ایک رُسوائی اُٹھانی تھی اور انقلابی حکومت کا یہ نقصان اُس کے زخموں پر مرہم ثابت ہوسکتا تھا۔ یہی سوچ کر اُس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

”میں تمہارے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہوں۔“ اُس کے ہونٹوں سے مُردہ آواز نکلی۔

”مجھے افسوس ہے۔“ نادر علی کے چہرے پر افسردگی سی آ گئی۔ ”کہ میں تمہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہوں۔“ اُس نے کشف کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ ”اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں تمہیں اپنے لئے منتخب کرتا۔ کیونکہ تم بہت حسین اور خوبصورت ہو۔“

کشف بستر پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔

”خدا حافظ.....“ نادر علی دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ ”تفصیلی گفتگو کے لئے پھر آؤں گا۔“

وہ ناصر کے ساتھ فلیٹ سے نکلا اور عمارت سے باہر آ کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

خانم لبانیہ جہاں، کشف کے قریب آ گئی اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ کشف اُٹھ کر لبانیہ سے لپٹ گئی تھی۔ اُس کی سسکیاں بلند ہو گئی تھیں۔

✿......✿

تہران کی گھڑیاں رات کے نو بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

کرنل مظہر علی کھانا کھانے کے بعد اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہا تھا کہ اُس کے اردلی نے کسی ملاقاتی کے آنے کی اطلاع دی۔ اُس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ وہ آج دن بھر کی بھاگ دوڑ سے بری طرح تھک گیا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت کسی ملاقاتی کی آمد اُسے اچھی نہیں لگی تھی۔ اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے پر آ گیا۔ کار کا ڈرائیور اُسے دیکھ کر مستعدی سے آگے آ گیا اور سلام کرنے کے بعد جیب سے ایک رُقعہ نکالنے کے بعد اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ مظہر علی نے رُقعہ کھول کر پڑھا تو اُس کی پیشانی کی شکنیں گہری ہو گئیں۔ کاغذ پر مختصر سی عبارت تحریر تھی۔

”میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ رقعہ
پڑھتے ہی اس شخص کے ساتھ آ جاؤ۔“ جاوید!

جاوید کی طرف سے اس طرح اچانک طلبی مظہر علی کے لئے حیرت انگیز تھی۔ اُس نے

پیغام بر سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن پھر خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ اُسے روک کر اندر آ گیا۔ لباس تبدیل کیا اور واپس آ کر سیاہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد کار ایک ہوٹل کے سامنے جا کر رُک گئی۔ اس اٹھارہ منزلہ خوبصورت ہوٹل کی آخری منزل پر گھومنے والا ریستوران، سولہویں منزل پر کشادہ اوپن پارک اور دوسری منزل پر ڈائننگ ہال تھا۔

یہ ہوٹل ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ انقلاب کے بعد جب دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والے شاہ کے پروردہ یہودیوں کے لئے یہ زمین تنگ ہو گئی تو وہ لوگ اس ملک سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگے۔ ہوٹل کا یہودی مالک بھی سب کچھ چھوڑ کر فرار ہو گیا اور یہ ہوٹل ان دنوں پاسداران کے قبضے میں تھا۔

انٹیلی جنس کا ایک آفیسر باہر ہی منتظر کھڑا تھا۔ اُس نے لپک کر دروازہ کھول دیا اور کرنل کی رہنمائی کرتا ہوا ایک بند ہال نما کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ کرنل مظہر علی کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ اُس کے چیف نے ملاقات کے لئے اس ہوٹل کا انتخاب کیوں کیا تھا؟ جبکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پاسداران اس عمارت کو اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

ہال نما کمرے کے دروازے پر انٹیلی جنس کے دو آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کرنل کو دیکھتے ہی جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور کرنل مظہر علی اندر داخل ہو گیا۔

وہ ایک آراستہ کمرہ تھا۔ بائیں جانب صوفے پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک انٹیلی جنس کا چیف جاوید تھا جبکہ باقی دو افراد مظہر علی کے لئے اجنبی تھے لیکن ان کے چہرے اور بالوں کی مخصوص تراش بتا رہی تھی کہ ان کا تعلق فوج سے ہے۔ کرنل مظہر نے تینوں کو سلام کیا اور مؤدب کھڑا ہو کر احکامات کا انتظار کرنے لگا۔

”بیٹھو مظہر علی......!“ جاوید نے کہا۔ ”یہ ایک نجی ملاقات ہے۔ پروٹوکول کی ضرورت نہیں ہے۔“

کرنل مظہر علی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ جاوید نے ان دو آدمیوں کا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ مظہر کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”مظہر! تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ملک ایران اس دوران بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہم اس کی سلامتی کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں اس میں اُمید بھی ہے اور خطرہ بھی۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟“

"یس سر! بخوبی سمجھ رہا ہوں۔" کرنل مظہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہم نے جو منصوبہ بنایا ہے اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں کی صورتحال کیا ہے؟ نادر علی کا کچھ پتہ چلا؟" جاوید نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"آج دو مشتبہ آدمیوں کو ایک بنگلے میں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ وہ بنگلہ ایک ایسے شخص کی ملکیت ہے جس کے شاہ کی فیملی سے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ شاہ کے فرار ہونے کے دو دن بعد وہ شخص بھی جعلی کاغذات کے ذریعے اپنے بیوی بچوں سمیت ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی شام کچھ لوگوں نے اس بنگلے پر ہلّہ بول دیا اور پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی بنگلے کا ساز وسامان لوٹ لیا گیا۔ وہ بنگلہ کافی عرصے سے خالی پڑا تھا لیکن کچھ دنوں سے وہاں کچھ پراسرار قسم کی سرگرمیاں دیکھی جا رہی تھیں۔ آج دو مشتبہ آدمی سیاہ رنگ کی ایک سیٹرون کار پر وہاں آئے تھے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک بنگلے میں رہے۔ شام کو ایک اور اطلاع ملنے پر میں نے اس بنگلے پر چھاپہ مارا لیکن بنگلہ خالی تھا۔ ایک کمرے میں ٹوٹا ہوا فرنیچر اور کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ اس کمرے میں تہ خانے کا راستہ بھی ہے لیکن تہ خانے سے بھی کچھ نہیں ملا۔ بنگلے میں آنے والی سیاہ رنگ کی سیٹرون کا نمبر اگرچہ نہیں دیکھا جا سکا تھا لیکن میرے آدمی اس کار کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"احمقانہ بات ہے۔" جاوید نے کہا۔ "اس شہر میں سیاہ رنگ کی درجنوں سیٹرون کاریں موجود ہوں گی۔" وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔ "نادر علی کا ہمارے ہاتھ آنا بہت ضروری ہے۔ اُسے تلاش کرو۔ اگر خرم احمد تم سے پہلے اُسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں سر۔" مظہر نے جواب دیا۔

"لیکن بہت ہوشیاری سے قدم اٹھانا۔ ہمارا دوسرا منصوبہ متاثر نہیں ہونا چاہیے۔" جاوید نے کہا۔

"دوسرا منصوبہ؟"

"میرا اشارہ اس گفتگو کی طرف ہے جو ہمارے درمیان باغ میں ہوئی تھی۔"

"اوہ سمجھا...... آپ فکر مت کریں سر!" مظہر علی نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے۔ اس مرتبہ وہ دونوں آدمی بھی

گفتگو میں شریک تھے۔

مظہر علی جب ہوٹل سے باہر نکلا تو دس بج چکے تھے۔ اُس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اُس کے چیف جاوید نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بے حد خطرناک تھا اور مظہر کے خیال میں اس میں کامیابی کے امکانات کم اور خطرات زیادہ تھے۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ شاید ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے۔

ڈرائیور نے اُسے دیکھ کر کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن مظہر اسٹیئرنگ سائیڈ والے دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"تم جاؤ...... گاڑی میں خود ڈرائیو کروں گا۔" اُس نے کہا۔

ڈرائیور پچھلی سیٹ کا دروازہ بند کر کے مودبانہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ مظہر نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور اسے ہوٹل کی حدود سے نکال لے گیا۔

مظہر اپنے آپ میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا اور یہ بے چینی جاوید کا منصوبہ سن کر پیدا ہوئی تھی۔ اُس کے سینے میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ وہ اپنا دھیان بٹانا چاہتا تھا تاکہ ذہن سکون پذیر ہو سکے۔ یہی سوچ کر اُس نے گاڑی ایک سینما کے قریب روک لی جہاں آج کل انقلاب کی کہانی اسٹیج پر تمثیل کی صورت میں دکھائی جا رہی تھی۔

انقلاب کے بعد تمام سینما ہاؤس بند ہو چکے تھے۔ کچھ عرصے تک تو یہ سینما ہاؤس ویران رہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ان کی رونق لوٹنے لگی۔ لیکن ان سینماؤں میں چلنے والی فلمیں پہلی فلموں سے مختلف تھیں۔ اب ایسی فلمیں دکھائی جاتی تھیں جن کے ذریعے دیکھنے والوں کو درس دیا جاتا تھا۔ بعض سینما ہاؤس تھیٹر میں بدل گئے تھے جہاں تمثیل اور زندہ جاوید کرداروں کے ذریعے لوگوں کو انقلاب کی کہانی بتائی جاتی تھی۔

مظہر علی باکس میں بیٹھا تو ہال کی بتیاں بجھ گئیں اور اسٹیج خوبصورت رنگ برنگی روشنیوں میں نہا گیا۔ پروگرام شروع ہونے سے قبل بائیں طرف والے باکس کا دروازہ کھلا اور کچھ نسوانی آوازیں سنائی دیں۔ مظہر علی نے بے خیالی میں سر گھما کر دیکھا تو پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہاں حسن و رعنائی کا ایک مجسمہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اُسے دیکھ کر مظہر کے سینے میں ہلچل مچ گئی۔ اتنی خوبصورت اور معصوم چہرہ لڑکی اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اسٹیج پروگرام جاری تھا لیکن مظہر علی کو اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ تو بار بار

مڑ کر اُس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے پہلی ہی نظر میں اُس کا سکون برباد کر دیا تھا۔

پروگرام ختم ہوگیا۔ ہال کی بتیاں جل گئیں۔ شائقین سیٹوں سے اُٹھ اُٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئے۔ مظہر علی کو سارے پروگرام کے دوران حسن و جمال کی وہ دیوی پریشان کرتی رہی تھی جو ساتھ والے باکس میں بیٹھی تھی۔ اُس نے اُس کے سینے میں آگ سی لگا دی تھی۔

پروگرام کے اختتام پر جب وہ باکس سے باہر نکل رہا تھا تو لڑکی سے آمنا سامنا ہوگیا۔ وہ اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ لڑکی کا چہرہ یکدم سرخ ہوگیا۔

جب وہ لابی میں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ لڑکی بھی لابی میں رُک گئی۔ اُس کے چہرے پر اُلجھن سی نظر آ رہی تھی۔ مظہر علی کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی کہ وہ اکیلی تھی اور اس کے پاس سواری نہیں تھی۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر حسین اور جوان لڑکی رات کے اس وقت اکیلی گھر سے باہر کیسے آ گئی؟ اُس نے اگرچہ چادر اوڑھ رکھی تھی لیکن اُس کا چہرہ برہنہ تھا۔

لڑکیوں کے معاملے میں مظہر علی دوسرے مردوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ حسین لڑکیوں کو دیکھ کر اُس کی رال ٹپکنے لگتی تھی۔ اس سلسلے میں اُس نے کبھی اپنے رُتبے کا خیال بھی نہیں رکھا تھا۔ اس وقت تو وہ ویسے بھی سادہ لباس میں تھا، عام لوگ اُسے نہیں پہچانتے تھے۔ وہ ٹہلتا ہوا لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

''ہیلو!'' اُس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ''شاید تمہارے پاس سواری نہیں ہے اور تم اکیلی بھی ہو۔''

''ج..... جی!'' لڑکی نے کہتے ہوئے چادر اس طرح درست کر لی کہ آنکھوں کے سوا اُس کا چہرہ چھپ گیا۔ ''اوہ..... کوئی بات نہیں۔ میں ٹیکسی کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''میری ٹیکسی حاضر ہے۔''

''آ..... آپ ٹیکسی ڈرائیور تو نہیں لگتے۔'' لڑکی نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

''کچھ لوگوں کے لئے بننا پڑتا ہے۔ آؤ، تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جاؤں گا۔'' مظہر علی نے کہا۔

''جی شکریہ۔ میں ٹیکسی میں چلی جاؤں گی۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''دیکھو رات کا وقت ہے۔ تم جیسی حسین اور جوان لڑکی اگر بدمعاشوں کے ہاتھ نہ لگی تو پاسداران کی نظروں سے نہیں بچ سکے گی۔ وہ تمہیں بے حیائی کے الزام میں گرفتار بھی کر

سکتے ہیں۔ اس طرح تم اچھی خاصی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ آؤ میں تمہیں چھوڑ دوں۔''

لڑکی نے کچھ تامل کیا پھر اُس کے ساتھ کار میں جا بیٹھی۔

''خانم کا گھر کہاں ہے؟'' مظہر علی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں ریلوے اسٹیشن کے دوسری طرف شہر کے زیریں علاقے میں رہتی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

مظہر نے کار کو گیئر میں ڈال دیا اور کار ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔

''آہ..... ہم مشکل میں گرفتار تھے۔ ہم ایک ایسے جال میں پھنس گئے تھے جس سے نکلنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمارا کردار اس پورے کھیل میں کچھ نہیں تھا۔ لیکن کسی اور کی وجہ سے مصیبت میں ہم گرفتار ہوئے۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ مصیبت کب تک ہمارا تعاقب کرنے والی تھی۔''

لکشمن کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ اس اُلجھی ہوئی پراسرار کہانی نے خود اُس کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس پوری داستان میں رافیہ اور علی کہاں تھے؟ یہ سوال اُس کے ذہن میں اُبھرا تو رافیہ کے ذہن نے اس کا جواب دیا۔

''میں تمہیں اپنے بھائی کے بارے میں بتا چکی ہوں۔''

''اگر تم ایرانی نژاد ہو اور شاہ کے دور سے تمہارا تعلق رہا ہے تو پھر تم پاکستان کیسے گئیں؟ اور ہندوستانی سیکرٹ سروس کو تم پر اور تمہارے والد پر شک کیسے ہوا؟'' لکشمن کے ذہن نے سوال کیا۔ لیکن پھر اُس کی نگاہ رافیہ کے چہرے پر پڑی جس پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اُس کا ذہن مسلسل مصروف رہ کر بری طرح تھک گیا تھا۔ لکشمن کے دل میں اُس کی محبت اُبھر آئی۔ اُس نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا اور فیصلہ کیا کہ دوسرے دن رافیہ سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔

لیکن دوسری صبح ایک سانحہ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ رافیہ اور علی گھر سے غائب تھے...... چھوٹا سا گھر خالی پڑا تھا۔ رافیہ کے کمرے میں صرف ایک پرچہ رکھا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

''سوری لکشمن...... ہمارا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔''

لکشمن دہشت سے جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ رافیہ کا اس طرح غائب ہو جانا اُس کے تصور سے بھی باہر تھا۔

اُونٹ پہاڑ تلے آ گیا تھا۔ اور پہلی بار اُسے پہاڑ کی بلندی کا احساس ہوا تھا۔ ٹھا کر کے اکھاڑے سے لے کر دہلی کے اس پراسرار ماحول میں حقیقت یہ ہے کہ اُس نے کبھی کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی تھی جس نے اُسے بے پناہ خوفزدہ کر دیا ہو۔ عمر کا ایک چھوٹا سا حصہ اپنے آپ سے ناواقفیت میں گزر گیا تھا۔ لیکن بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی خواب لاشعور کے پردوں سے گزر گیا ہو۔ اس کے بعد سب کچھ واپس آ گیا تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو چھپایا تھا۔ جو کچھ اُسے مل گیا تھا، سچی بات یہ تھی کہ ابھی تک اُس نے اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ سوامی گیانیشور اُسے جو کچھ دے گئے تھے یا جو کچھ اُس کے پاس رکھوا گئے تھے وہ اُس کے حق میں برا ہی ثابت ہوا تھا۔ اب تو خاص طور سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ خاموشی سے رافیہ کی کہانی اُس کے ذہن سے کشید کرنے کا عمل مناسب نہیں تھا۔ اسے کہتے ہیں کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ رافیہ سے دل کا حال ہی کہہ ڈالتا تو کم از کم جواب تو مل جاتا۔ قبول نہ کرتی الگ بات ہے۔ اور اگر قبول کر لیتی تو اس سے آگے کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا۔ نجانے کہاں چلی گئی تھی اور کیوں چلی گئی تھی؟ اتنی بے مروتی تو اچھی نہیں تھی۔ ساتھ بے شک بہت زیادہ طویل نہیں تھا لیکن اندازہ ہو چکا تھا کہ ایک دوسرے کے دل کی بات سمجھی جائے۔ اس کے اندر بھی محبوبیت تھی اور وہ اس احساس سے الگ نظر نہیں آتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے کچھ اور سوچا ہو۔ مثلاً مذہب کا فرق، کلچر کا فرق، ملک و ملت کا فرق۔ یہ فرق کسی طرح مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ اگر اُس کی سوچ یہ تھی تو غلط تھی۔ محبت تو بڑے بڑے فرق مٹا دیتی ہے۔ کوئی نہ کوئی عمل کر ہی لیا جاتا۔ رافیہ کے انداز سے تو یہی احساس ہوتا تھا کہ اُس کے دل میں بھی لکشمن کی محبت کا پودا اُگ چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مشکل کا شکار تھی۔

بہت سی باتیں تو سمجھ میں ہی نہیں آتی تھیں۔ اگر وہ ایرانی نژاد تھی تو پاکستان میں کیوں رہ رہی تھی؟ اور اگر پاکستان میں رہ بھی رہی تھی تو پھر اپنے بھائی کی وجہ سے یہاں تک کیسے

آ گئی تھی؟ ادھوری کہانی میں بہت سی اُلجھنیں پوشیدہ تھیں۔ کاش کہانی ہی مکمل ہو جاتی۔ حالانکہ وہ بالکل ہی الگ کہانی تھی اور رام پور کے لکشمن کو ایسی کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو ہنسنے بولنے والے انسانوں میں سے تھا۔ مذہبی ملت پر کوئی غور ہی نہیں کیا تھا اُس نے۔ اگر کچھ الگ ہی فطرت کا مالک ہوتا تو سیدھی سی بات تھی کہ سنت گیانیشور کے دیئے ہوئے گیان سے آج کروڑ پتی بن چکا ہوتا۔ لوگ اپنی دولت کے منہ اُس پر کھول دیتے۔ ہر خزانہ اُس کے لئے کشادہ ہو جاتا۔ لیکن اُس نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جنرل جے پال کے چکر میں پھنس گیا اور کہانی ہی الگ ہو گئی۔ لیکن ان ساری کہانیوں کا اثر ایک طرف، رافیہ کے پیار نے دل پر جو اثر ڈالا تھا وہ نہ مٹنے والا تھا۔

وہ کھویا کھویا سا تین چار دن تک تو بستر پر ہی پڑا رہا۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ پانی پی لیا۔ بھوک لگی تو جو بھی سامنے آیا سوکھے ٹکڑے کھا لئے اور زندگی گزار دی۔ لیکن پانچویں دن اُس پر وحشت کا وہ طوفان نمودار ہوا کہ اُس کا سارا وجود خاکستر ہو گیا۔ حالانکہ جے جنرل جے پال کا مفرور تھا اور جنرل جے پال جیسا عفریت جو نجانے کیسی کیسی قوتیں رکھتا تھا، اُس کی تلاش میں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ جنرل جے پال اس سے بے حد متاثر تھا اور اس کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنا چکا تھا۔ لیکن اُس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ ایسے عالم میں لکشمن کو وہ نجانے کہاں کہاں تلاش کر رہا ہوگا۔ لیکن محبت کی ستم ظریفی نے لکشمن کو سارے خوف و خطرات سے بے نیاز کر دیا اور دہلی کی سڑکوں پر وہ مارا مارا پھرنے لگا۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ اپنے گلے میں ایک بڑا سا بورڈ لٹکا لے اور لوگوں سے سوال کرے کہ رافیہ کہاں ہے؟ اُسے رافیہ کا پتہ بتا دیا جائے۔ عشق کا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس اُس کے ہوش و حواس گم ہو گئے تھے۔ نجانے کب تک دہلی کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا اور اس کے بعد سوز و گداز میں ڈوب گیا۔ آنکھیں جو صرف شرارت سے مسکرانا جانتی تھیں، آنسوؤں کی نمی میں ڈوب گئیں۔ دل میں ہچکیاں سی اُٹھنے لگیں۔ کہاں جاؤں.... کس کے پاس جاؤں...... کس سے پوچھوں کہ دیکھو محبت کتنی بری چیز ہے...... انسان کو کس طرح بے بس کر دیتی ہے۔ کیسی بری لڑکی تھی جو اس طرح چھوڑ کر چلی گئی۔ کم از کم یہ تو بتا دیتی کہ کہاں جا رہی ہے؟ عجیب و غریب کردار تھا اُس کا اور اُس کے باپ کا۔ ایک لمحے کے لئے تو دل میں آیا کہ جنرل جے پال ہی سے جا ملے۔ اُس سے کہے کہ مہا گرو، مجھے صرف رافیہ کا پتہ بتا دیں۔ لیکن مہا گرو کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اُس کی

ہڈیاں توڑ کر ہاتھ میں دے دیں گے۔ پھر ماں باپ یاد آئے اور اس کے بعد ریل میں بیٹھ کر رام پور چل پڑا۔ کیفیت ہی بدل چکی تھی۔ ایک شوخ وشنگ اور زندگی سے بھرپور لڑکا اب غم واندوہ میں ڈوبا ہوا ایک مرجھایا ہوا نوجوان تھا۔ راستے کے سفر میں ماضی کے سفر کی ساری داستان آنکھوں میں فلم کی طرح گھومتی رہی۔ یہاں تک کہ رام پور پہنچ گیا۔

جانی پہچانی جگہ کا ہر دروازہ، ہر اینٹ اُس کی اپنی داستان لکھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت اُس کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا جب تلیا رام کے دروازے پر تالا دیکھا۔ اندازہ تو یہ تھا کہ گھر میں تالا ہی نہیں تھا۔ کبھی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تالا لگانے کی۔ پھر یہ لوگ کہاں گئے؟ میں کیا کرتا، میرا بھی تو قصور نہیں تھا۔ میں دوسروں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اگر جنرل جے پال کی قید میں نہ ہوتا اور کچھ عرصے کے لئے اپنا ماضی نہ بھول گیا ہوتا تو ماں باپ کا پتہ تو لگاتا ہی رہتا۔

وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا کہ پیچھے سے سکھیا رام نظر آیا جو ابھی اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ سکھیا رام نے اُسے دیکھا تو دوڑ کر اُس کے پاس پہنچ گئے۔

''ارے رے...... رے رے...... کہاں تھا رے تو۔ بڑا ہی پاپی ہے...... بڑا ہی کٹھور ہے۔ اولادیں ایسی ہوتی ہیں تو بھیا، ٹھیک ہے۔ بھگوان نے اولاد نہ دی اچھا ہی ہوا۔''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سکھیا رام کو دیکھتا رہا تو سکھیا رام نے کہا۔

''ہم نے لگایا ہے تالا۔ چابی ہے ہمارے پاس۔ لے کر آتے ہیں۔''

''مگر سنیے تو سہی سکھیا رام جی!'' اُس نے بمشکل کہا اور سکھیا رام رُک گئے۔

''کہاں گئے ہوئے ہیں پتا جی اور ماتا جی؟'' لکشمن نے ٹوٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''سورگ میں بیٹا! سورگ میں......'' سکھیا رام نے کہا اور لکشمن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بند کرلیا ہو۔ آنکھوں میں چکر آگئے تھے۔ گھر کے دروازے کی دیوار سے جا ٹکا۔

''آ جا بیٹا! اندر آ...... پانی پلائیں تجھے۔ اندر آ جا۔'' سکھیا رام اُسے سہارا دے کر اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ تلسی بھی موجود تھی۔ اُسے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ سکھیا رام نے اُسے چارپائی پر بٹھایا تو لکشمن بمشکل تمام بولا۔

''کیا کہہ رہے تھے آپ سکھیا رام جی؟''

''ہاں بیٹا! کوئی چھپانے کی بات ہوتی تو چھپائی جاتی۔ بھلا یہ بھی کوئی چھپانے کی بات ہے۔ کیوں تلسی؟''

تلسی نے کچھ نہ کہا۔ خاموش نگاہوں سے لکشمن کو دیکھنے لگی۔ تب سکھیا رام نے کہا۔

''اور تو کہاں گم ہو گیا تھا؟ میں تیری تلاش میں متھرا بھی گیا تھا۔ ارے دیّا رے دیّا...... نجانے کہاں کہاں چکر لگاتا رہا تھا۔ پر تیرا کوئی پتہ ہی نہ چلا۔''

''ماتا پتا کو کیا ہوا؟ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟''

''بیٹا! دیہانت ہو گیا ان کا۔ دونوں کے دونوں ایک ساتھ بیمار ہوئے تھے۔ بخار چڑھا تھا۔ کھٹیا سے لگے تو پھر اُٹھ نہ سکے۔ تو مانے یا نہ مانے پڑوسیوں سے پوچھ لے۔ تلسی نے ایسے اُن کی تیمارداری کی جیسے ماتا پتا کی کی جاتی ہے۔ پر نجانے کیسا بخار تھا، چڑھا تو اُترنے کا نام ہی نہ لیا۔ اور پھر ایک عجیب بات ہوئی، دونوں کا دیہانت ایک ساتھ ہی ہوا۔ ایک ہی دن مر گئے دونوں جیسے معاہدہ کر کے آئے ہوں۔''

لکشمن اس طرح یہ کہانی سن رہا تھا جیسے یہ اُس کی اپنی کہانی ہی نہ ہو۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ بار بار پوچھے کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن ماتا پتا گئے کہاں؟

سکھیا رام کہہ رہا تھا۔ ''پڑوسیوں نے ارتھی جلائی۔ تجھے ہر جگہ تلاش کیا لکشمن! پر بڑا بدنصیب نکلا رے تو۔ ماتا پتا کی چتا کو آگ بھی نہ لگا سکا۔''

لکشمن پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ اتنا رویا وہ کہ تلسی اور سکھیا رام بھی رونے لگے۔ تلسی اس طرح آگے بڑھی جیسے اُس کی ماں ہو۔ ویسے بھی ان دونوں کے درمیان بڑا پوتر رشتہ تھا۔ لوگوں نے غلط سمجھا تھا۔ ایک جوان لڑکی کو جوان لڑکے سے ملتے دیکھ کر دنیا پتہ نہیں ایک ہی انداز میں کیوں سوچنے لگتی ہے۔ دونوں کے دل ہوتے ہیں، دونوں میں انسانیت بھی ہوتی ہے۔ اب ایسا تو نہیں ہے کہ دلوں میں گندگی کے علاوہ اور کچھ ہوتا ہی نہ ہو۔ جوانی جائے بھاڑ میں، انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ اور اس وقت بھی سکھیا رام نے تلسی کا یہ انداز دیکھ کر اپنے ماتھے پر شکن نہیں ڈالی تھی۔ تلسی آج بھی جوان تھی اور سکھیا رام اور بوڑھا ہو چکا تھا۔ بہرحال لکشمن کا سر تلسی کے گداز سینے سے لگا رہا اور تلسی اُسے چپ کراتی رہی۔ سکھیا رام نے کہا۔

''تلسی! تو اسے سنبھال، میں کچھ کھانے پینے کے لئے لے کر آتا ہوں۔''

''نہیں سکھیا رام جی! میں ٹھیک ہوں۔ اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔''

''خالی گھر میں جا کر کیا کرے گا بیٹا؟ دل اور دُکھے گا۔''

''جانا چاہتا ہوں۔'' لکشمن نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تلسی! ذرا چابی نکال دے۔"

اور پھر سکھیا رام نے اپنے ہاتھ سے جا کر دروازہ کھولا تھا اور چابی اُسے دیتے ہوئے کہا تھا۔

"بیٹا! کہیں جانا ہو تو یہ تالا باہر لگا جانا۔ تیرے گھر میں تو شاید تالا بھی نہیں تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے، تلیا رام جی کو ادھر ہی دیکھا۔"

یہ کہہ کر سکھیا رام واپس چلا گیا اور لکشمن ٹوٹے قدموں سے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ہر قدم پر ایک کہانی لکھی ہوئی تھی۔ ایک ایک تحریر، جس میں اُس کے پہلے دن سے لے کر آج تک کی ساری داستانیں نظر آتی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ اس تخت پر جا کر بیٹھ گیا جہاں تلیا رام جی پوتھیاں بنایا کرتے تھے۔ اندر کا ماحول، گھر، رسوئی ...... اور پھر اُس کے منہ سے نکلا۔

"دونوں نے ایک دوسرے کی محبت نبھائی۔ میرا تو جیسے اس محبت میں کوئی حصہ ہی نہیں تھا۔ واہ پتا جی واہ...... جیون بھر دوسروں کی پوتھیاں بناتے رہے، اپنا بھوش پتہ ہی نہیں تھا۔ کم از کم میرے ستارے دیکھ کر یہ تو بتا دیتے مجھے کہ اس طرح اچانک ہی چل پڑیں گے، میں آ جاتا پتا جی۔ یہ کوئی بات ہوئی؟ چلو ماتا جی! پتا جی تو پھر بھی مرد تھے، مجھے پسند بھی نہیں کرتے تھے اس لئے کہ میں نے کبھی ان کی بات نہیں مانی۔ مگر تم...... تم نے بھی انہی کا ساتھ دیا؟ میرا انتظار نہیں کیا۔ چلے گئے دونوں کے دونوں مجھے چھوڑ کر......"

اور اس کے بعد اُس تخت پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اتنا رویا...... اتنا رویا کہ آنسوؤں کی دھاریں ختم ہو گئیں اور نجانے کب اُسے نیند آ گئی۔ خواب میں اُس نے اپنی ماں کو دیکھا جو اُس کے بالوں میں اپنی اُنگلیوں سے کنگھی کر رہی تھی۔ وہ خواب میں بولنے لگا۔

"نہیں ماتا جی! غصہ ہے مجھے آپ پر۔ واہ، یہ کوئی بات ہوئی؟ مائیں اس طرح اولاد کو چھوڑ دیتی ہیں؟ اتنی اجنبیت برتتی ہیں اس سے؟ ایک دفعہ بتا تو دیتیں مجھے کہ میرا دوش کیا ہے؟ آپ لوگوں سے اتنا دُور تو نہیں تھا۔ مجبوری ہو گئی تھی۔ آپ نے میری مجبوری پر اتنا غصہ منایا کہ سنسار ہی چھوڑ گئیں۔ پتا جی تو ہمیشہ کے ظالم تھے۔ ہمیشہ ہی مجھے برا بھلا کہتے تھے۔ اور آخر میں مجھ پر تھوک کر چلے گئے۔ مگر ماتا جی! آپ نے تو کبھی میرے چہرے پر نہیں تھوکا تھا۔ مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ بھی میرے اوپر اس طرح تھوک کر چلی جائیں گی۔ بتایئے ماتا جی، بتایئے......"

اور جواب میں اُس کی ماں نے اُس کا سر اپنے سینے میں چھپا لیا۔ پھر اچانک ہی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بار پھر تلسی اُس کے قریب موجود تھی۔ وہ تلسی سے لپٹ گیا اور تلسی نے اپنا سر اُس کی پیشانی پر رکھ دیا۔ اُس کے گرم گرم سانس لکشمن کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اُس کی ناک لکشمن کی ناک سے ٹکرا رہی تھی۔ اُس کے ہونٹ لکشمن کے ہونٹوں سے صرف ایک بھاپ کے فاصلے پر تھے۔ لکشمن کو اُس کے [illegible]ر ذرا بھی برائی محسوس نہیں ہوئی۔ یہ صرف محبت کا ایک انداز تھا۔ تب اُس کے ہونٹوں نے سرگوشی کی۔

"لکشمن! چپ ہو جاؤ...... مرد روتے نہیں ہیں۔"

"سب کچھ تو چھن گیا مجھ سے تلسی! مرد کیا انسان نہیں ہوتے؟"

"انسان تو ہوتے ہیں۔ لیکن مرد ہوتے ہیں۔" تلسی نے کہا اور اپنا چہرہ اُس کے چہرے پر سے اُٹھا لیا۔ نجانے ان جملوں کا کیا مقصد تھا؟ لکشمن نے نہ پہلے کبھی اس قسم کے جملوں پر غور کیا تھا اور نہ اس وقت۔ اس وقت تو خیر اُس کا دل ہی دُکھا ہوا تھا۔ تلیا رام اس طرح چلے جائیں گے اُس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مدھم سے لہجے میں بولا۔

"واہ پتا جی واہ...... کچھ بھی نہیں کیا آپ نے تو اپنے لئے۔ کتنی خاموشی سے مر گئے۔ ٹھیک ہے، کیا کہہ سکتا ہے انسان......"

بڑا تبدیل ہو گیا تھا لکشمن۔ تلسی اور سکھیا اُس کی بڑی دیکھ بھال کرنے لگے۔ کوئی ہفتہ بھر اُس نے اس طرح گزارا۔ دل کہاں لگتا تھا؟ پرانے شناسا اُس کے آنے کی خبر سن کر آتے رہے تھے مگر اُس کا دل کسی سے نہیں لگ رہا تھا۔ پھر اُسے گردھاری لعل جی یاد آئے اور ایک دن خاموشی سے وہ کسی کو کچھ بتائے بغیر متھرا چل پڑا۔

متھرا تک کا سفر بڑے غم سے کٹا تھا۔ دہلی سے رام پور اس لئے آیا تھا کہ ماں باپ کے ساتھ مل کر رافیہ کی یاد کو دل سے نکال سکے۔ مگر اب تین تین غم ایک ساتھ ہو گئے تھے۔ رافیہ کی گمشدگی کا غم، ماں باپ کا غم۔

گردھاری لعل جی کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ آواز دے کر اندر داخل ہو گیا۔

گردھاری لعل جی معمول کے مطابق گھر کے دالان میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر حقے کی نے اُن کے منہ سے نکل گئی۔ ایک دم سے کھڑے ہو گئے۔ دونوں ہاتھ پھیلائے اور پھر اُس سے لپٹ گئے۔

''ارے لکشمن! ارے بے وفا! کہاں چلا گیا تھا رے تو؟ ارے بابا اتنا بڑا گیان مل گیا تجھے، یہی دیکھ لیتا کہ ماتا پتا کے ستارے کیا کہتے ہیں۔''

''اس گیان ہی نے تو مجھے چوپٹ کر دیا مہاراج! میں نے پہلے ہی تلیا رام جی سے کہہ دیا تھا کہ پتا جی! یہ سب کچھ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے آزاد پنچھی بنا کر چھوڑ دو۔ پر نہ مانے۔ بھٹکاتے رہے مجھے اور خود بھی بھٹکتے رہے۔ مگر گرو جی! یہ ہو کیسے گیا؟ آپ کو تو پتہ ہی ہوگا۔''

''کہاں پتہ رے...... پتہ نہیں اُن کے دیہانت کے کتنے عرصے کے بعد مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ تلیا رام جی اور اُن کی دھرم پتنی اس سنسار میں نہیں رہے۔ بیٹا! نجانے کہاں کہاں تجھے تلاش کیا لیکن تیرا کہیں پتہ ہوتا تو تجھے خبر دی جاتی۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اُن کی ارتھی ہی جلا دیتا تو۔ اور میں کیا کرتا۔ بات تو بہت پرانی ہو چکی تھی۔ پڑوسیوں نے اُن کی چتا بھی جلا دی تھی۔ پھر بھی میں تجھے تلاش کرتا رہا، لیکن پتہ نہیں چلا۔''

''گرو جی! اب میں کیا کروں؟ میں تو بالکل اکیلا ہو گیا ہوں...... کوئی بھی نہیں رہا ہے میرا اس سنسار میں۔''

''بیٹا! سنسار میں کبھی کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ یہ رشتے ناطے جو ہیں نا یہ سب اپنے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ باپ، بیٹا، ماں، بہن، بھائی سارے کے سارے اجنبی ہو جاتے ہیں ایک سمے پر۔ بیٹا! سارے دن سکھ کے دن نہیں ہوتے۔ ان دنوں میں دُکھ بھی شامل ہوتے ہیں۔''

''مگر میرے من کو شانتی......''

''شانتی بھگوان کے چرنوں میں ملتی ہے۔''

''کہاں تلاش کروں بھگوان کو؟''

''بھگوان کے گھر میں جا...... بھگوان کی مورتیوں کے سامنے پرارتھنا کر۔'' گردھاری لعل نے کہا اور لکشمن وہاں سے چل پڑا۔ بھگوانی کے مندر کے بت کے سامنے بیٹھ کر اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بھگوان! مجھے شانتی دو...... مجھے سکون دو۔ میں مر رہا ہوں...... میں جل رہا ہوں اندر سے۔''

تبھی ایک ہاتھ نے اُس کے کندھے پر نرمی سے تھپکی دی اور اُس نے گھوم کر دیکھا، بڑا

خوبصورت سا چہرہ تھا۔ مندر کی دیوداسی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں...... کیسے بلک بلک کر رو رہے ہو؟'' ایک عورت بولی۔ اس عورت کے لہجے میں ماتا تھی، پیار تھا۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی اُس کی۔ وہ اُسے دیکھتا رہا، پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ عورت نے نیچے بیٹھ کر اُس کا سر اپنے سینے سے لگایا اور بولی۔

''بھگوان کے مندر میں تمہیں شانتی ملے گی۔''

لیکن وہ اُسے بھگوان کے مندر سے دُور لے گئی اور لکشمن کو وہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ وہ ان راستوں پر نہیں جانا چاہتا تھا جن راستوں کے لئے اُس نے پجاریوں کو تباہ و برباد کیا تھا۔ ایک مندر، دوسرا مندر، تیسرا مندر۔ وہی سب کچھ اُسے پھر نظر آ رہا تھا جس کے لئے اُس نے راج ماتھر کے ساتھ مل کر جدوجہد کی تھی۔ پجاریوں کے کچھن بھلا کہیں بدلنے والے تھے؟ بھگوان کے چرنوں میں بیٹھ کر بھگوان کے نام پر کھاتے پیتے تھے، عیش کرتے تھے اور بھگوان کے مندر کو ہی ناپاک کرتے تھے۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ...... جمنا کے کنارے پھیلے ہوئے بے شمار مندروں میں اُس نے اپنے لئے سکھ، شانتی تلاش کی لیکن مشکل ہو گیا۔ وہ دربدر مارا مارا پھر رہا تھا۔

گردھاری لعل جی خود ہی اُسے تلاش کرتے ہوئے دیویکا مندر پہنچے تھے جہاں وہ مندر کے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا مل گیا تھا۔ گردھاری لعل نے اُس سے کہا۔

''تم کیسے ہو لکشمن؟ جدا ہوتے ہو تو پھر اس طرح کہ تمہارا نشان نہیں ملتا۔ اور یہ تم نے حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟''

''بہت پریشان ہوں گرودیو...... بہت پریشان ہوں۔ شانتی چلی گئی ہے من کی۔ اکیلا رہ گیا ہوں سنسار میں۔ کیا کروں گرودیو...... کیا کروں؟''

''بیٹا! سنبھالو اپنے آپ کو۔''

''گرودیو! ان مندروں میں بھگوان نہیں رہتے۔ یہاں تو ان کا راج ہے جو دن رات بھگوان کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں۔ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا گرو جی! اس جگہ من کی شانتی نہیں ملتی۔ میں یہاں اس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہوں۔ میرے سامنے کوئی مورتی نہیں ہے، کوئی پتھر کا ٹکڑا نہیں ہے۔ بس میں اپنے بھگوان سے اپنے لئے شانتی مانگ رہا ہوں۔ سکون مانگ رہا ہوں۔''

''بھگوان تمہیں سکون دے بیٹا...... کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔''

"نہیں مہاراج! کچھ نہیں چاہیے۔" لکشمن نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

گرو دیو چلے گئے۔ لکشمن درخت کے نیچے بیٹھا رہا۔ سامنے ہی جمنا بہہ رہا تھا۔ مندروں کا یہ علاقہ بہت ہی پوتر کہلاتا تھا۔ لیکن لکشمن نے دیکھا کہ اس پوترتا میں کس طرح سیاہی لگ جاتی ہے۔ بھگوان کا کام بھگوان کرتے ہیں اور انسان...... مگر یہ انسان تو کچھ اور ہی ہیں۔ اس دن وہ سویا تو اچانک ہی اس وقت اُس کی آنکھ کھل گئی جب سورج نہیں نکلا تھا۔ مدھم مدھم سویرا چاروں طرف سے یلغار کر رہا تھا۔ اچانک ہی اُسے ایک بہت ہی سریلی آواز سنائی دی...... کوئی کچھ کہہ رہا تھا...... نجانے یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی...... اُس نے غور سے اس آواز کو سنا۔

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔" یہ صدا اُس کے لئے بڑی عجیب تھی۔ تب اُسے خیال آیا کہ اس سے پہلے بھی یہ آواز اُس کے کانوں میں گونج چکی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُس نے کبھی اس آواز پر توجہ ہی نہیں دی۔ یہ آواز جمنا پار مسلمانوں کی بستی سے آ رہی تھی...... جمنا کے اس کنارے مسلمانوں کی چھوٹی سی آبادی تھی اور اس آبادی میں ایک مسجد تھی جس میں لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا تھا۔ اس لاؤڈ اسپیکر سے یہ آواز روزانہ اُبھرتی تھی۔

کئی بار اُس نے دن میں بھی اس آواز کو سنا تھا لیکن صبح کے وقت یہ آواز بہت سریلی لگ رہی تھی کہ وہ اس میں کھو کر رہ گیا۔ وہ بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے کان اس آواز پر متوجہ ہو گئے اور وہ بے خودی کے عالم میں اُسے سنتا رہا۔ جو کچھ کہا جا رہا تھا اس کا مفہوم تو اُس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا لیکن آواز تھی یا قیامت...... لگ رہا تھا جیسے ساری کائنات اُس آواز میں سمٹ گئی ہو۔ وہ کس طرح اپنی جگہ سے اُٹھا اور کیسے جمنا کنارے پہنچا، اُسے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت چونکا جب ایک شخص نے اُس سے کہا۔

"کیا بات ہے مہاراج! کیا جمنا پار جانا ہے؟"

وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ ماجھی تھا جو ایک چھوٹی سی ڈونگی کو گھسیٹ کر جمنا کے کنارے لے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر سوال کیا۔

"اگر جمنا پار جانا ہے تو آؤ، میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

کس طرح اُس کے قدم کشتی کی جانب بڑھے اور کس طرح وہ اُس چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا، اس کا اس کو صحیح طور پر اندازہ بھی نہیں تھا۔ ماجھی کشتی کھینے لگا اور کشتی جمنا کی گنگناتی لہروں پر آگے بڑھنے لگی۔ تبھی اُس کو ہوش آیا۔ پانی کے کچھ چھینٹے اُس کے چہرے پر پڑے

تھے۔ ماجھی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مچھلی تھی سسری...... کشتی پر سے اُچھل کر نکل گئی۔ تم نے دیکھا؟"

"ایں...... ہاں......" وہ آہستہ سے بولا۔ اور پھر اُس نے اپنے رہبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا بھائی؟"

"سلیمان۔"

"جمنا کنارے کیا کرنے آئے تھے؟"

"رات کو آئے کچھ مسافروں کا سامان پہنچانا تھا مجھے۔ ہمارے پاس چھوڑ آئے تھے۔ رات کو جمنا پار کرنے کو من نہیں چاہا۔ ہم نے سوچا کہ صبح چلے جائیں گے۔ صبح تم ادھر آئے تو ہم نے سوچا کہ چلو ایک ساتھی مل جائے تو اچھی بات ہے۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"وہ ہے سامنے اپنی بستی۔ سلیمان ہے نام ہمارا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام لکشمن۔"

"اچھا اچھا...... پجاری ہو؟"

"نہیں۔"

"یاتری ہو؟"

"نہیں۔"

"پجاری بھی نہیں ہو، یاتری بھی نہیں ہو...... متھرا میں ہی رہتے ہو؟"

"ہاں......"

"اچھا اچھا۔"

"وہ بستی مسلمانوں ہی کی ہے نا؟"

"ہاں بھیا! مسلمانوں کی ہے۔ پہلے سب انسان ہوا کرتے تھے۔ اب ہندو ہیں، مسلمان ہیں، سکھ ہیں، عیسائی ہیں۔ ارے بابا لینا تو ایک ہی نام ہے نا تمہیں۔ اس تصور کو پتھر بنا کر سامنے رکھ لو یا پھر گردوارہ بنا لو، صلیب لٹکا لو، نماز پڑھ لو۔ بات اُسی اوپر والے کی ہے جسے ہم الگ الگ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ دشمنی نہیں ہونی چاہئے۔ طریقہ اپنا اپنا۔"

لکشمن خاموشی سے اُس کی بات سنتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ "ایک آواز میں نے سنی تھی صبح ہی صبح۔"

''کیسی آواز؟''

''ادھر بستی سے آتی ہے۔''

''آواز آتی ہے؟''

''ہاں۔''

''مگر بھیا! کیسی آواز ہے؟ ہمیں تو کچھ پتہ نہیں۔''

''میں اُس کے الفاظ بتاتا ہوں تمہیں۔''

''ہاں بتاؤ۔''

''اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔''

''تو پھر؟'' سلیمان نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ آواز کہاں سے آتی ہے؟''

''مسجد سے بھیا!''

''مسجد سے؟''

''ہاں مسجد سے۔''

''مگر یہ آواز وہاں سے کیوں آتی ہے؟''

''لو بھیا کی باتیں۔ مولوی صاحب اذان دیتے ہیں بھیا۔ وہ دیکھو، وہ جو مسجد ہے نا، ہرا گنبد نظر آ رہا ہے نا تمہیں؟''

''ہاں...... تو وہ تمہاری عبادت گاہ ہے؟''

''ہاں بات وہی ہے جو میں نے تم سے پہلے کہی تھی۔ تم اُسے بھگوان کہتے ہو ہم اُسے اللہ کہتے ہیں۔ بس اللہ کا نام لیا جاتا ہے، عبادت کی جاتی ہے جس طرح تمہارے مندروں میں عبادت ہوتی ہے۔''

''اچھا...... اچھا...... یہ عبادت کتنی دفعہ ہوتی ہے؟''

''پانچ بار۔ دن میں پانچ بار نماز پڑھتے ہیں ہم لوگ۔ مولوی صاحب کی آواز واقعی بہت اچھی ہے۔ وہ جمنا پار تک آ جاتی ہے کیا؟''

''ہاں...... میں اس آواز کو اکثر سنتا تھا۔ مگر وہ آواز مجھے اتنی سندر لگی آج کہ میرے پاؤں اس طرف کھنچے چلے آئے۔''

''ہاں، ہم کہہ رہے تھے نا مولوی صاحب کی آواز بہت سریلی ہے۔ ساری بستی اُن کی

ں بات کو مانتی ہے کہ جب سے وہ آئے ہیں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ے اللہ والے ہیں ویسے بھی۔ عمر بھی اچھی خاصی ہے۔ لیکن آواز اللہ نے ایسی دی ہے۔ م نہیں جانتے بھیا! ہمارے ہاں یہ آواز کتنی بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ تم ہندو ہو نا؟''

''ہاں، میں نہیں جانتا...... مگر میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''بہت سی باتیں جاننا چاہتا ہوں۔ یہ بتاؤ میں اُن سے مل سکتا ہوں؟...... میرا مطلب ہے جن کی یہ آواز ہے؟''

''مولوی اکرام الٰہی۔ کیوں نہیں مل سکتے تم اُن سے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ تم اُن سے ملو گے تو وہ بہت خوش ہوں گے۔''

''دین دھرم کی بات تو نہیں ہو گی؟''

''کہا نا بھیا! ساتھ ہی رہا کرتے تھے تھوڑے عرصے پہلے۔ بس انگریز سسرے پھوٹ لوا گئے تو پڑ گئی۔ پر اب بھی انسانوں کے من تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔''

''ہوں...... تم بہت اچھے ہو سلیمان!''

''ارے بھیا! کیا اچھا کیا برا۔ بس اللہ عزت سے روزی پوری کرا دے، بڑی بات ہوتی ہے۔ ویسے تم بستی میں کس کے پاس جاؤ گے؟''

''اب تو انہی کے پاس جاؤں گا۔''

''کس کے پاس؟''

''وہی جن کا نام تم نے بتایا۔''

''میں نے بتایا؟''

''ہاں۔''

''میں نے تو اکرام الٰہی کا نام بتایا ہے۔''

''ہاں اُنہی کے پاس۔''

''کیا کرو گے اُن کے پاس جا کر؟''

''باتیں کروں گا اُن سے۔''

''مگر نماز کے بعد جانا۔''

''ہاں مجھے بتا دینا وہ کہاں ہوتے ہیں۔''

''میں بتا دوں گا...... پرواہ ہی مت کرو۔'' سلیمان نے کہا۔ جمنا کی لہروں پر آہستہ آہستہ کشتی بہتی ہوئی آخر کار کنارے سے جا لگی۔ سلیمان پہلے نیچے کودا۔ اُس نے کشتی کو پوری قوت سے اوپر کھینچ لیا۔ اسی دوران لکشمن بھی خشکی پر کود گیا تھا۔ سلیمان نے لکڑی کی کشتی کھینچ کر ایک درخت سے باندھی اور وہاں سے آگے بڑھا تو لکشمن نے پوچھا۔

''اس کشتی کو یہیں چھوڑ دو گے؟''

''یہیں پڑی رہتی ہے یہ۔''

''کوئی کھول کر نہیں لے جاتا؟''

''ارے نہیں بھیا! ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں۔ سب ایک دوسرے سے پیار محبت کرتے ہیں۔ چوری چکاری نہیں ہوتی ہماری اس بستی میں۔ سب محنت مزدوری کر کے زندگی گزارتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی کالی بھیڑ بھی ہمارے درمیان آ جاتی ہے۔ بس ایک دفعہ وہ مولوی اکرام الٰہی کے پاس پہنچ جائے، سمجھ لو سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔ اللہ پاک نے اُن کی آواز میں ایسا جادو دیا ہے کہ بس پوچھو مت۔''

سلیمان لکشمن کو ساتھ لئے ہوئے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ پھر اُس نے کہا۔

''یار! ایک کام کرو۔''

''ہاں بولو۔''

''تم باہر ہی رُکو۔ معاف کرنا، میرے گھر آؤ گے تو میں تمہیں گھر کے اندرونی حصے تک لے جا سکتا ہوں۔ ہر چیز تمہاری اپنی وہ ہوگی۔ لیکن دوسرے لوگوں میں سے ممکن ہے کوئی اعتراض کر دے۔ تم ایسا کرو ادھر بیٹھ جاؤ۔ ابھی نماز ہو رہی ہے اندر۔ نمازی نماز پڑھ کر باہر نکل جائیں گے تو میں مولوی اکرام الٰہی سے کہوں گا کہ کوئی ان سے ملنے آیا ہے۔ تم ملو گے نا اُن سے؟''

''ہاں ملوں گا۔'' لکشمن نے کہا۔

سلیمان نے اُسے ایک طرف بٹھا دیا اور خود اندر چلا گیا۔ لکشمن گم صم خاموش بیٹھا رہا تھا۔ آواز کا سحر کچھ اس طرح اُس پر قائم ہوا تھا کہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اُس نے بہت سے لوگوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ سب کے سب صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہوں نے اپنے سروں پر ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نکل کر اپنے اپنے راستوں پر چل پڑے۔ لکشمن کی نگاہیں اُن میں سلیمان کو تلاش کر رہی

تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے سلیمان نظر آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک بزرگ بھی جو صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لمبی سفید داڑھی تھی اُن کی۔ انہوں نے لکشمن کو دیکھا تو لکشمن اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کیا بات ہے بھائی؟''

''آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔''

''آ جاؤ...... اس طرف آ جاؤ۔'' اکرام الٰہی صاحب نے کہا۔

''ہم چلیں مولوی صاحب؟''

''ہاں سلیمان! آپ جایئے۔ آؤ بھائی، ادھر آ جاؤ۔'' اکرام الٰہی صاحب اُسے برگد کے اس درخت کے نیچے لے گئے جہاں ایک چھوٹا سا چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ مہمان خانہ تھا۔ مولوی اکرام الٰہی نے اُسے چارپائی پر بیٹھنے کا شارہ کیا تو لکشمن بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے آہستہ سے کہا۔

''بھائی! چائے پی لو گے؟ ہم مٹی کے برتن میں لے آئیں گے۔ بالکل پاک صاف ہے۔ گھر کے برتن البتہ الگ ہیں۔ لیکن چائے کی کیتلی میں صرف چائے بنتی ہے۔ کوئی ایسی ز نہیں ڈالی جاتی، مطلب یہ کہ گوشت وغیرہ۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا مولوی صاحب!''

''مطلب یہ کہ تم ذات کے ہندو ہو نا۔''

''ہاں۔''

''عموماً ہندو مسلمان ایک دوسرے کے برتنوں میں نہیں کھاتے۔''

''کیوں؟'' لکشمن حیرت سے بولا۔

''بس نہیں کھاتے بھائی۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ اچھا تم یہ بتاؤ تم چائے پی لو گے نا؟''

''ہاں، آپ پلائیں گے تو ضرور پی لوں گا۔''

''میں لے کر آتا ہوں۔''

مولوی اکرام الٰہی صاحب چلے گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے تو اُن کے ھوں میں ڈبل روٹی کے کچھ ٹکڑے اور چائے کے پیالے تھے۔ مٹی کے خاص قسم کے برتن ں دونوں چائے آئی تھیں۔ مولوی اکرام الٰہی نے وہ چائے اور ڈبل روٹی اُس کے سامنے ھ دی اور بولے۔

"پہلے ناشتہ کرلو بھائی! پہلی بات تو تم نے اس طرح میرا دل خوش کر دیا ہے کہ تم نے ہمارے ہاں کی بنی ہوئی چائے قبول کرلی۔"

"آپ یقین کریں مولوی صاحب! بے شک میرے باپ کا نام تلیا رام تھا، میرا نام لکشمن ہے۔ مگر میں ان ساری باتوں کو بالکل نہیں جانتا۔ کبھی ایسا واسطہ ہی نہیں پڑا میرا کہ ہندو مسلمان کے فرق کو اہمیت دی ہو۔ بلکہ ایک دفعہ تو میں نے ہندو مسلمان کے درمیان جھگڑا روکنے کے لئے بہت سے اہم کام سرانجام دیئے ہیں۔"

"جزاک اللہ...... اللہ تعالیٰ ہر اچھے کام کا صلہ ضرور عطا کرتا ہے۔ چلو شروع ہو جاؤ۔"

چائے اور ڈبل روٹی کا ناشتہ کرنے کے بعد مولوی اکرام الٰہی نے کہا۔

"اور اب میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتا دو۔ میں نے سنا ہے کہ تم جمنا پار سے آئے ہو۔"

"ہاں مولوی صاحب! مجھے آپ سے وقت درکار ہوگا۔"

"ہاں کیوں نہیں...... دیکھو بیٹا! مسجد کے حجرے میں رہتا ہوں۔ میرے اہل خانہ بھی وہیں ہیں۔ تمہیں وہاں تو نہیں لے جا سکتا، یہی ایک جگہ ہے جہاں میرے پاس آنے والے قیام کرتے ہیں۔"

"اگر یہاں میری موجودگی آپ کے لئے پریشانی کا باعث نہ ہو تو یہیں ٹھیک ہے۔ ایک بات اور عرض کروں آپ سے، میں اپنے کھانے پینے کا بندوبست خود کرلوں گا۔"

"اگر اس لئے اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرنا چاہتے ہو کہ یہ ایک مسلمان گھرانہ ہے تب تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ لیکن اگر سبزی ترکاری کی بات ہے تو بیٹے، وہ یہاں بھی پک سکتی ہے۔ مٹی اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ عمل ہے۔ پیتل یا تانبے کے برتن میں نہیں، مٹی کے برتن میں سبز پکوا دوں گا تمہارے لئے۔"

"آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اگر آپ اپنے گھر میں مجھے کھانا کھلانے میں کوئی دقت محسوس نہ کریں تو میں حاضر ہوں۔"

"شکریہ...... اب ایسا کرتا ہوں بیٹے، ایک گھنٹے کے لئے تم سے اجازت چاہتا ہوں۔ ظہر کی نماز دو بجے ہوتی ہے۔ یہ ایک گھنٹہ ذرا میری مصروفیت کا ہے۔ اس کے بعد مجھے دو بجے تک کی فرصت ہوگی۔ نماز کے بعد کھانا کھائیں گے۔"

"بہت بہتر۔"

"اب تم یہاں آرام کرو۔"

برگد کے درخت کے نیچے چارپائی پر ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے کے سائے میں لکشمن کو بڑا سکون ملا تھا۔ ماں باپ کی موت اور رافیہ کی اس طرح گمشدگی نے اور اُس کی محبت نے لکشمن کو اُس کے محور سے ہی ہٹا دیا تھا۔ کبھی کسی زمانے میں اُس کی شرارتیں رام پور کے گلی کوچوں میں دوہرائی جاتی تھیں۔ رام پور کا یہ لکشمن اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔ بہت سے واقعات اُس کی زندگی سے منسلک تھے۔ لیکن وقت کی بدلی ہوئی صورتیں انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہیں۔ اب وہ بالکل ایک مرجھایا ہوا پھول تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بے سکونی کا شکار تھا۔

گھنٹے بھر کے بعد اکرام الٰہی صاحب ہاتھ میں چائے کے برتن لئے ہوئے آگئے۔

"میں نے سوچا کہ چائے کی ایک پیالی سے کام نہیں چلا ہوگا۔ بیٹھ کر چائے بھی پئیں گے اور باتیں بھی کریں گے۔"

"شکریہ مولوی صاحب!"

"ارے میاں! ایک تو خدمت کا موقع نہیں مل رہا ہے اور تم ہو کہ شکریہ پر شکریہ ادا کئے جا رہے ہو۔ چلو چائے پیو...... اچھا اب یہ بتاؤ کہاں سے آئے ہو؟"

"عرض کیا تھا جمنا پار سے۔"

"میرا مطلب ہے متھرا ہی کے رہنے والے ہو نا؟"

"نہیں...... رام پور کا رہنے والا ہوں۔"

"نام کیا بتایا؟"

"لکشمن۔"

"واہ...... رام پور کا لکشمن۔ دلچسپ بات ہے۔ خیر چھوڑو، اچھا یہ بتاؤ کہ آنا کیسے ہوا؟ میرا مطلب ہے کہ ایسے ہی ادھر نکل آئے ہو یا میرے پاس آئے ہو؟"

"بہت مختصر الفاظ میں اپنی پریشانی آپ کو بتائے دیتا ہوں صاحب! رام پور میں میرے والد تلیا رام علم نجوم کا کام کرتے تھے۔ پوتھیاں بنانا، پیش گوئیاں کرنا، یہ ان کا مقصد تھا۔ اسی سے روزی کماتے تھے۔ مجھے بھی نجومی بنانا چاہتے تھے۔ لیکن ستاروں سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ میں رام پور میں کچھ نہیں کر سکتا تو انہوں نے مجھے اپنے ایک دوست پنڈت گردھاری لعل کے پاس بھیج

دیا کہ میں ان سے کچھ علم سیکھوں۔ علم تو میں کیا سیکھتا مولوی صاحب! متھرا کے مندروں کی کہانیاں میرے علم میں آتی چلی گئیں۔ پجاری مندروں کی پوترتا کو بھشٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بیٹھ کر سارے انسانی اقدار بھسم کر دیئے ہیں۔ میں نے یہ سب معلوم کرنے کے بعد مندروں کے خلاف کام شروع کیا۔ میرا مطلب ہے پجاریوں کے ساتھ۔ اور بہت حد تک میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر ان مندروں کی پوترتا کو واپس لانے میں کامیاب رہا۔ پھر کچھ اور واقعات میرے ساتھ پیش آئے۔ ایک گرو جی مجھے ملے جن کا نام گیانیشور تھا۔ وہ پنڈت تھے۔ پنڈت جی مجھے مرتے ہوئے اپنے علم کا وارث بنا گئے اور یہ علم بڑا عجیب و غریب تھا۔ انسان کے دماغوں کو پڑھ کر اُن کے بارے میں بتانا۔ پھر کچھ اور ہاتھوں میں پڑا۔ میں نے کبھی اپنے اس علم سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ کچھ عرصے کے لئے میرا یہ علم مجھ سے کھو گیا۔ اس کے بعد پھر مجھے واپس مل گیا۔ مولوی صاحب! میں آپ کے دماغ میں دماغ ڈال کر آپ کی زندگی کی پوری کہانی سنا سکتا ہوں۔ بہرحال، ان سارے چکروں سے نکل کر میں واپس آیا۔ اور جب میں رام پور پہنچا تو میرے ماتا پتا اس سنسار سے چلے گئے تھے۔ میرا دل بری طرح دُکھ گیا ہے مولوی صاحب! پنڈت گردھاری لعل سے پوچھا کہ کیا کروں تو وہ یہی بولے کہ جاؤ دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں اپنے لئے شانتی تلاش کرو۔ بہت عرصے سے بھٹک رہا ہوں مولوی صاحب! دیوی دیوتاؤں کا تقدس اپنی جگہ، میرا عقیدہ اپنی جگہ۔ لیکن مندروں میں سدھار نہیں ہو رہا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے مولوی صاحب، اس نے مجھے اپنے دین دھرم سے بھی دور کر دیا ہے۔ میں سکون چاہتا ہوں۔ میں نے مولوی صاحب! جمنا پار سے آپ کی آواز سنی اور بس اسی آواز کی زنجیر سے بندھا ہوا میں ادھر چلا آیا۔ کوئی بھی نہیں ہے میرا اب اس سنسار میں، بالکل خالی ہوں میں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں؟ مجھے راستہ دکھائیے مولوی صاحب! آپ مجھے اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میری مدد کریں، میری رہنمائی کریں۔"

مولوی اکرام الٰہی نرم نگاہوں سے اُسے دیکھتے رہے پھر بولے۔ "بیٹے! جب کسی سے رہنمائی طلب کی جاتی ہے، جب کسی کو اتنا بڑا مقام دیا جاتا ہے کہ اُسے اپنا رہبر بنا لیا جائے تو بیٹے! اُس کی بات بھی مانی جاتی ہے۔ مجھے بتاؤ کیا تم جو کچھ میں کہوں گا وہ مان لو گے؟"

"میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں مولوی صاحب! اتنا فاصلہ طے کر کے آپ کے

پاس آیا ہوں۔ میں مانوں گا آپ کی بات۔ ضرور مانوں گا۔ آپ...... آپ براہِ کرم مجھے سکون کا راستہ دکھائیے۔"

"اللہ تمہیں سکون کا راستہ دکھائے۔ میری پہلی فرمائش یہ ہے بیٹا! کہ یہاں سے کہیں جانا نہیں۔ دیکھو، زمین اللہ کی ملکیت ہوتی ہے۔ انسان کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میری بس اتنی سی آرزو ہے کہ کچھ روز تم میرے ساتھ یہاں گزارو، بالکل پُرسکون ہو کر، دل سے ہر طرح کے برے خیال نکال دو۔ یہ بھول جاؤ کہ تم اس کائنات میں تنہا ہو۔ اللہ کی ذات سب کے لئے ہوتی ہے۔ بولو، مان لو گے میری بات؟ مجھے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت دے دو گے؟ احسان مانوں گا تمہارا۔ بولو، جواب دو۔"

"احسان تو آپ کا ہو گا مولوی صاحب! اگر میرے یہاں رہنے سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت میں اپنے آپ کو اس کائنات میں بالکل تنہا پا رہا ہوں۔ آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ میں یہاں رہوں تو میں دل و جان سے حاضر ہوں۔"

"تمہاری اس محبت اور اس احسان کو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔"

بہرحال مولوی صاحب نے لکشمن کے لئے ہر طرح کا بندوبست کر دیا۔ لکشمن وہاں پلنگ پر دراز ہو گیا۔ کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ دنیا بہت بری لگنے لگی تھی۔

پہلا دن، دوسرا دن اور پھر تیسرا دن...... لکشمن لوگوں کا تجزیہ کرتا رہا۔ لوگ آتے تھے، سادگی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر لکشمن نے مولوی صاحب کا تجزیہ بھی کیا کہ مولوی صاحب کیا کرتے ہیں؟ کس طرح زندگی گزارتے ہیں؟ کیسے رہتے ہیں؟ یہ سب کچھ اُسے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اُسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ مولوی صاحب بس ایک سیدھے سادھے انسان ہیں۔ لوگوں کو صحیح راستے دکھاتے ہیں۔ درس دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے گھر کے کام کرتے ہیں۔ وہ اُسے بھی اچھا خاصا وقت دیتے تھے۔ دنیا جہان کی باتیں ہوتی تھیں۔ نجانے کیوں لکشمن کے دل میں ایک عجیب سا احساس جنم لینے لگا تھا۔ دین دھرم تو یہ بھی ہے۔ اور دین دھرم کے یہ پیروکار مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ تو بڑی سادگی رکھتے ہیں اپنے دلوں میں۔ اور مولوی صاحب...... مولوی اکرام الٰہی تو فرشتہ صفت انسان ہیں۔ معصوم معصوم باتیں کرنے والے۔

وہ بڑے عجیب سے دور سے گزر رہا تھا۔ منتشر ذہن میں نجانے کیسے کیسے خیالات آ

رہے تھے۔ ایک دن اُس نے مولوی صاحب سے کہا۔

''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں مولوی صاحب!''

''ہاں بیٹا، پوچھو؟''

''پہلی بات تو آپ مجھے بتائیے کہ آپ مجھ سے اُکتائے نہیں؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا بیٹا؟''

''کتنے دن سے میں یہاں پڑا ہوں۔ آپ کی ذمہ داریوں میں کچھ نئی ذمہ داریوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ میرے لئے آپ بڑی باقاعدگی سے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں۔ مولوی صاحب، آپ مجھے بتائیے، کیوں کرتے ہیں آپ میرے لئے؟ کیا سمجھتے ہیں آپ؟ مجھ سے کیا فائدہ حاصل ہو گا آپ کو؟''

مولوی صاحب کے ہونٹوں پر ایک مشفق مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''فائدہ تو مجھے تم سے حاصل ہو رہا ہے بیٹے!'' انہوں نے کہا۔

''کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے...... یہی میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''اتنا سا جاننے کے لئے تمہیں پتہ نہیں کیسے کیسے مراحل سے گزرنا ہو گا۔''

''آپ براہِ کرم مجھے بتائیے، میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''بیٹا! جن مراحل کا میں نے تذکرہ کیا ہے نا تم سے، وہ دینی علوم کی واقف کاری کے مراحل ہیں۔ تمہیں بتاؤں میں کہ مذہب اسلام میں مہمان کی کیا حیثیت ہے۔ ایک مہمان اگر تمہاری زندگی میں کبھی آتا ہے اور تم اُس کی تھوڑی بہت خدمت کر لیتے ہو تو سمجھو کہ تم نے کائنات کی سب سے قیمتی شے پا لی۔ مہمان اللہ کی نعمت ہوتے ہیں اور یہ نعمت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اس قابل سمجھتا ہے۔ میں کیا اور میری اوقات کیا بیٹے! تم میرے مہمان ہو۔ میں تو صرف اس احساس کا شکار رہتا ہوں کہ میں تمہاری وہ خدمت نہیں کر پا رہا جو مجھے کرنی چاہئے۔ میری کم مائیگی اور کچھ نہ ہونا اس کی سب سے بڑی وجہ ہے۔''

لکشمن عجیب سی نگاہوں سے مولوی صاحب کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔ ''اور یہ آپ کے مذہب کی تعلیم ہے؟''

''ہاں بیٹے!''

''ٹھیک ہے...... ایک بات اور بتائیے۔''

''ہاں پوچھو؟''

''اگر میں آپ کے مذہب میں آنا چاہوں تو مجھے اس کے لئے کیا کرنا ہو گا؟''

مولوی صاحب عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ لکشمن کو دیکھنے لگے، پھر بولے۔ ''بیٹے! سب سے پہلے تمہیں اپنے دل میں خلوص پیدا کرنا ہو گا۔ اگر تم اس مذہب میں آنا چاہو تو تمہیں یہ سوچنا ہو گا کہ تم ایک بہت اچھے مذہب میں جا رہے ہو۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔''

''جی مولوی صاحب؟''

''میری آواز میں تم نے کیا سنا تھا؟''

''آپ کہہ رہے تھے اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔''

''جانتے ہو اس کا مطلب کیا تھا؟''

''نہیں جانتا۔''

''اللہ بہت بڑا ہے...... اللہ بہت بڑا ہے...... اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ واقعی بہت بڑا ہے بیٹا! اس کائنات کا مالک۔ ہم سب کا محافظ۔ اور اس کی قلم رو میں اس کی ہدایت کے تحت زندگی گزارنے کا نام مذہب اسلام ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟''

''جی مولوی صاحب۔''

''بیٹا! اپنے دل میں خلوص پیدا کرو اور اس کے بعد مجھے بتاؤ کیا تم واقعی مسلمان ہونا چاہتے ہو؟''

''ہاں...... میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے مولوی صاحب! کہ میں دیکھ چکا ہوں کیا اچھا ہے کیا برا ہے۔ بات سمجھ میں آتی ہے مولوی صاحب! میں اچھائیوں کی جانب جانا چاہتا ہوں۔ میرے پتا جی مجھے یہی بتاتے تھے۔''

''ٹھیک ہے...... اگر تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم سکون حاصل کر سکتے ہو تو خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ پھر بھی میں تمہیں سوچنے کے لئے ایک دن دیتا ہوں۔ غور کر لو، جو کچھ کرنے جا رہے ہو اسے نبھا پاؤ گے یا نہیں؟ اپنا دین، اپنا دھرم چھوڑ سکو گے؟ مشکلات تو نہیں آئیں گی راستے میں؟ ان ساری چیزوں پر غور کر لو۔''

''میں غور کر چکا ہوں مولوی صاحب! جو نیکی میں حاصل کرنا چاہتا ہوں براہِ کرم اس کے حصول میں مجھے دیر نہ کرنے دیجئے۔ آپ کی مدد چاہتا ہوں میں۔'' لکشمن نے کہا اور

مولوی صاحب نے خوش ہو کر اُسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

پھر اُسی شام ظہر کے بعد جب نمازی نماز پڑھ چکے تو مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ ایک نوجوان لڑکا مذہب اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ آپ لوگ اس نیک سعادت میں شرکت فرمائیے۔ مغرب کے بعد کا وقت طے ہو گیا اور مغرب کے بعد مولوی صاحب نے لکشمن کو نہانے دھونے کے بعد مسجد میں بلایا اور اُسے کلمہ پڑھایا۔ سیدھی سادھی بستی کے غریب لوگوں نے لکشمن کی بڑی پذیرائی کی، اُسے مبارکبادیں دیں اور اُس کا نام ناصر علی رکھا۔ لکشمن نجانے کیوں دل میں بڑی سکون کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے اُس کی تربیت شروع کر دی۔ لکشمن نے ایک دن اُن سے کہا۔

''مولوی صاحب! جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ سنت گیانیشور نے مجھے ایک عجیب وغریب علم دیا تھا۔ مولوی صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس علم سے فائدہ اٹھاؤں؟ لوگوں کو ان کے بارے میں بتا کر میں زندگی گزارنے کے لئے کچھ حاصل کروں؟''

مولوی صاحب نے دانتوں تلے زبان دبائی اور جلدی سے بولے۔ ''نہ نہ بیٹا...... نہ۔ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ سب کچھ اسی پر سجتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی سب کچھ جاننے والوں میں سے ہے۔ تم اس کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہو؟ یہ سب کچھ جادو ٹونا ہے جو کسی بھی وقت تمہیں شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بھول کر بھی کبھی یہ مت سوچنا۔''

''وہ سب ایک دھوکا ہے، ایک بہلاوا ہے۔ تمہیں کلامِ پاک کی ایک آیت بتاتا ہوں۔ یاد کرو اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ اس سے کہو کہ معبودِ دو جہاں! یہ جو گندی قوتوں نے میرے ذہن میں بسیرا کیا ہوا ہے مجھے اس سے نجات دلا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نجات دے گا۔''

لکشمن نے مولوی صاحب کی بتائی ہوئی ہدایت پر عمل کیا۔ اور پھر جب اُس نے اپنے ذہن کو ٹٹولا تو اُسے اپنا ذہن ایک سادہ کتاب کی مانند محسوس ہوا تھا......!

✡......✡

یہ بالکل سچ ہے کہ اپنے ذہن کی اس کیفیت سے اُسے بڑا اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے دماغ میں کوئی اور دماغ داخل کر دیا گیا ہو اور یہ دوسرا دماغ اُس کے پہلے دماغ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہو۔ اس علم کی اُسے کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی اُس نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا تھا۔ اگر برے راستوں کا راہی ہوتا تو اپنے علم سے نجانے کیا کیا حاصل کر چکا ہوتا۔ لیکن بچپن ہی سے لاابالی تھا اور اُسے مال و دولت کے حصول سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ بہرحال مولوی اکرام الٰہی کے ساتھ بہترین وقت گزر رہا تھا۔ لیکن اس بات کا شدید احساس تھا اُسے کہ مولوی صاحب کی روٹیوں پر پڑے رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ مولوی اکرام الٰہی اب اُسے اپنے ساتھ کھلایا پلایا کرتے تھے۔ اتنی محبت، اتنا پیار دیا تھا انہوں نے اُسے کہ وہ اُن کا شدید ممنونِ کرم ہو گیا تھا۔ پھر ایک شام اُس نے مولوی صاحب سے کہا۔

''مولوی صاحب! میں آپ سے ایک رہنمائی چاہتا ہوں۔''

''بولو بیٹے!''

''میری عمر دیکھی ہے مولوی صاحب! کیا میں اس قابل ہوں کہ آپ جیسے بزرگ کے شانوں پر سوار ہو کر زندگی گزاروں؟''

مولوی صاحب کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر انہوں نے کہا۔

''ناصر علی! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''کچھ اور باتیں بتانا چاہتا ہوں آپ کو۔''

''ہاں بولو بیٹے!''

''لکشمن کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہوئے میں ایک ایسے جنجال میں پھنس گیا تھا جس سے نکلنا میرے لئے مشکل کام تھا۔ مجھے ایک لڑکی اور اُس کا باپ ملے جو انتہائی مظلومیت کی زندگی گزار رہے تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہمیں اُس جنجال سے نکلنے کا

موقع مل گیا۔ لڑکی کا نام رافیہ تھا اور وہ مسلمان تھی۔ عجیب سی زندگی تھی اُس کی مولوی صاحب! لیکن بہرحال جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے اُس سے محبت ہوگئی مولوی صاحب۔ وہ اچانک ہی غائب ہوگئی اپنے باپ کے ساتھ اور اس کے بعد دنیا میرے لئے تاریک ہوگئی۔ اس خیال سے گھر واپس پہنچا تھا کہ ماں باپ کے سائے میں دل کو سکون ملے۔ محبوب تو بچھڑ گیا تھا لیکن ماں باپ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ آج بھی میرے دل میں اُس کی محبت کا پودا پروان چڑھ رہا ہے۔ مولوی صاحب، اگر زندگی میں کسی کی طلب ہے تو اُس کی قربت کی۔ آپ یقین کیجئے میرا اُس سے روحانی رشتہ ہوگیا ہے اور اس میں کوئی ہوس کاری شامل نہیں ہے۔''

مولوی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔

''کہاں جدا ہوئی تھی وہ تم سے؟''

''دہلی میں۔''

''تلاش کیا اُسے؟''

''جی بہت۔''

''نہیں ملی؟''

''نہیں۔''

''اُس نے تمہیں بتایا بھی نہیں کہ وہ کہاں جارہی ہے؟''

''نہیں۔''

مولوی صاحب سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بے اختیار مسکرا پڑے اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''ناصر علی! اللہ کے کسی بھی کام میں کون کون سی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم کیا اور ہماری اوقات کیا کہ ہم اسے جانیں۔ ایک بات پر غور کیا تم نے؟''

''کون سی بات پر مولوی صاحب؟''

''مسلمان لڑکی تھی نا وہ؟''

''جی مولوی صاحب۔''

''اور تم اُس سے پیار کرنے لگے تھے۔''

''جی۔''

''اگر وہ مسلمان ہوتی اور تم ہندو رہتے تو کیا تم دونوں کا ملاپ ہوسکتا تھا؟''

لکشمن سوالیہ نگاہوں سے مولوی صاحب کو دیکھنے لگا تو مولوی صاحب نے پھر کہا۔

''ایک پیشین گوئی میں کئے دیتا ہوں جو کرنی نہیں چاہئے۔ بس عقل اور ذہن یہ بات کہتے ہیں جو میں اپنی زبان سے ادا کررہا ہوں۔ اللہ نے تمہیں مذہب اسلام سے نوازا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہارا رافیہ تک جانے کا راستہ ہموار کررہا ہے۔ اب کب وہ تمہیں اس تک پہنچائے گا وہ ہی جانتا ہے۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جب ایک راستہ ہموار ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے راستے بھی ہموار کرے گا۔''

لکشمن اس عجیب وغریب انکشاف پر حیران رہ گیا تھا۔ مولوی صاحب کی بات میں وزن تھا۔ اور اب جبکہ وہ مذہب اسلام سے روشناس ہوا تھا اور مولوی صاحب نے اُسے پڑھنے کے لئے کچھ مذہبی کتابیں دی تھیں اور ان کتابوں سے وہ مسلسل رہنمائی حاصل کررہا تھا تو اُسے بھی اس بات کا یقین ہوتا جارہا تھا کہ یہ کچھ خالی از مصلحت نہیں ہے۔ اس میں اللہ کی رضا شامل ہے۔ دل میں اُمید کی ایک کرن روشن ہوئی تو اُس نے کہا۔

''مولوی صاحب! آپ نے مجھے ایک نئے احساس سے روشناس کرایا ہے۔''

''بیٹے! بزرگوں نے ایک بات کہی ہے کہ ہمیشہ اپنے سے بڑے شخص کے ساتھ صحبت اختیار کرو۔ کچھ روشنی ہی مل جاتی ہے۔ تم نے مجھے اپنے اس راز میں شریک کیا۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی۔ خدا کرے یہی سچ نکلے۔ اب تمہیں اس سے دوہرا فائدہ ہوا۔ ایک تو یہ انکشاف دوسرے میری دُعائیں۔''

''مجھے کیا کرنا چاہئے مولوی صاحب؟''

''بیٹا! ویسے تو میں ایک لمحے کے لئے تمہیں اپنے آپ سے جدا نہ کرتا۔ تمہارے لئے کسی روزگار کی تلاش میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بہت سے محبت کرنے والے ہیں میرے۔ کسی سے کہہ دیتا کہ چھوٹا موٹا کام اس بچے کو بھی دلوا دو۔ تمہیں روزی کا ٹھکانہ مل جاتا۔ لیکن بیٹا! تمہاری دنیا محدود نہیں ہوئی۔ پہلے لکشمن تھے اب ناصر علی بن گئے ہو۔ اس کے پس منظر میں کچھ نہ کچھ ہے ضرور بیٹا! وہ دہلی میں غائب ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اُسے دہلی میں ہی تلاش کرنا چاہئے۔''

''مولوی صاحب! آپ نے مجھے جس انعام سے سرفراز کیا ہے اس کا کوئی بدل میرے پاس نہیں ہے۔ بزرگوں کی دُعائیں بچوں کے لئے مشعل راہ ہوتی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دُعا وہی ہوتی ہے جو دل سے نکلے۔ میرے دل سے بھی آپ کے لئے دُعا نکلتی ہے

مولوی صاحب۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ آپ کے علم و مرتبے میں چار چاند لگائے۔''

مولوی صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ کہنے لگے۔ ''بیٹا! دعاؤں سے بڑا تحفہ دنیا میں اور کوئی نہیں ہوتا۔ تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے مجھے اس تحفے سے نوازا۔ ہمیشہ تمہارے لئے دُعائیں کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے منصب سے سرفراز فرمائے۔''

''تو پھر میں دہلی روانہ ہونا چاہتا ہوں۔''

''بالکل منع نہیں کروں گا تمہیں بیٹے! کیونکہ وہاں تمہاری منزل ہے۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

لکشمن دہلی جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ بڑی مشکلات سے گزرا تھا اور شدید اُلجھنوں کا شکار رہا تھا۔ بہرحال ایک بار پھر اُس نے دہلی کا سفر اختیار کیا تھا اور اب دہلی سے اُس کی شناسائی خاصی بہتر تھی۔ اپنے لئے کسی جگہ کی تلاش بھی کوئی مشکل کام نہ ثابت ہوئی۔ لیکن اس بار ذرا سی تبدیلی یہ تھی کہ اُس نے ایک مسلمان کے ہوٹل میں جگہ تلاش کی تھی۔ کچھ رقم پاس موجود تھی، کچھ مولوی صاحب نے ضد کر کے اُسے دی تھی۔ چنانچہ ہوٹل میں قیام کوئی مشکل کام نہ ثابت ہوا۔ اُسے اپنی منزل کی تلاش تھی اور اس کے بعد وہ دہلی کی شاہراہوں پر بھٹکنے لگا۔ اُس کا ذہن مستقل اس جستجو میں تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے رافیہ اُس کی نگاہوں کے سامنے آ جائے۔ رافیہ نے اپنے بارے میں جو حالات سنائے تھے وہ ایسے تھے کہ ان سے رافیہ کے آئندہ اقدامات کا کوئی تجزیہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پتہ نہیں ایران سے کس طرح نکلی تھی اور اس کے بعد اُسے کون کون سی مشکلات سے گزرنا پڑا تھا۔ یہ ایک ناقابلِ یقین تصور تھا۔ لیکن بہرحال اس بارے میں خاصا ذہن دوڑا رہا تھا وہ۔

دہلی کے ہر علاقے میں اُس نے رافیہ کو تلاش کیا۔ فیروز شاہ کوٹلا، جامع مسجد، مٹکے شاہ کا مزار اور نجانے کیا کیا۔ لیکن رافیہ کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا تھا۔ اکثر رات کی تنہائیاں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں اور دل سوال کرتا کہ کہاں ہو رافیہ...... کہاں چھپ گئی ہو؟ نظر تو آؤ ایک بار، چھپنے کی وجہ تو بتا دو۔ کیا تمہارے خیال میں، میں تمہارے لئے کوئی مشکل کھڑی کر سکتا تھا؟ نہیں رافیہ، مجھ سے بڑا ہمدرد تمہارا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ کہاں ہو، سامنے تو آؤ ایک بار۔ نجانے کہاں کہاں ان احساسات کے ساتھ چکراتا رہتا تھا۔ آنکھیں ہر لمحے اس تصور میں ڈوبی رہتی تھیں کہ شاید کہیں اچانک اس کی جھلک نظر آ جائے۔

ایک دن ایسے ہی چاندنی چوک سے گزر رہا تھا کہ ایک ایسے چہرے پر نگاہ پڑی جسے دیکھ کر چونک اُٹھنا لازمی تھا۔ ایک لمحے تک سوچتا رہا لیکن پھر فیصلہ کیا کہ اس سے نہیں ملنا چاہئے۔ ظاہر ہے اب یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں پرانا لکشمن ہوں۔ یہ بات بھی ایک لمحے کے لئے اُلجھن کا باعث بن جاتی۔ جس صورت کو اُس نے دیکھا تھا وہ اُس کا قدیم دوست راج ماتھر تھا۔ لیکن شاید راج ماتھر نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا البتہ یہ حیرت کی بات تھی کہ راج ماتھر اُسے دیکھنے کے باوجود اس تک نہیں آیا تھا۔ لیکن لکشمن کے فرشتوں کو بھی یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ راج ماتھر نے بڑے خفیہ طور پر اُس کے ہوٹل تک اُس کا تعاقب کیا ہے۔ اس تعاقب کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ ظاہر ہے اگر لکشمن اُسے دیکھ بھی لیتا تو اس وجہ کو نہ سمجھ پاتا۔

رات کے کوئی تین بجے کا وقت تھا جب راج ماتھر نے پولیس کے ایک گروہ کے ساتھ اس پر ریڈ کیا اور اُس کے سامنے پہنچ گیا۔ لکشمن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے ہوٹل پر پولیس نے چھاپہ مارا تھا۔ ہوٹل کا عملہ خود پریشان تھا۔ لکشمن نے جاگ کر راج ماتھر کو دیکھا تو بے اختیار اُس کے منہ سے یہ بات نکلنے والی تھی کہ راج ماتھر، خیریت؟ کیا بات ہے، یہ کیا کر رہے ہو تم؟ لیکن وہ خود ایک دم سنبھل گیا۔ راج ماتھر نے اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالتے ہوئے کہا۔

''معاف کرنا لکشمن! مجھے انتہائی دُکھ ہے کہ تمہاری گرفتاری کا باعث میں بنا۔ شاید تم اس بات پر یقین کرو یا نہ کرو کہ میں نے بھگوان سے درجنوں بار یہ دُعا مانگی تھی کہ تم مجھے بھی نظر نہ آؤ۔ لیکن میں تمہیں ایک بات اور بتا دوں بلکہ شاید تم بھی جانتے ہو کہ میں اپنے فرض کو اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں۔ بھگوان نے تمہیں میرے سامنے کیا ہے تو لکشمن! اب میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ براہِ کرم میرے ساتھ چلو۔ ایک بنتی ہے تم سے۔ اس وقت تک بھاگنے کی کوشش مت کرنا جب تک میری تحویل میں ہو۔''

لکشمن نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو لکشمن تسلیم نہیں کرے گا۔ اُس نے حیرت سے راج ماتھر کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن جناب! آپ میرا کیا نام لے رہے ہیں؟ یقیناً آپ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔''

راج ماتھر نے افسردگی کی نگاہ سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چاندنی چوک کے بازار

میں ... میں نے تمہیں دیکھا تھا اور اس وقت میں نے تمہارا پیچھا کیا تھا اور تمہارے ہوٹل آیا تھا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو لکشمن؟''

''صرف اتنا جناب کہ میرا نام لکشمن نہیں ہے۔''

راج ماتھر پھر افسردگی سے مسکرایا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''لکشمن! تم بہت بڑے انسان ہو۔ بہت اچھے، ایسی بات مت کہو جس سے تمہاری شخصیت ہلکی ہو جائے۔ ہونا تو وہی ہے جو تمہاری تقدیر میں لکھا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا معیار نہ کھوؤ۔ میں تمہیں ایک معیاری انسان سمجھتا ہوں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تم لکشمن نہ ہو؟''

''ممکن ہو سکتا ہے جناب! آپ بھی انسان ہیں، فرشتے نہیں ہیں۔ غلطیاں اور غلط فہمیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔ میں آپ سے صرف ایک بات عرض کر دوں کہ میرا نام لکشمن نہیں ہے۔ میرا نام ناصر علی ہے اور میں مسلمان ہوں۔''

''رام رام رام...... یہاں تک مداخلت کرنا چاہتے ہو تم۔ چلو میرے ساتھ......''

راج ماتھر نے افسردگی سے کہا اور اس کے بعد وہ لکشمن کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ لکشمن کو ایک قید خانے میں رکھا گیا تھا۔ بہرحال لکشمن نے ایک فیصلہ دل میں ضرور کر لیا تھا، چاہے مصلحت ہو یا کچھ بھی وجہ ہو، راج ماتھر نے اُسے کس لئے گرفتار کیا ہے، اس کے بارے میں بھی وہ اُس سے سوال نہیں کرے گا۔ بس وہ اپنے آپ کو لکشمن تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ راج ماتھر نے اُس سے دوسرے دن ملاقات کی تھی اور اس کے بعد اُس نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا تھا۔

''یہ تمہاری ہی تصویر ہے نا لکشمن؟''

لکشمن نے اپنی تصویر دیکھی تھی لیکن اُسے یہ یاد نہیں آ سکا تھا کہ یہ تصویر کب اور کہاں اتاری گئی تھی؟ اُس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکی۔ اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، تصویر میری ہی ہے۔''

''اور تم کہتے ہو کہ تمہارا نام لکشمن نہیں ہے۔''

''کیا یہ لکشمن کی تصویر ہے؟''، لکشمن نے سوال کیا۔

''ہاں لکشمن...... یہ تمہاری ہی تصویر ہے۔ اور جانتے ہو یہ تصویر مجھے کس نے دی ہے؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب آفیسر صاحب؟ بھلا میں کیسے جان سکتا ہوں کہ یہ تصویر آپ کو کس نے دی ہے۔''

''یہ تصویر مجھے جنرل جے پال نے دی ہے۔ جنرل جے پال ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک بہت بڑا کارکن ہے۔ سمجھ لو کہ را کے ایک مخصوص ڈیپارٹمنٹ کا چیف ہے وہ۔ یہ تصویر اُس نے بہت سے محکموں کو فراہم کی ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی دستیاب ہو تمہیں گرفتار کر لیا جائے۔''

''اور آپ نے مجھے گرفتار کر لیا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو تم۔ ملٹری انٹیلی جنس کا ایک آدمی جو بہت بڑا آفیسر ہے، محکمہ پولیس کو ہدایت دے رہا ہے۔ ظاہر ہے، یہ تصویر بھی وزارتِ داخلہ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے لکشمن! قصہ کیا ہے، مجھے بتا دو۔ میں دل سے تمہاری عزت کرتا ہوں اور قدر کرتا ہوں۔ میرے دوست ہو تم۔ ہو سکتا ہے کہ اگر تم مجھے قصہ بتا دو تو میں تمہاری پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کروں۔ ملٹری انٹیلی جنس کے اگر کسی شخص کو کسی کی ضرورت ہوتی ہے تو یقینی طور پر اس کی وجہ بھی ہوتی ہے۔ تم مجھے اس کی وجہ بتا دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری مدد کروں گا۔ کیونکہ تم نے بھی جو کچھ کیا ہے وہ بہت کچھ ہے، معمولی بات نہیں ہے۔ تم نے میری مدد کی ہے لکشمن! میری بہن کو بچایا ہے تم نے۔ تمہارا یہ احسان اتارنا چاہتا ہوں میں۔''

''سب سے پہلی بات یہ ہے جناب آفیسر صاحب! کہ آپ اپنے دل سے یہ غلط فہمی نکال دیں کہ میں لکشمن ہوں۔ ہو سکتا ہے، بلکہ ہے کہ یہ تصویر دیکھنے کے بعد مجھے آپ کی غلط فہمی کا اندازہ ہو گیا ہو۔ ہو بہو میری ہی تصویر ہے، لیکن میرا نام ناصر علی ہے، لکشمن نہیں ہے۔''

''میں یقیناً تمہیں کوئی پاکستانی جاسوس سمجھتا۔ لیکن تمہارے بارے میں مکمل تصدیق کر چکا ہوں۔ رام پور کے لکشمن ہو تم۔ رام پور کے محلہ احمد پور میں رہتے رہے ہو اور وہاں کے ایک نیک نام شخص کے بیٹے ہو۔ اگر میں یہ ساری باتیں معلوم نہ کر لیتا تو یقینی طور پر تمہارے بارے میں شبہے کا شکار ہو جاتا کہ تم پاکستانی ایجنٹ ہو۔ لیکن لکشمن! ایسی بات نہیں ہے۔ البتہ تم مجھے اگر نہیں بتاؤ گے تو میری مجبوری ہے۔ میں انٹیلی جنس کو رپورٹ کر چکا ہوں کہ میں نے لکشمن کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ بتا دو گے تو آسانی ہو جائے گی مجھے۔ کم از کم میں اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ بھرپور کوشش کروں گا کہ تمہاری مدد کروں اور تمہیں رہائی دلواؤں۔ کیونکہ اتنا مجھے یقین ہے کہ نہ تو تم ہندوستان کے دشمن ہو اور نہ ہی کوئی جرائم پیشہ شخص۔ آخر میں نے بھی پوری زندگی محکمہ پولیس میں

گزار دی ہے۔''

''آخری جملے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میرا نام لکشمن نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے...... لیکن بہرحال اس تصویر کے حوالے سے تمہیں انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کرنا ضروری ہے۔''

اور پھر راج ماتھر دوسری تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ ایک بار پھر لکشمن کو اسی جگہ جانا پڑا تھا جہاں سے وہ بڑی مشکل سے نکلا تھا۔ یہاں اُس کی ملاقات جنرل جے پال سے ہوئی۔ وہی کمبخت جوگی کا روپ بنائے بیٹھا تھا اور بڑا دھرماتما معلوم ہو رہا تھا۔ لکشمن فیصلہ کر چکا تھا کہ چاہے یہ لوگ اُس کی دھجیاں اُڑا دیں لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کہ وہ لکشمن ہے۔ ناصر علی بن چکا تھا تو اب ناصر علی بن کر ہی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ راج ماتھر نے البتہ اپنا بیان دیتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اس شخص کے بارے میں میرے پاس مکمل رپورٹ موجود ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ رام پور کا رہنے والا ہے اور رام پور کے ایک مخصوص محلے کا ہر فرد اسے جانتا ہے۔ اس کا باپ ستارہ شناسی کا کام کرتا تھا اور اچھے نجومیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اچانک ہی اس کا انتقال ہو گیا اور یہ شخص متھرا میں زندگی گزارنے لگا۔ میں نے اسے متھرا ہی سے گرفتار کیا ہے جناب! لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اپنا نام ناصر علی بتاتا ہے۔''

''ظاہر ہے ہمارے پاس سے فرار ہونے والا شخص اپنا اصل نام کیوں بتانے لگا؟ لیکن یہ نہ صرف اپنا اصل نام بتائے گا بلکہ اپنی ساری زندگی کی تفصیل بتا دے گا۔ تمہارا شکریہ راج ماتھر! ہم تمہارے لئے تعریفی ریکارڈز لکھیں گے جس میں ہم سفارش کریں گے کہ تمہارا عہدہ بڑھا دیا جائے۔''

''شکریہ جناب! میرے لئے اور کوئی حکم؟'' راج ماتھر نے نرم لہجے میں کہا لیکن اُس کے انداز میں افسردگی بخوبی محسوس کی جا سکتی تھی۔

''ٹھیک ہے...... اب تم جاؤ۔'' جنرل جے پال نے کہا۔

لکشمن گہری نگاہوں سے جنرل کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُسے جنرل جے پال ایک درندہ محسوس ہو رہا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کتنا بھیانک شخص ہے یہ۔

بہرحال جنرل جے پال نے اپنے آدمیوں کو بلایا اور کہا۔ ''فی الحال اسے تم بارہ نمبر میں منتقل کر دو۔ خیال رہے کہ یہ فرار ہونے کی کوشش کر سکتا ہے۔ پہلے بھی یہ کس طرح فرار ہوا

یہ ہم نہیں جانتے لیکن بہرحال جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ البتہ تم لوگ اسے قید کر دو۔''

جنرل جے پال نے یہ کہہ کر ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور وہ لوگ لکشمن کو لے کر چل پڑے۔ لکشمن ایک قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔ لکشمن کو اپنے اس طرح قیدی بن جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا۔ ویسے بھی زندگی اب اُس کے لئے بے مقصد ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ نہ ماں نہ باپ نہ کوئی اور۔ جہاں تک مسئلہ رہ گیا تھا مذہب کا تو اُسے خود بھی اُمید نہیں تھی کہ رافیہ جو اس طرح غائب ہو گئی ہے کہیں مل جائے۔ جنرل جے پال نے اُس سے دوسرے دن شام کو چار بجے ملاقات کی۔ اُس نے اُسے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ پھر اُس نے لکشمن سے سب سے پہلا سوال یہی کیا۔

''ڈاکٹر شمائل کہاں ہے؟''

بالکل اجنبی سوال تھا۔ سمجھ میں نہ آنے والا۔ لکشمن نے حیرانی سے جنرل کو دیکھا اور بولا۔ ''میں سمجھا نہیں جناب......؟''

''بکواس مت کرو۔ تم اُسے جانتے ہو اور یقینی طور پر اس کی زندگی کی تمام تفصیل تمہیں معلوم ہوگی۔ یہاں اُس نے اپنا نام رافیہ علی بتایا تھا اور خود کو وہ ایرانی نژاد کہتی تھی۔ لیکن بیوقوف لڑکی یہ نہیں جانتی کہ جنرل جے پال دماغ کی گہرائیوں میں اُتر کر پاتال کی خبریں لاتا ہے۔ یہ نہیں معلوم تھا اُسے۔ تم مجھے بتاؤ ڈاکٹر شمائل کہاں ہے؟ یقیناً تمہیں اُس کے بارے میں پوری تفصیل معلوم ہوگی۔''

''جناب! جن لوگوں نے مجھے گرفتار کیا ہے اگر آپ اُن کے افسر اعلیٰ ہیں تو میری رائے ہے کہ انہیں بدترین سزا دیجئے۔ میں تو ایک شریف آدمی ہوں۔ نہ کسی ڈاکٹر شمائل کو جانتا ہوں نہ رافیہ ایرانی کو۔''

جے پال کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔

''بیوقوف لڑکے! تیری عمر ہی کیا ہے۔ اپنے آپ کو بہت بڑی طاقتوں کا مالک سمجھتا ہے۔ میں اگر چاہوں تو الیکٹرونک نظام سے تیرے پورے دماغ کو جلا کر خاکستر کر سکتا ہوں۔ اپنی اس چھوٹی سی قوت پر ناز نہ کر۔ میں نے جیون بھر اس طرح کے علوم سیکھے ہیں۔ میں تو صرف تجھے اس لئے اپنا ساتھی بنانا چاہتا تھا کہ تیرے دماغ میں کچھ قوتیں ہیں۔ اپنے ایک منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا میں۔ مگر تو اپنے آپ کو رام پور کا لکشمن کہتا ہے۔ میں تجھے وہ بنا دوں گا جو تو سوچ بھی نہیں سکتا۔''

"مجھے افسوس ہے جناب! نہ میں رام پور کا لکشمن ہوں نہ میرے پاس کوئی دماغی قوت ہے۔ میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔ ذات کا مسلمان ہوں۔ متھرا کا رہنے والا ہوں۔ آپ چاہیں تو میرے بارے میں تصدیق کر سکتے ہیں۔ متھرا کے مسلمان محلے میں جو جمنا پار آباد ہے مولوی اکرام الٰہی کے پاس میں نے زندگی گزاری ہے۔ وہ میرے باپ نہیں تھے لیکن انہوں نے مجھے ایک لاوارث اور یتیم لڑکے کی حیثیت سے پروان چڑھایا ہے۔ آپ چاہیں تو اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ضرور آپ لوگوں کو میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی ڈاکٹر شائل کو نہیں جانتا۔"

"ایسے نہیں مانے گا تو...... میں تجھے سزا نہیں دینا چاہتا۔ میں تیری دماغی قوتوں کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ایک بات پر غور کر لے۔ دو صورتیں ہیں۔ یا تو مجھے تیرے جوتے چاٹنا ہوں گے یا پھر تو اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ سوچنے کے لئے دو دن دیتا ہوں۔ غور کر لے، غور کر لے۔"

"جنرل! آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیجئے، یہ دو دن دے کر آپ بلاوجہ خود بھی پریشان ہو رہے ہیں، مجھے بھی کر رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا کہ میرا نام ناصر علی ہے۔ کوئی دماغی قوت میرے پاس نہیں ہے۔ باقی آپ کی مرضی۔"

"دو دن...... صرف دو دن۔" جنرل نے جیسے اُس کی بات ہی نہ سنی ہو۔

ایک بار پھر اُسے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ لکشمن اپنے آپ پر ہنس رہا تھا۔ بہرحال قید خانے میں بھی اُس نے عبادت جاری رکھی۔ وہ اپنی دُعاؤں میں کہتا تھا کہ خداوند عالم! میں نے تو سچائی کے راستے ابھی ابھی اختیار کئے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میں ان راستوں پر آگے بڑھوں گا یا یہیں کہیں اس کا خاتمہ ہے۔ لیکن میں خوش ہوں...... میں نے بہت بڑا دین قبول کر لیا ہے۔

پھر ایک شکل اُس کے سامنے آئی اور وہ اُسے ایک لمحے میں پہچان گیا۔ وہ گیتا تھی جو اُس کی خدمت پر مامور کی گئی تھی۔ لکشمن کا دل زور سے دھڑکا۔ گیتا اُس کی ہمدرد تھی لیکن اس وقت اپنے آپ پر قابو پانا بڑا مشکل تھا۔ یہی ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ پر قابو پائے۔ چنانچہ اُس نے گیتا سے کسی شناسائی کا اظہار نہیں کیا۔ گیتا بھی بالکل خاموشی سے اُس کے کام کرتی رہی اور پھر دو دن گزر گئے۔

دو دن بعد لکشمن کو اس تجربہ گاہ میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ ایک بار پہلے بھی آیا تھا۔ لکشمن

پنے آپ کو آنے والے مشکل وقت کے لئے تیار کرنے لگا۔ بہرحال اُسے خوشی تھی کہ سنت گیانیشور کی دی ہوئی صلاحیتیں اب اُس کے ذہن سے دُور ہو چکی تھیں اور وہ ایک سادہ سے دماغ کا آدمی تھا۔ ایک مخصوص کرسی پر بٹھا کر اُسے مشینوں کے زیر سایہ لایا گیا۔ جنرل جے پال اُس کا تجزیہ کر رہا تھا۔ سامنے ہی ایک سفید اسکرین لگا ہوا تھا جس پر اُس کے دماغ کی تصویریں متحرک تھیں۔ جنرل جے پال تجزیہ کرتا رہا اور اُس کے چہرے پر حیرت کے نقوش بیدار ہوتے رہے۔ پھر کافی دیر تک یہ کارروائی کرنے کے بعد اُس نے حیرانی سے کہا۔

"یہ لکشمن نہیں ہے۔"

وہاں پر موجود تمام لوگ حیران رہ گئے تھے۔

"ہاں...... یہ لکشمن نہیں ہے۔" جنرل جے پال نے پھر کہا۔ اُس کا موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا۔ وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اُس پولیس آفیسر کو بلاؤ...... نا اہل لوگوں کو بھرتی کر لیا جاتا ہے اور وہ احمقانہ حرکتیں کیا کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر جنرل جے پال باہر نکل آیا۔ لکشمن کے بارے میں اُس نے ہدایت کی تھی کہ اُسے اُسی جگہ بند کر دیا جائے۔ اس کے بارے میں بہت جلد کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔

راج ماتھر حیران حیران سا جنرل جے پال کے پاس پہنچا تھا۔ جنرل جے پال نے اُس سے کہا۔

"محکمہ پولیس کے لوگ اس قدر نا اہل نہیں ہوتے جس قدر تم ہو۔ تم کس بنیاد پر اس شخص کو لکشمن سمجھ کر پکڑ لائے تھے؟"

راج ماتھر حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا۔ "سر! یہ لکشمن ہی ہے۔"

"تم پاگل ہو۔ یہ ناصر علی نام کا نوجوان ہے جو متھرا میں رہتا ہے۔"

"لیکن جناب......"

"شٹ اپ... اب میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اسے لے جاؤ اور مکمل ہرجانہ ادا کرو۔"

"جی سر۔" راج ماتھر، لکشمن کے ساتھ باہر نکلا اور بولا۔

"کیا جرمانہ چاہتے ہو تم؟"

"سر! میں سمجھا نہیں؟"

"دیکھو لکشمن! میں نہیں جانتا کہ جنرل جے پال کو تمہاری ضرورت کیوں تھی۔ لیکن اتنا

میں جانتا ہوں کہ وہ سخت گیر آدمی دیش کا وفادار ہے اور اس نے اپنے آپ کو اپنے دیش کے لئے وقف کر دیا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ دیش کے لئے بہتر ہوگا۔ خیر یہ ساری باتیں میں نہیں جانتا۔ میں تم سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ تم نے اُسے کیسے اس بات کا یقین دلایا کہ تم لکشمن نہیں ہو؟''

''سر! جنرل صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر مجھے کسی اور ذریعے سے پریشان کیا جائے تو میں سیدھا ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ آپ اب بھی وہی باتیں کر رہے ہیں جن کی بناء پر آپ نے مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ میں ایک شریف اور سیدھا سادھا آدمی ہوں۔''

راج ماتھر کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر اُس نے کہا۔ ''آؤ...... میں تمہیں چائے پلاؤں۔''

یہ کہہ کر وہ ایک ہوٹل کے سامنے رُک گیا۔ ریستوران کی ایک میز پر بیٹھ کر اُس نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''لکشمن! میں نے بھی پوری زندگی اس محکمے میں جھک نہیں ماری۔ دوست، تم میرے محسن ہو۔ میری بہن کی عزت آبرو بچائی تم نے اور میری بیوی کی بھی۔ بہت بڑا احسان تھا تمہارا۔ لیکن جنرل جے پال دیش بھگت ہے۔ ایک دیش بھگت اگر کسی پر شبہے کا اظہار کرتا ہے تو یقینی طور پر دیش ہی کا کوئی معاملہ ہوسکتا ہے۔ بہرحال میں چاہوں تو تمہیں پولیس کی حراست میں رکھ سکتا ہوں اور تمہارے بارے میں تحقیقات کر کے یہ ثابت کرسکتا ہوں کہ تم لکشمن ہی ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں تمہارا احسان مند بھی ہوں۔ کسی مصلحت کی بنا پر اگر ناصر علی بن گئے ہو تو ٹھیک ہے بنے رہو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ بھگوان تمہاری رکھشا کرے۔ یہ کچھ رقم ہے جو جرمانہ سمجھ کر نہیں بلکہ دوست سمجھ کر دے رہا ہوں تمہیں۔ جاؤ عیش کرو۔''

عیش تو کیا ہی کرنے تھے، ایک ہوٹل میں لکشمن نے قیام کیا اور سوچنے لگا کہ اب زندگی کی گاڑی کس ڈگر پر لے جائی جائے۔ چنانچہ درمیانہ درجے کے اس ہوٹل میں تقریباً چوبیس گھنٹے گزار لئے تھے اُس نے کہ پچیسویں گھنٹے پر اُس کے دروازے پر دستک ہوئی اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن آنے والی شخصیت کو دیکھ کر ایک دم اُس کے سارے وجود میں سنسنی دوڑ گئی تھی..... یہ گیتا تھی۔ گیتا نے اُسے سرد اور سپاٹ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہ میں یہ کہوں گی کہ تم لکشمن ہو نہ کچھ اور کہوں گی۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں کچھ سنانے آئی ہوں۔''

لکشمن نے اُسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ بیٹھ گئی، پھر بولی۔

''کیا پوچھ رہے تھے وہ لوگ تم سے؟''

''کون لوگ؟''

''میرا مطلب ہے، جنرل جے پال۔''

''کسی ڈاکٹر شائل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔''

''اور وہ ڈاکٹر شائل، رافیہ علی تھی؟''

''شاید۔''

''لکشمن! میں یہ نہیں کہتی کہ تم مجھ پر اعتماد کرلو۔ میں تمہیں اُس کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں اور دوسری بات یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں تمہاری اتنی دوست اور اتنی ہمدرد ہوں کہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ ہوسکے تو لکشمن، مجھ پر کھل جاؤ۔ بتا دو مجھے اپنے بارے میں۔ میں جنرل جے پال کی نمائندہ نہیں ہوں۔ اگر یقین کرسکتے ہو تو یقین کرلو۔''

نجانے کیوں لکشمن کا جی چاہا کہ گیتا کی باتوں پر یقین کرلے۔ اُس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کیا چاہتی ہو تم گیتا؟''

''تمہارے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرنا چاہتی ہوں اور اس کے بعد تمہاری مدد بھی کرنا چاہتی ہوں۔''

لکشمن گہری نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''گیتا! میں ماضی میں لکشمن ہی تھا۔ لیکن اب میں ایک مسلم نوجوان ہوں اور میرا نام صحیح معنوں میں ناصر علی ہے۔ گیتا! رافیہ سے میرا جو بھی تعلق رہا تمہارے علم میں ہے۔ ہم لوگ کچھ دن ایک ساتھ رہے اور اس کے بعد رافیہ اچانک ہی غائب ہوگئی۔ گیتا! میرے دل میں اُس کے لئے محبت کا پودا اُگ آیا تھا اور بڑی عجیب چیز ہے یہ محبت۔ اُس نے رام پور کے لکشمن سے رام پور بھی چھین لیا اور لکشمن بھی۔ بہرحال وہ کیوں چلی گئی، کیسے چلی گئی؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے اُس کے دماغ سے جو کہانی کشید کی تھی، اُس نے آج تک مجھے اُلجھایا ہوا ہے۔''

''دماغ سے کہانی کشید کی تھی؟''

''ہاں......تم نے وہاں ضرور میری اس قوت کے بارے میں سنا ہوگا جو میرے ذہن میں پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا پس منظر بھی کچھ عجیب سا ہے۔''

لکشمن نے مختصر انداز میں گیتا کو اس بارے میں تفصیل بتائی اور گیتا حیرانی سے اُسے دیکھتی رہی، پھر اُس نے کہا۔

''تو کیا اب تم اس قوت کے مالک نہیں ہو؟''

''نہیں گیتا! میں نے وہ سوغات واپس کر دی ہے۔ کیونکہ اب میں ایک مسلمان نوجوان ہوں اور ہمارے مذہب میں اس طرح کی فضولیات کی گنجائش نہیں ہے۔ مولوی اکرام الٰہی نے مجھے بتایا ہے کہ عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے باقی سب جادوٹونے ہیں جن کی گرفت روزِ قیامت کی جائے گی۔''

گیتا نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔

''اور رافیہ نے کیا بتایا تھا تمہیں اپنے بارے میں؟''

جواب میں لکشمن نے وہ ساری داستان گیتا کو سنا دی۔ گیتا بدستور آنکھیں بند کئے سنتی رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

''وہ ٹھیک کہتی تھی لکشمن! اس کے بعد کی کہانی میں تمہیں سناتی ہوں۔'' گیتا نے کہا اور لکشمن حیرت سے اُس کی صورت دیکھنے لگا۔ چند لمحات کے بعد گیتا بولی۔

''رافیہ نے اپنے باپ کے ساتھ ایران چھوڑ دیا۔ ساری مصیبت اُس کے بھائی کی لائی ہوئی تھی۔ ایرانی حکام اُس کے پیچھے لگے رہے۔ وہ ایران سے افغانستان اور افغانستان کے راستے پاکستان پہنچ گئی۔ باپ کو اُس نے اپنے ساتھ لیا ہوا تھا۔ لیکن ایک حیران کن بات ہوئی، اُسے ڈاکٹر شائل سمجھ لیا گیا اور پاکستان میں را کے جو ایجنٹ کام کر رہے تھے وہ اُسے اور اُس کے باپ کو اغواء کر کے یہاں لے آئے۔ اصل میں ڈاکٹر شائل پاکستانی ایجنسی کی ایک سرگرم کارکن تھی اور اُس کے بارے میں حکومت ہندوستان کو یہ اطلاع ملی تھی کہ ڈاکٹر شائل کچھ خصوصی ارادے لے کر ہندوستان میں داخل ہوئی ہے۔ رافیہ کو ڈاکٹر شائل سمجھ کر جنرل جے پال نے اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے بعد اس پر اور اس کے باپ پر مظالم کیے جاتے رہے۔ اُس کا بھائی ایرانی پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب اس کا ایران میں کوئی نہیں تھا اور وہ یہاں مصیبت میں گرفتار ہوگئی تھی چنانچہ اُسے آزاد کرا لیا گیا اور بعد میں اُسے یہاں سے فرار ہونے میں مدد دی گئی۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ پاکستان چلی گئی۔'' گیتا نے جواب دیا۔ لکشمن ششدر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ ''مگر گیتا! تمہیں اس کے بارے میں اتنی تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں؟''

''لکشمن! میں بھی انسان ہوں۔ انسانی ہمدردی میرے دل میں بھی ہے۔ یہ بات میرے علم میں بھی تھی کہ وہ ڈاکٹر شائل نہیں ہے اس لئے مجھے اُس سے ہمدردی ہوگئی تھی۔ ایک بے گناہ لڑکی مصیبت میں گرفتار تھی۔''

''تو کیا تمہیں اس بات کا علم ہے گیتا کہ پاکستان میں وہ کہاں ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں......وہ بلوچستان میں ہے اور میں اُس کے بارے میں ساری تفصیلات جانتی ہوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' لکشمن نے کہا۔ اور اُس کی آواز میں حسرت پیدا ہوگئی۔

گیتا اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے مسکرا کر کہا۔ ''وہاں جانا پسند کرو گے؟''

''خوابوں میں؟''

''نہیں۔ حقیقت میں۔''

''کیسے؟''

''اس کا انتظام میں کر دوں گی۔'' گیتا نے کہا۔ لکشمن حیران رہ گیا تھا۔ گیتا نے اُس سے کہا۔ ''اور اب تمہیں یہ شہر چھوڑنا ہوگا۔''

''گیتا! میں......''

''تمہیں لے جانے کے تمام انتظامات میں کروں گی۔''

لکشمن نے ممنون نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔ اس کے بعد گیتا نے اپنے عمل کا آغاز کر دیا۔ ایک فلائٹ سے دونوں بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی ایئر پورٹ سے اُترنے کے بعد گیتا ایک ہوٹل میں پہنچی اور یہاں اُس نے لکشمن کو اپنا شوہر بتایا اور ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ اسی رات وہ ہوٹل سے باہر نکل گئی۔ اُس نے لکشمن سے کہا تھا کہ اگر اس کی واپسی میں وقت لگ جائے تو وہ فکر نہ کرے۔ رات کو تقریباً دو بجے گیتا واپس آئی اور لکشمن نے اُس کا استقبال کیا۔

''ارے تم جاگ رہے ہو ابھی تک......؟''

"ہاں...... جن حالات کا میں شکار ہوں گیتا! ان میں نیند بڑی مشکل سے آتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم مجھے پاکستان کیسے لے جاؤ گی۔"

"ہماری پاکستان روانگی کے سارے انتظامات مکمل ہیں۔"

"کیسے؟" لکشمن حیرت سے چونک پڑا۔

"کل ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے ہم دونوں پاکستان چل رہے ہیں۔"

لکشمن نے اپنے پورے بدن میں شدید سنسنی محسوس کی تھی۔ گیتا اُس کا چہرہ دیکھتے ہی مسکرا کر بولی۔ "پوچھو گے نہیں کیسے ہوا یہ؟"

"پوچھنا چاہتا ہوں گیتا! لیکن اپنے آپ کو اس کا حقدار نہیں سمجھتا۔"

گیتا نے اُسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا پھر ایک دم سنبھل کر بولی۔ "لکشمن! جنرل جے پال انڈین سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ بڑی زبردست حیثیت کا حامل ہے۔ وہ پاکستان مجھے ایک مشن پر بھیجنا چاہتا ہے اور میں چونکہ اُس کی ایک سرگرم کارکن ہوں اس لئے یہ مشن اُس نے میرے حوالے کیا ہے۔ مجھے اپنے ایک نام نہاد شوہر کے ساتھ ایک بالکل الگ حیثیت سے پاکستان جانا ہے اور وہاں جا کر اپنا یہ کام سرانجام دینا ہے۔ اس کے لئے ایک شخص کا انتخاب کیا گیا ہے جسے میرا شوہر بننا ہے اور وہ شخص بمبئی میں موجود تھا۔"

"پھر......؟"

"اور اب وہ منوں وزنی پتھروں کے ساتھ سمندر کی گہرائیوں میں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اُسے بمبئی کے ساحل سے کافی فاصلے پر لے جا کر کشتی سے نیچے دھکیل دیا ہے۔ اُس کے پیروں میں وزنی پتھر بندھے ہوئے ہیں اور وہ سمندر کی گہرائیوں میں بیٹھ چکا ہے۔"

"تم نے یہ کیا ہے گیتا؟" لکشمن تعجب سے بولا۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں......؟"

"میک اپ کا سامان کل فراہم کر دوں گی تمہیں۔ تمہارے چہرے پر اُس شخص کا میک اپ کر کے تمہیں اپنے شوہر کی حیثیت سے پاکستان لے جاؤں گی۔ اور پھر......" گیتا مسکرا دی۔

"اور پھر......؟" لکشمن نے حیران لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں تمہاری رافیہ کے حوالے کر دوں گی۔"

"آہ...... کیا تم جانتی ہو کہ رافیہ کہاں رہتی ہے؟"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں۔" گیتا نے جواب دیا۔

یہ بات لکشمن کے لئے بڑی حیرت کا باعث تھی کہ گیتا جیسی خوبصورت عورت نے ایک مرد کو اس طرح قتل کر دیا۔ لیکن بہرحال گیتا پر اُسے مکمل بھروسہ بھی تھا۔

دوسرے دن گیتا نے اُس کے چہرے پر ایک خاص قسم کا میک اپ کیا۔ اُس کے لباس وغیرہ تیار کئے اور پھر اُسی رات ساڑھے آٹھ بجے وہ لوگ ایئر انڈیا کی فلائٹ سے چل پڑے۔ کراچی ایئرپورٹ لکشمن کے لئے بڑی دلکشی کا حامل تھا۔

دو دن یہاں قیام کر کے گیتا نے کچھ انتظامات کئے اور اس کے بعد لکشمن کو لے کر کوئٹہ چل پڑی۔ جنت نظیر کوئٹہ کے ایک پسماندہ علاقے کے ایک گھر میں گیتا نے دستک دی اور جس شخص نے دروازہ کھولا وہ رافیہ کا باپ علی تھا۔ لکشمن کو تو اُس نے نہیں پہچانا کیونکہ وہ میک اپ میں تھا لیکن گیتا کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ پیچھے سے رافیہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے بابا؟"

لیکن بوڑھے علی کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ تب رافیہ آگے آ گئی۔ گیتا کو دیکھ کر اُس کا بھی رنگ فق ہو گیا تھا۔ گیتا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اتنی خوفناک تو میں نہیں ہوں رافیہ کہ تم لوگ اس طرح مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاؤ۔ تمہارے ایک مہمان کو لے کر آئی ہوں۔"

گیتا کے ان الفاظ پر دونوں نے لکشمن کا چہرہ دیکھا لیکن دونوں اُسے نہیں پہچان سکے۔ بہرحال گیتا اندر داخل ہو گئی تھی۔

"انڈین سیکرٹ سروس کے ایک رُکن کو دیکھ کر تمہیں حیرت تو ہوئی ہو گی رافیہ! لیکن شاید تمہیں یہ جان کر مزید حیرت ہو کہ تمہیں پاکستان فرار کرانے کا سہرا بھی میرے ہی سر ہے۔ میں نے ان لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ تمہیں واپس پاکستان پہنچا دیں کیونکہ میں جانتی تھی کہ تم لوگ بے گناہ ہو۔ بہرحال اگر تم میری آمد سے پریشان ہو تو میں کچھ اور انکشافات کرنے کے بعد تمہارے گھر سے چلی جاؤں گی۔"

"نہیں مس گیتا! آپ نے واقعی ہم پر بہت احسانات کیئے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟"

"اس لئے رافیہ کہ میں جانتی تھی کہ تم ڈاکٹر شائل نہیں ہو بلکہ ایک بے گناہ لڑکی ہو جو کچھ خاص واقعات کی بناء پر ان لوگوں کے لئے شبہے کا باعث بن گئی تھی۔"

"آہ...... بہت مظالم کیئے ہیں انہوں نے ہم پر۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کتنے پسے ہوئے لوگ ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ خیر، میں تم پر کچھ انکشافات کرنا چاہتی ہوں بلکہ انکشاف کہہ لو اسے۔ اس شخص کو تم نے نجانے کیوں ٹھکرا دیا جبکہ کم از کم مجھے اس شخص کے بارے میں اندازہ ہے کہ یہ تمہیں بے پناہ چاہتا ہے۔ رافیہ یقین کرو۔ معاف کیجئے گا مسٹر علی! آپ بزرگ ہیں، آپ کے سامنے میں آپ کی بیٹی کے بارے میں الفاظ کہہ رہی ہوں۔ لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے رافیہ بھی مسٹر ناصر علی کو چاہتی ہے اور جہاں تک ناصر علی کا معاملہ ہے انہوں نے تو واقعی رافیہ کے لئے بڑا ایثار کیا ہے۔"

رافیہ اور علی کچھ نہیں سمجھ پائے تھے۔ تب گیتا نے لکشمن کا چہرہ صاف کر دیا اور دونوں اُسے دیکھ کر اُچھل پڑے۔

"تم......؟"

"ہاں۔ یہ زمانہ قدیم کے لکشمن اور حال کے ناصر علی۔"

"کیا مطلب؟"

"رافیہ کے لئے انہوں نے اس کا مذہب قبول کر لیا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے محترم علی! میں نے رافیہ کے لئے یہ مذہب قبول نہیں کیا بلکہ خدا نے مجھے اس کی توفیق دی ہے۔" رافیہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

... نے کہا۔ "بہر حال رافیہ! ناصر علی کی قدر کرنا۔ اور محترم بزرگ! ان دونوں کو یکجا ...ے کی ذمہ داری میں آپ کے سپرد کر رہی ہوں۔ آؤ لکشمن، مجھے دروازے کے باہر چھوڑ دو۔"

"آپ بیٹھیئے گیتا!"

"نہیں، میرا چلے جانا بہت ضروری ہے۔ لکشمن، آؤ میں تم سے دو باتیں کہنا چاہتی ہوں۔"

دروازے کے باہر کھڑے ہو کر گیتا نے کہا۔ "کوئی قدم میرا تعاقب مت کرنا۔ وعدہ کرو، ایسا کرو گے تو نہیں؟"

"آپ کہتی ہیں مس گیتا تو نہیں۔"

"تو پھر میری دونوں باتیں سنو۔"

"جی فرمایئے؟"

"پہلی بات یہ ہے لکشمن! یا معاف کرنا ناصر علی! کہ میں تم سے محبت کرنے لگی تھی۔ چاہنے لگی تھی میں تمہیں۔ میرے دل میں بھی تمہارے لئے اسی طرح پیار پیدا ہو گیا تھا جس طرح تمہارے دل میں رافیہ کے لئے یا رافیہ کے دل میں تمہارے لئے...... بولو گے نہیں بیچ میں، جو میں کہہ رہی ہوں اسے سنو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اصل ڈاکٹر شائل ہوں۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کی رُکن۔"

یہ الفاظ سن کر گیتا نے تیز تیز قدم آگے بڑھا دیئے اور لکشمن آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹکنے لگا...... یہ بات اُس کی سمجھ میں دیر تک نہیں آئی تھی۔ لیکن جب سمجھ میں آئی تو گیتا نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی......!

(ختم شد)